یامولاکریم عجل الله فرجك وصلوات الله عليك وعلىٰ آبائك اجمعين

امتیاز العالین

عن

انواع العالمین

رشحاتِ قلم

شہزادہ فصیح البیان

السیّد محمد جعفرؒ الزمان نقوی البخاری

جمن شاہ ضلع لیہ

مصنف کا نام : مخدوم السید محمدؒ جعفرؒ الزمان نقوی البخاری

کتاب :امتیاز العالین عن انواع العالمین

مرتب : مہتاب اذفر

تکنیکی معاونین : علی رضا، بلال حسین

سنۂ اشاعت 2012ء

تعداد 1000:

پرنٹرز :

ایڈیشن :سوم

پبلشرز :القائم ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی

کمرہ نمبر 11اے اینڈ کے چیمبر 14 ویسٹ اینڈ وہارف روڈ

کراچی نمبر2 پوسٹ کوڈ74000 پاکستان

فون نمبر 021-3220537,32311979,32311482

Email: klbehaider@yahoo.com

ملنے کا پتہ : المنتظرین پبلیکیشن جمن شاہ ضلع لیہ

فون نمبر : 0606460259

ویب سائٹ : www.Khrooj.com

www.jammanshah.com

Email.jammanshah@gmail.com

ISBN-969.8806.36.9

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک و صلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتساب

اس مظلوم کائنات عجل اللہ فرجہ الشریف کے نام کہ جن کی غیبت کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کو دور حاضر کے شمر و یزید زہر آلود تیغ قلم سے نشانہ ظلم و ستم بنانے میں مصروف ہیں

دعا گو

جعفر نقوی

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک وصلوات اللہ علیک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	عرضِ حال	1
	پیشِ گفتگو	4
پہلا باب	بشر	11
دوسرا باب	مثل	33
تیسرا باب	نوع	51
چوتھا باب	نطق وناطقہ	73
پانچواں باب	تصورِ اشرف المخلوقات	93
چھٹا باب	وحی	121
ساتواں باب	موارد مثل	146
آٹھواں باب	منیت	174

نواں باب	قیاس کی منافی	190
دسواں باب	اجرائے نسل	206
گیارہواں باب	نورِ اول	234
بارہواں باب	غلو وغلاۃ	267

............☆............

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

عرض حال

ہر مصنّف اپنی کتاب لکھنا شروع کرتا ہے تو اس کتاب کو لکھنے کے کچھ محرکات ہوتے ہیں چاہے وہ مادی ہوں یا غیر مادی وہ محرکات جب اپنی شدت اختیار کر لیتے ہیں تو مصنف کاغذ اور قلم کا سہارا لیتا ہے خاص طور پر جب محرکات جذبات سے متعلق ہوں پہلے مناسب رہے گا کہ میں اپنی ذہنی کیفیت بیان کروں اس کے بعد اس کتاب کو لکھنے کے محرکات خود بخود سامنے آجائیں گے ہماری ذہنی کیفیت یہ ہے کہ اپنی زندگی میں جب سے شعور حاصل ہوا ہے ایسا لگتا ہے کہ ایک عظیم مصائب میں مبتلا ہیں غم و آلام سے ایک لمحہ فرصت نہیں ہے محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے صحن میں بہت سے بے کفن لاشے رکھے ہوئے ہیں کچھ ایسی لاشیں ہیں جنہیں زہر دیکر شہید کیا گیا ہے ہم ان لاشوں کی حالت زار کا مشاہدہ کر رہے ہیں طاقت انتقام نہیں حسرت انتقام بیٹھنے نہیں دیتی امید انتقام ہے اور حوصلہ شکن انتظار ہے ان غریبوں کا جرم یہ ہے کہ یہ انسانیت کو خالق سے روشناس کروانا چاہتے تھے۔

زندگی بھر پتھر کھائے، صدمات اٹھائے اذیت دینے والوں نے اذیت کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لوگ ان غریبوں پہ آنسو بہانے کے لئے آتے ہیں مگر ہر آنسو کے بدلے میں اپنی خواہشاتِ نفس کی ایک طویل فہرست اور اپنے ذاتی مفادات کے مطالبات کی ایک لمبی فہرست ان کی لاشوں پہ رکھ کر چلے جاتے ہیں جو شخص پرسہ کے

لئے آتا ہے ناز برداریاں کرواتا ہے کوئی ایک لمحہ کو ان کے دکھ بیان کرتا ہے تو اسی لمحے گریبان پکڑ کر اپنے قیمتی وقت کی قیمت مانگتا ہے ان کا تعلق ان لاشوں سے کیا ہے؟
انہیں کیا معلوم کہ ان غریبوں کا ایک وارث عجل اللہ فرجہ الشریف بھی ہے جو دیکھ رہا ہے، تنہائی میں رو رہا ہے ہماری ذہنی کیفیت یہی ہے کہ ہم ان غریبوں کی لاشوں پہ عدل الٰہی کے منتظر ہیں، منتقمؑ کی آمد کے انتظار میں ہیں بے درد لوگ ہمارے احساسات سے بے نیاز ہو کر آتے ہیں کوئی ان شہداءؑ کے کردار میں کیڑے نکالتا ہے تو کوئی ان کی ذات پر اعتراض کرتا ہے غیر متعلقین کے دو دھڑے بن گئے ہیں دونوں ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے موضوعِ بحث ان مظلوموں کو بنا رہے ہیں کوئی کدھر کھینچتا ہے، کوئی کدھر، ان سے کوئی اتنا بھی نہیں کہتا کہ میاں اپنے اقتدار کی جنگ میں ان غریبوں کو استعمال کیوں کر رہے ہو، ان غریبوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے کوئی ان کا خون بیچ رہا ہے، کوئی کفن نوچ رہا ہے، کوئی ان کی چادر تطہیر کے درپئے ہے، کوئی ان کے گھروں کی دیواریں گرا رہا ہے، ان کی بے سہارا اور نادان اولاد کو اغوا کر کے اپنے مقاصد میں استعمال کر رہا ہے اتنی بڑی سزا؟ اتنی وسیع سزا؟ آخر کس جرم میں؟ کوئی ہے جو ان کا جرم بتائے انہوں نے کس کو دکھ دیا ہے؟ یہ تو انسانیت کے محسن تھے احسان کا بدلہ یہی ہے؟ یہ لوگ جو کچھ کر رہے تھے کرتے مگر ان کو سڑکوں، چوراہوں، دکانوں پہ موضوع گفتگو نہ بناتے۔
ہم ان حالات کے باوجود ان دونوں فریقوں سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ میں گھل رہے تھے اور انہیں پریشان نہیں کر رہے تھے کم از کم یہ لوگ اتنی مہربانی کرتے کہ اس معاملے میں ہمیں نہ گھسیٹا جاتا ہماری زندگی تو پہلے ہی ان مصائب کی متحمل نہیں ہو رہی تھی لوگ ہمارے پاس بھی آنے لگے ہمیں تنگ کرنے لگے کیوں بیٹھے ہو؟ تم خوشی

کیوں نہیں کرتے ؟غم کیوں مناتے ہو؟ اور یہ چرو کے لگانے لگے کہ یہ غریب شہداؑء تو غریبِ محض ہیں، بے بس ہیں اور ہم جیسے محتاج بشر ہیں ہماری نوع کے حامل ہیں اب یہ سوالات جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں اور ہم ہر بحث پہ دل میں آنسو بہا کر رہ جاتے ہیں انہیں کیا کہیں کہ چلو تم اپنا کام کرو ہمیں اپنا کام کرنے دو۔
اس دور میں فتوؤں کی منڈی میں تو سب سے ارزاں مال فتویٰ ہے جس کا اختیار اس دور میں ہر عالم و جاہل کو حاصل ہے فتوے بنانے والا ''اللہ دین کا چراغ'' ہر شخص کے پاس ہے ہم ہر بات صبر وشکر سے برداشت کرتے رہے لیکن اس خانہ ویرانی پہ آنسو بہانا بھی کسی کو اچھا نہ لگا، پرسہ کے بہانے آ کر دل جلانا شروع کر دیا مجبوراً چند موضوعات پہ قلم اٹھانا پڑا جو کسی جماعت اور کسی فرد پر تنقید کی غرض سے نہیں اٹھایا ہے بلکہ صرف اپنے دوست اور حلقہ احباب کے عقائد کے تحفظ کے لئے کچھ نہ کچھ لکھنا ضروری سمجھا تو لکھنا شروع کر دیا اور اس میں بھی شہدائے مظلومینؑ کے مراتب وعظمت کے تحفظ کی غرض شامل ہے امید ہے ان مظلومین علیھم الصلوات والسلام کا مظلوم وارث عجل اللہ فرجہ الشریف اپنے عبد ذلیل کی تائید جلیل فرمائے گا کیونکہ یہ مسئلہ میرا ذاتی نہیں اس مظلوم کائناتؑ کے اجداد طاہرینؑ کا ہے اس لئے وہ اپنے خزانہ ہائے رحمت وعلم و معارف میں سے مجھ بے بضاعت کو ضرور عطا فرمائے گا ہماری ہمہ وقت یہی دعا ہے کہ مظلومین اولین وآخرین کا منتقم عجل اللہ فرجہ الشریف جلدی آئے۔

(آمین یارب العالمین)

جعفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

پیش گفتگو

میرے دوستو!

میں نے نہ کبھی عالم و عارف حقیقی ہونے کا دعویٰ کیا ہے، نہ صاحب معنی و اسرار ہونے کی صدائے انا الحق لگائی ہے میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے، یہ جو کچھ بھی میرے پاس ہے تو یہ اپنے شہنشاہ زمانہ، ولی نعمت، کریم ازل و ابدعجل اللہ فرجہ الشریف کے خوان نعمت سے چنے ہوئے ٹکڑے ہیں جن سے میری روحانی بھوک کا علاج اور روحانی تشنگی کا مداوا ہوا ہے اور یہی کچھ میرا دینوی اور اخروی سرمایہ ہے اس کے علاوہ جو بھی میرا ہے وہ میرا نہیں۔

میں تو آیا ہوں استفادے کو

میری ہر چیز خود میری تو نہیں

میری حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند

آنچہ استاد ازل گفت بگومی گویم

میں نے اپنی خلوتوں میں بارہا سوچا ہے کہ جو صاحبان اسرار و معنی ہیں وہ بہت کم منظر عام پہ آتے ہیں اور بہت کم لوگ ان سے استفادہ کرتے ہیں اور مجھ جیسے ''کم جو''

اکثر محروم رہتے ہیں اس کی وجوہات کیا ہیں؟
اور یہ بھی ہے کہ صاحبان اسرار و معنی کتب تحریر کرنے سے بھی بے اعتنائی کا مظاہرہ کرتے ہیں جب کہ مارکیٹ میں گندم یا جوفروش لوگوں کی کتب کے انبار لگے رہتے ہیں اور ان کی کوئی کتاب نہیں ملتی اس کے وجوہات کیا ہیں؟
میں نے ان کے اس عمل کے بارے میں سوچا تو ان کی ان باتوں کے میرے سامنے چند وجوہات آئے ہیں مگر میں یقین سے تو نہیں کہہ سکتا کہ بس یہی وجوہات ہی ہیں لیکن اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں اصل وجوہات جو بھی ہیں ان میں سے چند ایک یہ بھی ہوں گے۔

پہلی وجہ

پہلی وجہ یہی ہے کہ جن لوگوں نے عرفان وعلم پہ عمیق اور پر از اسرار کتب لکھے ہیں ان کی کتابیں ان کی شخصیت کی طرح دفن ہو جاتی ہیں جو لوگ ان کا مافی الضمیر نہیں سمجھ سکتے وہ انہیں ضال ومضل کہہ دیتے ہیں اور جو لوگ ان کی باتیں کچھ نہ کچھ سمجھ لیتے ہیں وہ ان اسرار کو لوگوں پر اپنے علم کا رعب جمانے کے لئے استعمال کرتے ہیں حقیقی معنی میں ان سے استفادہ کوئی نہیں کرتا اس لئے وہ کتب صرف باعث فساد و تفریق وتخریب بن جاتی ہیں جن سے نفع کی بجائے نقصان ہوتا ہے اس لئے رازوں کو نوک قلم سے مس کرنا صاحبان اسرار و معنی غلط سمجھتے ہیں۔

دوسری وجہ

دنیا میں جو شخص فقر وولایت کا دعویٰ کرتا ہے یا اس سے ذرا سا خوارق اظہار ہو

جائے تو لوگوں کی بھیڑ لگ جاتی ہے ارادت مندوں کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو اخروی غرض کے لئے نہیں آتے بلکہ ہر شخص ہزاروں مسائل کا شکار ہونے کی وجہ سے اپنے مادی مسائل کے حل کے لئے آتا ہے اس کی نظر میں دین کی نہیں دنیا کی اہمیت ہوتی ہے اور دنیاوی مرادیں پوری کروانا چاہتا ہے چاہے ان کے بدلے میں جہنم ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

ارادت مندوں کی عقیدت دراصل اپنے مفادات سے ہوتی ہے نہ کہ صاحب اسرار ومعنی سے ، کیونکہ دنیا والے تو اپنے مفادات کے لئے گدھے کو بھی باپ بنا کر فخر محسوس کرتے ہیں تو کسی انسان کے قدموں میں جھکنے سے انہیں کون روک سکتا ہے؟

اس طرح ہر ارادت مند اعجاز کرامت پرست بن جاتا ہے ہر معاملے میں اپنے لئے نئے سے نیا معجزہ کرامت و چمتکار چاہتا ہے اگر کوئی اس کا کام کر دے یعنی بارگاہ اقدس سے دعا کر کے اس کا مسئلہ حل کروا دے تو مزید پریشانی پیدا ہو جاتی ہے یعنی ایک کا مسئلہ حل ہوا اس نے دس اور لوگوں کو بھیج دیا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آنے والوں میں ہدایت کے طلب گار نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں اور مطلب پرست ہزاروں کی تعداد میں ، لہٰذا اس کام کی بھی کوئی اخروی افادیت نہیں رہ جاتی اور فقیر ایک مداری بن جاتا ہے۔

تیسری وجہ

تیسری وجہ عوام میں شخصیت پرستی کا رجحان ہے یعنی ایک صاحب اسرار و معنی جب کلام فرماتا ہے، درس اخلاق دیتا ہے، مہلکات و منجیات پہ بحث کرتا ہے، اعمال خیر کا امر

دیتا ہے اور برے اخلاق و افعال سے روکتا ہے تو لوگ اس کے مقصد کو فراموش کر کے اس کے قدموں کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں اور اس عمل کے بعد یہ سمجھتے ہیں کہ اب مزید کسی عمل کی ضرورت نہیں ہے۔

اور ان کا یہ عقیدہ بن جاتا ہے کہ ان کی محبت اور پرستش نجات کے لئے کافی ہے حالانکہ جو شخص ڈاکٹر کے بتائے ہوئے نسخے کو استعمال نہیں کرتا اسے مرض سے نجات نہیں ملتی چاہے وہ ڈاکٹر کی جتنی تعریف کرے یا ڈاکٹر کے قدموں میں سر بہ سجود ہو جائے لیکن وہ لوگ یہ بات نہیں سمجھتے کیونکہ لوگوں میں اعمال سے بیگانگی اور شخصیت پرستی کا شدید رجحان موجود ہے اور اسی وجہ سے صاحبان معنی و معرفت خود کو عوام سے چھپاتے ہیں۔

کیونکہ اصل بات تو ہے خلق کو خالق کا راستہ دکھانا نہ کہ اپنے قدموں میں جھکانا مگر انسان، انسان کے قدموں میں سجدہ ریز ہونے کو ہر وقت تیار ہے اور خالق کی بارگاہ میں سجدہ کرنے سے دل میں تنگی اور بوریت محسوس کرتا ہے۔

ان حالات میں صاحبان اسرار و معنی کی حقیقی افادیت ختم ہو جاتی ہے لہٰذا وہ شہرت سے گمنامی کو ترجیح دیتے ہیں۔

ان سارے مفاسد کے پیش نظر آج عرفاء نے خود کو چھپا لیا ہے کیونکہ عرفانیات کا دفاع کرنے والا اب ظاہراً کوئی نہیں، اس طرح عرفان دشمن عناصر کو میدان خالی مل گیا ہے اور اب ان کی مرضی عوام پر جو عقیدہ مسلط کریں کون پوچھنے والا ہے؟

جن لوگوں نے نائبین کے عقائد کے دفاع میں کتابیں لکھی ہیں انہوں نے نقل کے جواب میں نقل سے کام لیا ہے اور اس دور میں عرفان دشمن عناصر کے پاس چند سب

سے کامیاب حربے ہیں ایک ہے تاویل اور دوسرا انکار، تیسرا حربہ ہے علم الرجال اس کی چند کتابیں ہیں ان کا خلاصہ دیکھا جائے تو نہ ہی کوئی ثقہ ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی غیر ثقہ کیونکہ ایک نے جسے ثقہ لکھا ہے دوسرے نے جھوٹا لکھ دیا ہے اور اس نے جسے سچا لکھا ہے دوسرے نے جھوٹا لکھ دیا ہے اس طرح جب کسی حدیث کی تکذیب کرنا ہو تو اس راوی کو جھوٹا کہنے والی کتاب دی۔

جب اسی کے کسی اپنے مطلب کی حدیث کو درست اور سچا ثابت کرنا ہو تو اسے سچا لکھنے والے کی کتاب دکھا دی اس طرح یکطرفہ کاروائی ہو رہی ہے کوئی پوچھنے والا نہیں۔

جس زمانے میں میں کمپیوٹر سیکھ رہا تھا تو اس وقت یہ امید بندھی تھی کہ اب ایک انقلاب آئے گا کیونکہ اب کمپیوٹر میں ہر چیز آ رہی ہے اور احادیث کے انسائیکلوپیڈیا بن رہے ہیں اور وہ وقت قریب ہے جب ہر علم دوست آدمی مولوی سے بے نیاز ہو جائے گا پوری فقہ کسی سی ڈی میں مل جائے گی جملہ احادیث ایک ہی سی ڈی پر مل جائیں گے ریسرچ آسان ہو جائے گی۔

اب بھی بہت سا مواد ہمارے پاس کمپیوٹر میں موجود ہے یہ ہم آسانی سے دیکھ سکتے ہیں کہ لفظ نور یا بشر کتب اربعہ میں کتنی مرتبہ استعمال ہوا ہے اور کہاں کہاں استعمال ہوا ہے قرآن کریم کے الفاظ و حروف و مضامین و تفسیر پہ بہت زیادہ مواد ہمیں حاصل ہے مگر مستقبل کے مقابلے میں یہ عشر عشیر بھی ہیں بہرحال ابھی تھوڑی سی دیر ہے نام نہاد مولوی سے نجات ملنے کی امید بندھ گئی ہے۔

کیونکہ ہر آدمی کو ہر قسمی مواد گھر بیٹھے ملے گا اور اسے اپنی رائے رکھنے میں کسی کا خوف

یا پابندی نہیں ہوگی سفید و سیاہ اس کے سامنے ہوگا اور وہ اپنی رائے میں آزاد ہوگا۔

اپنی کتاب کے بارے میں عرض کروں گا کہ میں نے اس کتاب میں ایجابی طرز فکر اور طرز بیان نہیں اپنایا بلکہ اپنے قارئین کو سوچنے کی راہیں دی ہیں ان کی فکر کو اندھا دھند چلنے کے بجائے کچھ زاویہ ہائے نگاہ فراہم کئے ہیں تاکہ وہ اپنا فیصلہ خود کر سکیں اور اپنی رائے خود وضع کر سکیں تاکہ کل وہ اپنے شہنشاہ زمانہؑ کے سامنے شرمسار نہ ہوں۔

میں جب اس کتاب کو مکمل کر چکا تھا تو اس وقت میرے بزرگ و ذی عزت مہربان علامہ تاج الدین حیدری صاحب یہاں ہمارے ہاں تشریف لائے میں نے ان سے گزارش کی کہ اس کتاب کا نام میں نے نہیں رکھا کیونکہ میں چاہتا تھا کہ اس کتاب کا نام کسی علمی شخصیت سے رکھواؤں گا اور یہی اس کتاب کی تقریظ ہوگی تو انہوں نے یہ نام دیا۔

''امتیاز العالین عن انواع العالمین'' اس نوازش پہ ان کا شکر گزار ہوں

اس کتاب کی کتابت میں جن لوگوں نے میرے ساتھ تعاون کیا ہے ان کو فراموش نہیں کر سکتا جن میں جناب سید مظہر حسین موسوی صاحب آف کراچی، جناب سید مسرت عباس صاحب شیخوپورہ، جناب سید یحیٰ حسن رضوی فیصل آباد، جناب سید ندیم عباس صاحب لاہور، جناب علامہ غلام شبیر صاحب آف لاڑکانہ، جناب ملک رمضان صاحب آف اسلام آباد، جناب مہتاب اذفر صاحب، جناب علی رضا صاحب، جناب بلال حسین خان صاحب، جناب ابجر مہدی صاحب

آخر میں اپنے جملہ قارئین سے گزارش کروں گا کہ اگر اس میں کوئی بات ناگوار

گزرے تو وہ مجھ سے سہواً سرزد ہوئی ہوگی پھر بھی ان سے درگزر کرنے کی التماس کروں گا اور معذرت چاہوں گا اور اگر کوئی چیز اچھی لگے تو اس کا بھی کریڈٹ خود مجھے نہیں پہنچتا کیونکہ یہ بھی میرے مالک و وارث شہنشاہ زمانہؑ کے خزانہ ہائے عرفان سے عطا شدہ ہے کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ کوئی اچھا خیال بھی نہیں آتا مگر وہ عطائے حجت زمانہؑ ہوتا ہے اور اگر کوئی کوتاہی ہے تو وہ میری اپنی ہے کیونکہ وہ ذات تو ہر نقص سے پاک ہے۔

سب قارئین سے یہ التماس دعا بھی کروں گا کہ جب بھی اس کتاب کا مطالعہ کریں شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی ابدی حکومت کے ظہور کے لئے دعا ضرور کریں یہ میری زندگی کا مقصد کلی و حقیقی ہے اسی کے ساتھ اجازت چاہوں گا۔

والسلام من اتبع الھدی

جعفر نقوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 1

بشر

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے رفیقان فکر!

اس دور میں جہاں انسان مادی ترقی میں آسمان سے باتیں کر رہا ہے وہاں روحانی تنزلی میں پاتال کو چھو رہا ہے۔

حالانکہ جس مذہب میں روحانیت کا تصور موجود نہ ہو وہ مذہب سب کچھ ہوسکتا ہے مگر مذہب کہلوانے کا حقدار نہیں ہے کیونکہ حدود وتعزیرات اور ضابطہ اخلاق ہی مذہب نہیں ہے کیونکہ ''جرائم کی سزا'' ان ممالک میں موجود ہے جن کی بنیاد ہی دہریت والحاد پر ہے مثلاً کیمونسٹ ممالک میں بھی قانوناً مختلف جرائم کی مختلف سزائیں موجود ہیں اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ حدود وتعزیرات کا نام مذہب نہیں ہوسکتا پھر اس کے بعد ہے اخلاقیات تو عام حالات میں یہی نظر آتا ہے کہ اخلاقیات ہی مذہب ہے یعنی اچھے اور برے کو سمجھنا، خیر وشر کا تعین کرنا، نیک اور بد افعال میں خط امتیاز قائم کرنا اور صالح زندگی کیا ہے اس کے فائدے اور ازلی سچائی کو متعین کرنا یہ کام اخلاقیات کے ہیں مگر یہی اخلاقیات اپنی کسی نہ کسی شکل میں جملہ اقوام عالم میں موجود ہے آپ اخلاقیین کی فہرست پر نظر ڈالیں گے جنہوں نے اخلاقیات کی گہرائیوں سے گوہر

ہائے نایاب تلاش کر کے علم اخلاقیات کے دامن میں ڈالے ہیں۔
مگر ان فلاسفہ کو آج تک کسی نے کسی مذہب سے وابستہ نہیں بتایا کیونکہ اخلاقیات ہی کا نام مذہب نہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ مذہب کے حدود اربعہ میں اخلاقیات بھی داخل ہے اور ہر مذہب اخلاقیات کا درس دیتا ہے تاکہ معاشرے میں اعتدال قائم رکھا جاسکے۔
حدود وتعزیرات کا بھی یہی فلسفہ ہے۔
جو مقام حدود وتعزیرات کا ہے یا اخلاقیات کا ہے یہی مقام کسی بھی مذہب میں فقہ کا ہے ان علوم کا تعلق انسان کے ظاہر سے ہے ظاہر کی درستی اور معاشرے میں فرد کے رویے کو متعین کرنا انہی علوم سے وابستہ ہے مگر روحانیت ایک علیحدہ چیز ہے۔
مادیات سے ماوریٰ کائنات سے ارتباط پیدا کرنا روحانیت کا شعبہ ہے۔
جہاں جملہ مادی وسائل ساتھ چھوڑ دیتے ہیں، نیچر (فطرت) جہاں پرواز نہیں کرسکتی وہاں روحانیت کے شہپر انسان کو طاقتِ پرواز عطا کرتے ہیں۔
باقی مذاہب کو اگر علیحدہ کر دیا جائے تو اسلام میں ہمیں آج کل روحانی بلندیوں کو چھونے کا درس تو ملتا ہے مگر اس میں کوئی پراسس (طریقہ کار) موجود نہیں ہے کہ انسان کس طرح روحانیت میں ترقی کرسکتا ہے اسلام کے ماضی قریب تک مومنین اور اولیاء کرام سے کرامات کا ظہور ہوتا رہا ہے۔
خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے غلاموں کے کرامات کے تذکروں سے کتب چھلک رہے ہیں اور ان لوگوں نے کرامات ومعجزات کی طاقت سے اسلام کا سکہ منوایا ہے مگر آج صاحبان علم کا دامن متنازعہ مسائل پہ بحثوں سے لبریز ہے اور روحانی ترقی

کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے اس سوال کا جواب کوئی نہیں دیتا۔
آج مقررین وواعظین خود روحانیت کی لذت سے محروم ہیں فلسفہ منطق و بیان کے زور پر اپنی بڑائی ثابت کر رہے ہیں اور روحانیت کے شرابِ طہور کی ایک بوند کی لذت سے بھی نا آشنا ہیں۔
جاپان نے دنیا کو مارشل آرٹ سے متعارف کروایا ہے جس میں جوڈو کراٹے ، جکاڈو کنگفو وغیرہ ہیں ان لوگوں نے اس فن کے طلباء کے لئے ایکسرسائز بنائے ہوئے ہیں ان میں یوگا کی ریاضتیں بھی شامل ہیں مثلاً ایک گھنٹہ ہر پہلوان حبس دم کی ورزش کرتا ہے اور مہاتما بدھ کے مجسمے کے سامنے آسن جمائے یکسوئی کے ساتھ سانس روکنے کی ریاضت کرتا ہے ان لوگوں نے ریاضتِ نفس کو کھیل میں داخل کر دیا ہے ادھر عالم اسلام ہے تو ان کے عبادات میں ریاضتِ نفس مفقود ہے تو پھر یہی سوال ذہن میں آتا ہے کہ۔
کیا جس مذہب میں ریاضت نفس اور روحانیت نہ ہو وہ مذہب ، مذہب کہلانے کا حقدار ہے؟
کیا ہمارے مروجہ اسلام میں جو بے جان نمازیں موجود ہیں کیا ان کے سہارے انسان روحانیت کی کسی اعلیٰ منزل تک پہنچ سکتا ہے؟ یا پہنچا بھی ہے؟
کیا انسان پانچوں فقہیں یاد کرنے کے بعد عالم بالا سے رشتہ جوڑ سکتا ہے؟
میرے خیال میں کوئی بھی شخص ان باتوں کا جواب ہاں میں نہیں دیگا خاص طور پر اپنے حوالے سے نہیں کہہ سکے گا کہ میں نے انہی چیزوں سے روحانیت کی فلاں اعلیٰ منزل پائی ہے اگر کوئی یہ دعویٰ کر بھی دیگا تو تجربات کے مراحل میں شرمسار ہوگا۔

جب انسان کا دامن روحانیت سے اس درجہ خالی ہے تو اسے روحانیت کے اعلیٰ منازل اور روحانیین کے مقامات کے تعین کرنے کا کیا حق ہے جس آدمی نے امریکہ کا وائٹ ہاؤس اور برطانیہ کا بکنگھم پیلس نہیں دیکھا ہوا وہ اگر ان کی تصاویر بنائے گا تو غلط ہی ہوں گی بلکہ سو فی صد غلط ہوں گی۔

قابل افسوس بات یہ ہے کہ اس دور میں روحانیت اور روحانیین کی تصویر کشی کا ٹھیکہ انہیں مل گیا ہے جو ان چیزوں کی ایک جھلک سے بھی محروم ہیں اس امت کے علماء کی ذرا سی حوصلہ افزائی ہوتی ہے تو امت مسلمہ کسی نہ کسی اختلاف میں کٹ مرتی ہے۔

کبھی قرآن کریم کے حادث وقدیم ہونے پہ بحث کر کے ہزاروں جانوں سے کھیلا جاتا ہے تو کبھی نور و بشر کی بحث سے ،جس وقت ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تو اس وقت دشمن سے بے خبر علماء امت مسلمہ کو کوے کے حلال وحرام ہونے پر لڑ ارہے تھے کوا حلال ہے یا حرام، اس بات پر مسلمان آپس میں کٹ مر رہے تھے عباسی دور سے لیکر مغلیہ دور تک پورے مشرق میں علماء کو تحفظ ملتا رہا ہے مگر انہوں نے صدیوں علم کے دریا بہانے کے نام پر چند منطقی بحثوں اور فساد فی الارض کے علاوہ کیا دیا ہے؟

جلال الدین اکبر کے بعد سے بہادر شاہ ظفر تک علماء کی حوصلہ افزائی ہوئی ہے ان صدیوں کی تحقیق نے انسانیت کو خاص طور پر اسلام کے ہزاروں اختلافات کے علاوہ کیا دیا ہے؟ متضاد تفاسیر، کلام پاک کی ادبی وحربی تفاسیر یا کلام الٰہی کی ایک غیر منقوط تفسیر۔

حقیقت یہ بھی ہے کہ ان میں سے کوئی تفسیر جدید دور کے تقاضوں کے سامنے منہ دکھانے کے قابل ہے ہی نہیں جملہ تفاسیر کا یہ حال ہے کہ سائنس کے طوفانی حقائق

کے سامنے خس وخسا شاک کی طرح اڑ رہی ہیں۔
صدیوں کی عرق ریزی خشک ریت کے گھروندے سے زیادہ مضبوط نہیں ہے کلام مقدس کا ہر لفظ ایک اصطلاح ہے اس کے ترجمے میں تعریف کی بجائے لغت کی بیساکھیوں کو استعمال کیا گیا ہے کیا یہ اپاہج ترجمے جدید سائنس کی چٹان سے لڑ سکتے ہیں؟
میں نے اگر کچھ لکھنا چاہا ہے تو اسے اثباتی انداز تحریر نہ سمجھا جائے کیونکہ میں ذوات مقدس اور کلام مقدس کو اور ان کے مقامات کو متعین نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی کائنات کا کوئی انسان انہیں اور ان کے مقامات کو متعین کرسکتا ہے۔
بلکہ میں نے تو صرف اسی لئے خامہ فرسائی کی ہے کہ میرے حلقۂ احباب کو معلوم ہو کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں حد بندیاں کرنے والوں کا اجتہاد ناقص ہے میں کسی فرد کے خلاف نہیں لکھ رہا صرف اپنے نظریات کا تحفظ کر رہا ہوں کیونکہ ایک عام ذہن کے آدمی کو جب بڑی بڑی منطقی بحثوں میں الجھا دیا جاتا ہے تو وہ ضرور گمراہ ہو جاتا ہے مگر جسے خالق محفوظ رکھے۔
اس دور کے علماء میں بحثیں ہو رہی ہیں کہ خاندان پاک کی نوع کیا ہے؟ اس کے بعد فریقین کے اپنے اپنے نظریات ہیں۔
میں اپنے حلقہ احباب کو بتانا چاہتا ہوں کہ محمدؐ وآل محمدؐ کی نوع پہ بحث کرنا ہے ہی فضول کیونکہ جو لوگ انہیں بشر ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرتے ہیں وہ کلام پاک کے حوالے سے کرتے ہیں اور جوابات بھی کلام پاک کے حوالے سے پیش کئے جاتے ہیں کیونکہ فریقین آیات سے بات کرتے اور سنتے ہیں اس لئے میں نے بھی

کلام مقدس ہی سے بات کرنے کی کوشش کی ہے۔
پہلے یہ مناسب رہے گا کہ ہم ذرا ان الفاظ کو دیکھتے چلیں تا کہ پتہ چلے کہ ان کے نظریات کی حمایت میں آیات کتنا ساتھ دیتے ہیں اور جن الفاظ کو وہ دلائل میں لاتے ہیں وہ الفاظ ان کا کہاں تک ساتھ دیتے ہیں میں پہلی آیات وہی پیش کر رہا ہوں جس پر بشر ثابت کرنے والوں کے نظریات کی بنیاد و اساس ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

☆ قل انما بشر مثلکم

ترجمہ......فرما دیجئے اے میرے محبوب میں تمہاری مثل بشر ہوں۔

ہر موضوع کے لئے جو قرارداد پیش ہوتی ہے اس پہ بحث کرنے کا احسن طریقہ یہ ہوتا ہے کہ انسان اس کے ایک ایک لفظ پہ علیحدہ علیحدہ بحث کرے تا کہ مکمل عبارت کے مفہوم میں تشنگی باقی نہ رہے پھر اس کے ہر متوقع پہلو پر بحث کرنا ضروری ہوتا ہے پھر اس کے لغوی اور اصطلاحی معانی پر غور کرنا ضروری ہوتا ہے پھر معانی میں حفظ مراتب کو اولیت حاصل ہوتی ہے انہی اصولوں کو سامنے رکھ کر ہم اس آیت کا جب تجزیہ کرتے ہیں تو اس کے پہلے حصے میں متنازعہ الفاظ دو ہیں۔

''بشر اور مثل''

پہلے لغت سے ہم لفظ ''بشر'' کو دریافت کرتے ہیں بشر بروزن نصر اس کے معنی ہیں کھال اتارنا، بشر کے معنی ہیں جلد یا کھال، بشر انسان کو اس کی کھلی ہوئی جلد کی وجہ سے کہا گیا ہے کہ اس کی جلد پر بال نہیں ہیں بادی البشرہ ہے۔

اگر ہم لغت کو درست مان کر بشر کو تلاش کریں گے تو ہر صاحب جلد جانور بشر ثابت ہوگا پھر دنیا کا کوئی جانور ایسا ہے ہی نہیں کہ جس کی کھال نہ ہو اس طرح کتے اور خنزیر سے لے کر بھیڑ اور بکری تک بھی بشر ماننے پڑیں گے۔
اب اگر بشر کے معنی یہ ہوں کہ یہ کھلی جلد والا حیوان ہے تو سینکڑوں صحرائی جانور اور آبی جانور ہیں، جن کی کھال پر بال نہیں ہیں اس طرح سوسمار سے لے کر دریائی کتے تک سبھی بادی البشرہ ہونے کے ناطے سے بشر کی صف میں براجمان ہو جائیں گے شاید اسی لئے ارسطو صاحب نے انسان کو حیوان ناطق بنانے کی منطق جھاڑی ہے کل آنے والے علماء ڈارون کی طرح بندر کو باوا آدم بنا دیں گے حقیقت یہ ہے کہ کلام پاک میں کہیں بھی ابنائے آدم کو مطلقاً حیوان ناطق نہیں کہا گیا۔
پھر مسٹر ارسطو نے انسان کی یہ تعریف کی ہے کہ ''انسان حیوان ناطق ہے''
بنیادی طور پر یہی تعریف ہی غلط ہے کیونکہ تعریف کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ جامع اور مانع ہو یعنی جس چیز کی تعریف ہو اس کی جماعت میں سے کوئی فرد خارج نہ ہونے پائے اور اس جماعت کا غیر اس جماعت میں شامل نہ ہو سکے۔
یہ تعریف کہ انسان حیوان ناطق ہے نہ ہی جامع ہے اور نہ ہی مانع ہے۔
مثلاً اس کی رو سے صرف جو ناطق ہے وہ انسان رہے گا جو صامت ہوگا وہ انسان ہوتے ہوئے انسانیت کی حدود سے باہر چلا جائیگا اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں۔
1۔ایک آدمی مادرزاد گونگا ہے، نطق سے محروم ہے یہ شخص کیا انسان نہیں ہے؟
2۔ایک شخص بیس برس تک بولتا رہا ہے مگر بیس سال بعد دماغی چوٹ کی وجہ سے نطق سے محروم ہو گیا ہے تو کیا یہ پہلے بیس سال انسان تھا پھر حیوان بن گیا ہے؟

3 ۔ کوئی شخص بولنے کی صلاحیت رکھتا ہے مگر آخری عمر میں کسی حادثے میں اس کی زبان کٹ گئی ہے تو کیا یہ آخری عمر میں آکر حیوان بن گیا ہے؟

بعض حضرات نے نطق سے مراد عقل لیا ہے تو اس پر بھی یہی اعتراضات لاگو ہوتے ہیں یعنی کیا مادرزاد فاترالعقل حیوان ہے؟

جو شخص دماغی چوٹ سے دماغی توازن گنوا بیٹھا ہے تو کیا یہ انسان سے مسخ ہوکر حیوان بن گیا ہے؟

جو تعریف اتنی ناقص ہوکر پوری جماعت کو اپنے اندر نہ سمیٹ سکے کیا اسے جامع کہا جاسکتا ہے؟ اس تعریف سے تو جماعت انسان کے افراد کئی فی صد کے حساب سے خارج ہورہے ہیں۔

یہ تو ہے اس کی جامعیت کی حیثیت، اب ذرا اس کی مانعیت کو بھی دیکھ لیں۔

تعریف

''انسان حیوان ناطق ہے یعنی جو بھی صاحب نطق ہے وہ انسان ہے''

اب دنیا کے کسی جانور کو لے لیں وہ جانور بولتا ضرور ہے چیونٹی سے لے کر ہاتھی اور شارک مچھلی تک سبھی جانور آپس میں گفتگو کرتے ہیں عام طور پر ہم چیونٹیوں کی گفتگو نہیں سن سکتے مگر کلام الٰہی سے ثابت ہے کہ چیونٹی نے اپنی قوم سے کہا کہ اپنے بلوں میں داخل ہوجاؤ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے فضا میں اس کی گفتگو سنی تو ثابت ہوا چیونٹی سے لے کر شارک تک سب بولتے ہیں اور ایک دوسرے کی باتیں سمجھتے ہیں شارک اور وہیل مچھلی کے انڈر واٹر پیغامات کئی میل تک سنے جاسکتے ہیں۔

اب اگر ہر بولنے والے کو انسان سمجھا جائے تو پھر ہر پرندہ، درندہ، چرندہ اور جملہ آبی جانور انسان ثابت ہوتے چلے جائیں گے ان شواہد کی روشنی میں انسان یقین سے کہہ سکتا ہے کہ ارسطو صاحب نے انسان کی تعریف وضع کرنے میں چوٹ کھائی ہے اور اس کی اتباع میں بلائنڈلی (اندھا دھند) چلنے والوں نے بھی عقل سے کام نہیں لیا۔

جس طرح منطق میں ارسطو میاں نے چوٹیں کھائی ہیں اسی طرح فارسان معنی و بیان نے بھی بشر کے معنی میں چوٹ کھائی ہے۔

کیونکہ منطقی ایجابیت کا فلسفہ جب حقیقت اشیاءِ عالم پہ بحث کرتا ہے تو اس طرح وضع کرتا ہے کہ۔

''شئے کا تصور حسی معطیات کے مجموعے کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا''

یعنی انسان کے حواس ظاہری و باطنی اپنے اپنے شعبے کا ادراک کرتے ہیں آنکھ دیکھتی ہے، کان سنتا ہے، ناک سونگھتا ہے، لامسہ ایک لمس کا ادراک کرتی ہے وغیرہ وغیرہ یہی وہ حسی معطیات ہیں کہ جن سے شئے کا تصور وجود پذیر ہوتا ہے۔

مثلاً جب ہم میز کو دیکھتے ہیں تو ایک خاص شکل، مخصوص رنگ اور صلابت سے سابقہ پڑتا ہے یعنی چھونے پر صلابت و مزاحمت محسوس ہوتی ہے تو ان حسی تجربوں سے حسی معطیات ہی ملتے ہیں اور ہم انہی سے کسی چیز کا تعین وضع کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک انسان جب دوسرے انسان کا ادراک حاصل کرتا ہے تو جواباً حسی معطیات میسر آتے ہیں یعنی ایک مخصوص شکل، بناوٹ، مخصوص لمس، آواز، ساخت حرکت صورت وغیرہ وغیرہ کا ذخیرہ ملتا ہے جس سے انسان کسی مخصوص فرد کا تعین کرتا

ہے۔

اگر انسانی حواس میں سے کچھ معطل ہوں تو ادراک ناقص ہوتا ہے مثلاً اندھا آدمی رنگوں اور اشکال کے علمی حاصلات سے محروم ہوتا ہے اس لئے مخصوص رنگ شکل وغیرہ سے نہیں بلکہ بیدار حواس سے پہنچانتا ہے مثلاً آواز سے، خوشبو سے یا لامسہ سے یعنی ٹٹول کر وہ کسی چیز کے وجود کا تصور قائم کرتا ہے۔

اور ایک مکمل انسان انہی حسی معطیات کے مجموعوں کو وسعت دے کر انواع واقسام کی حد بندیاں کرتا ہے مگر ان حد بندیوں میں مادے کا ایک ہونا لازم نہیں ہوتا مثلاً ایک پین (قلم) ہے۔

اسے انسان نے دیکھا ایک مخصوص شکل صورت، بناوٹ طریقہ کار اور لکھنے کا عمل دیکھا تو سمجھ گیا کہ یہ قلم ہے اب یہ ضروری نہیں کہ وہ قلم سٹیل کا ہو، پلاسٹک کا ہو، سونے کا ہو، چاندی کا ہو، انسان لکڑی کے قلم سے لے کر سونے کے قلم تک کو قلم ہی کہتا ہے کیونکہ بنیادی صفات میں موجود ہیں مادہ چاہے جو بھی ہو ہم مادے کے نام سے نہیں پکاریں گے اسی طرح خالق نے بھی اس انسانی شکل میں موجود کچھ افراد کو بوجہ شکل ''بشر کہا ہے حالانکہ ان کا مادہ تخلیق انسان سے جدا ہے مثلاً۔

1۔ انی خالق بشر من طین یعنی مٹی کا بشر

2۔ ھو الذی خلق من الماء بشراً یعنی الماء پانی کا بشر

3۔ فتمثل لھا بشراً سو یہ یعنی ملکوتی بشر

انہی آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ خالق کی نگاہ میں بشر کسی مادے کا نام نہیں ایک مخصوص شکل وصورت کا نام ہے جیسے چاندی کا بھی قلم ہے اور لکڑی کا بھی قلم ہے لہٰذا

ماننا پڑے گا کہ لفظ بشر سے نوع اور مادہ تخلیق پر بحث کرنا اوراس آیت میں لفظ بشر سے استدلال کرنا درست نہیں ہے اور لفظ بشر کے معنی نوعی لحاظ سے ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ بشر کسی نوع کا نام نہیں شکل وصورت کا نام ہے جس سے نوع فرض کر لیا گیا ہے اور خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں تو خود امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا فرمان ہے۔

☆ " نحن الاسرار الالهيته فی الهيا کل البشريه "

ہم سب اللہ جل جلالہ کے راز ہیں جو جامہ بشر میں ہیں یعنی ان کی نوع تو راز الٰہی ہے جسے کوئی نہیں سمجھ سکتا ظاہری لبادہ بشری ہے انسان کے حسی معطیات تو یہی بتائیں گے کہ یہ بشر ہیں لیکن حسی معطیات کا مجموعہ ظاہر کا تعین کر سکتا ہے مگر باطن کو سمجھنا اور نوع کا تعین کرنا اس کے بس کا روگ ہی نہیں جیسے روح کا ادراک کرنا محال ہے اسی طرح ان کی حقیقت کا ادراک بھی محال ہے۔

گزشتہ تین ہزار سال میں دوسو فلاسفر گزرے ہیں اور کوئی بھی سائنس دان اور فلاسفر آج تک مادے کی ایسی تعریف وضع نہیں کر سکا کہ جس پر اتفاق نہیں ہو سکا کہ اشیاء بنیادی طور پر کس کس مادے سے بنی ہیں جب عام مادے کے بارے میں معلومات اتنے کم ہیں تو خود سوچیئے جن پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کا مادہ تخلیق ہو ہی راز الٰہی تو وہ کسی خاکی پتلے پر منکشف کیسے ہو سکتا ہے؟

مادی لحاظ سے جب کوئی مادہ انسانی شکل میں ظاہر ہوگا تو بشر ہی کہلائے گا چاہے وہ نور ہے، پانی یا خاک ہے وہ بشر ہی کہلائے گا مگر ان کی شکل سے یہ فیصلہ کر لینا کہ سب بشر ہماری طرح خاکی بشر ہیں یہ سراسر علم دشمنی ہے۔

جناب جبرائیل علیہ السلام کے بارے میں ہے کہ مختلف ادوار میں انسانی شکل میں آتے رہے ہیں، دیگر ملکوت بھی جامعہ بشری میں ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں مگر کسی نے نہیں پہچانا بلکہ بشر ہی سمجھا ہے مثلاً جناب جبرائیل جناب مریم سلام اللہ علیہا کے پاس آئے انہوں نے بشر ہی سمجھا، لشکر فرعون میں ایک گھوڑے سوار کی شکل میں آئے اور بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں عوام کے سامنے دحیہ کلبی کی شکل میں ظہور پذیر ہوتے رہے سبھی لوگ بشر ہی سمجھتے رہے، ملکوت جناب ابراہیم اور دیگر انبیاء علیہم السلام کے پاس انسانی لباس میں آتے رہے سبھی نے انسان ہی سمجھا ہے جب تک کہ انہوں نے خود پہچان نہیں کروائی۔

جب تک ایک فرشتہ خود اپنی حقیقت نہ بتائے اس وقت تک کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا کہ یہ نوری ہے تو جن کے پسینے کی بوندوں سے ملکوت تخلیق ہوئے ہوں انہیں ایک گندی نالی کا کیڑا کیسے سمجھ سکتا ہے؟ جس کا مادہ تخلیق (نطفہ) بھی نجس ہو، خوراک (حیض) ہو اور جسم (بعد از موت) بھی نجس ہو وہ کیسے ادراکِ حقائقِ توحید کر سکتا ہے۔

ایک اور طرح سے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اعتقادیہ شیخ صدوق صفحہ نمبر 288 پر ہے کہ

☆ان امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مثل القران ناسخ و منسوخ و خاص و عام و محکم و متشابہ...... الخ

کہ امر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی قرآن کی مثل ناسخ و منسوخ، خاص و عام، محکم و متشابہ ہے۔

وہ پھر وضاحت کرتے ہیں کہ حقیقت ظاہرہ منسوخ ہوئی ہے کیونکہ نبی کے بعد ولی

مسند نشین ہدایت ہوئے ہیں اور حقیقت ظاہریہ کے لئے ناسخ ولی علیہ الصلوات والسلام کی مسند نشینی ہے۔

عام وہ حقیقت ہے جو کفار بھی دیکھ رہے تھے (جس کی بنیاد پر بشر کہہ رہے تھے)

خاص وہ ہے جو اویس قرنی اور سلمان علیہ الرحمہ دیکھ رہے تھے۔

محکم وہ ہے جو اللہ جل جلالہ اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے علاوہ کوئی نہیں جانتا،

متشابہ وہ ہے کہ ہماری طرح بشر بن کر آئے ہیں۔

سورۃ آل عمران میں ہے

☆فاماالذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشا به منه

یعنی متشابہ کی اتباع وہی لوگ کرتے ہیں جن کے دل حق سے پھرے ہوئے ہیں لہٰذہ بشریت کو بنیاد بنا کر عقیدہ استوار کرنا دلوں کی کجی کی دلیل ہے۔

عام وہ ہے کہ جسے کفار دیکھ کر ایک نظریہ وضع کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ

☆مالهذاالرسول یا کل الطعام ویمشی فی الاسواق

یا کہتے تھے

☆هل کنت الا بشر رسولا

یعنی وہ لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کھانے پینے اور گلیوں میں چلنے سے بشریت مطلقہ پر دلیل لا رہے تھے لہٰذہ ثابت ہوا انبیاء علیہم السلام اور پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے کھانے پینے سے نوع پہ استدلال کرنا یہ مسلمانوں کا نہیں کفار کا طریقہ استدلال ہے اور کفار کا توہینی استدلال مسلمانوں کے لئے دلیل صداقت کیسے بن سکتا ہے؟ کفار نے جو باتیں بہ غرض توہین رسالت کہی ہوں انہیں دہرانا اور

ان پر عقائد کی عمارت استوار کرنا کیا کسی مسلمان کو زیبا ہے، کفار بشریت کا طعنہ دیں، مسلمان اعتقاد بنالیں تو کیا کافرو مسلمان کے مابین کوئی فرق باقی رہ جاتا ہے؟

اب کلام الٰہی میں تدبر کریں تو معلوم ہوگا کہ

بشر مثلنا پورے کلام الٰہی میں جہاں بھی آیا ہے ہر مرتبہ کفار و مشرکین کے قول کی صورت میں آیا ہے، بشر مثلکم تقریبا 7 مرتبہ آیا ہے، 4 مرتبہ کفار کا قول ہے اور تین مقامات پہ خالق کائنات نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے کہلوایا ہے اور وہ بھی کفار کی طعنہ زنی کے بعد اور یہ آیت دو سورتوں میں آئی ہے کہف میں 110 پر اور فصلت میں 6 پر۔

☆قل انماانابشر مثلکم یوحیٰ الی انما الھکم اله واحد

اس آیت کے دو مقامات پر نہیں بلکہ ہزاروں مقامات پر آنے کے باوجود بھی کوئی جاہل سے جاہل تر آدمی بھی اس آیت کے حوالے سے مثلیت تامہ کا دعویٰ نہیں کر سکتا یعنی اگر یہ آیت ہزاروں مقامات پر بھی آجاتی تو پھر بھی انبیاء علیہم الصلوات والسلام کو من حیث الکل اپنی مثل ثابت نہ کر سکتا حالانکہ پوری نوع بشر میں چوڑھے چمار سے لے کر زہاد تک لوگ داخل ہیں، افریقہ کے وحشی قبائل سے لے کر یورپ کے متمدن معاشرے کے افراد تک نوع بشر محیط ہے۔

مگر ہم افریقہ کے وحشی کو چھوڑ کر صرف یہ فرض کر لیں کہ اس آیت سے مراد قریش عرب ہیں کہ جنہیں کہا جا رہا ہے کہ (میں تم جیسا ہوں) تو کیا کوئی عالم یا کوئی جاہل مسلمان ایسا بھی ہے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عرب کے کافر قریش جیسا ہر پہلو سے سمجھتا ہو؟

کیونکہ وہ کافر ہیں، بت پرست ہیں، وہ جاہل ہیں، وہ مشرک، زانی، شرابی وغیرہ ہیں تو کیا کوئی مسلمان اس آیت کی بنیاد پر کفار کے یہ صفات رذیلہ کسی نبی میں ثابت کرسکتا ہے؟ اگر کوئی مسلمان یہ ثابت کرنے کی سعی لا حاصل کر بھی لے تو کیا مسلمان اسے مسلمان سمجھیں گے؟

حقیقت یہ ہے کہ یہاں تو مثلیت تامہ کا تصور کرنا بھی کفر ہے اگر مثلکم سے اشتراک فی صورت انسان مان لیا جائے اور نوع علیحدہ سمجھنے سے کسی آیت کی تکذیب لازم آتی ہے جبکہ صورت یہ ہے کہ ہزاروں چیزوں میں اختلاف ثابت کرنے کے باوجود مثلکم پر حرف نہیں آتا تو ان چیزوں میں صرف لفظ نوع کے اختلاف سے مثلکم کی حیثیت کیوں مجروح ہونے لگتی ہے جبکہ کتاب الشافی صفحہ 19 پر یہ حدیث موجود ہے

☆ان امر النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مثل القرآن ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ

اور واضح فرمایا کہ یہ تین حقیقتیں ہیں

1۔بشر مثلکم مشابہ ہے

2۔یوحی الی حقیقت نبویہ ہے جو آئینے کی طرح ہے

3۔محکم وہ ہے جس میں فرمایا ہے من رآنی فقد راء الحق

کہ جس نے مجھے دیکھا ہے اللہ جل جلالہ کو دیکھا ہے

جب پورا عالم اسلام مثلیت تامہ من کل وجوہ کا قائل نہیں ہے اور اس عقیدے کو کفر والحاد سمجھتا ہے تو جداگانہ نوع کے تسلیم کرنے میں کونسی قباحت ہے وحدت نوع کے دعوے دار جتنے حربے آزمائیں سلسلہ وحی کی انفرادیت کو ضرور مانیں گے۔

جب اتنا مان لیا جائے گا تو مثلیت تامہ تو ثابت نہ ہو سکے گی

اس آیت پہ جن فریقین نے بحث کی ہے انہوں نے یہ بھی واضح کیا ہے کہ اس آیت میں کس جماعت کو خطاب فرمایا گیا ہے ''قل انما انا بشر مثلکم ''میں کن لوگوں سے خطاب ہے۔

کیا پوری نوع انسان کو خطاب ہے؟

یا عرب کے کفار سے خطاب ہے؟

یا صرف مسلمانوں سے خطاب ہے؟

آیت میں مثلیت تامہ تب مانی جائیگی جب مخاطب جماعت کے سبھی افراد یک ہی معیار و مرتبہ و شکل وصفات کے ہوں۔

ہاں ایک صورت میں مثلیت تامہ ثابت ہو سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت میں جو خطاب ہے اس کے بارے میں یہ مان لیا جائے کہ یہ خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام سے خطاب ہے کہ میں بھی تمہاری طرح ہوں کیونکہ ان کی حقیقت واحد ہے، ذات واحد ہے، من حیث الکل یہ نور واحد ہے اگر اس صورت کو ماننے میں کسی کو تکلیف ہوتی ہے تو پھر خالق کائنات کے اسلوب بیان کو دیکھیں کیونکہ اسی چیز کو سمجھنے سے معاملہ صاف ہو جاتا ہے مثلاً اکثر مقامات پر خالق کائنات نے انواع متغائرہ کو بوجہ معاشرت ایک ہی حکم دیا ہے یعنی قربت معاشرت کی وجہ سے خالق سے لے کر عام آدمی تک سبھی اس انداز میں کلام کرتے ہیں اور اس میں کسی کو اعتراض بھی نہیں ہوتا مثلاً میدان جنگ میں چند سوار لڑنے آتے ہیں ان کا سردار مخالف کے لشکر کی کثرت کو دیکھ کر حکم دیتا ہے کہ ''چلو تم بھاگ جاؤ'' وہ فوراً گھوڑے دوڑا کر فرار ہو جاتے

ہیں اب کوئی سردار یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ میں نے تو تمہیں بھاگنے کا حکم دیا تھا گھوڑوں کے بھگانے کا نہیں۔

ایک لفظ ''تم'' میں گھوڑے بھی شامل ہیں؟

یا کہ گھوڑے تمہاری نوع ہیں کیونکہ حکم تو تھا انسانوں کو کہ ''تم بھاگ جاؤ'' یہ گھوڑے کیوں بھاگے ہیں؟ یہ قربت معاشرت کی وجہ سے داخل حکم سمجھے جائیں گے اور کوئی نوعی مسئلہ کھڑا بھی نہیں کرے گا۔

اسی طرح کلام الٰہی میں ہے

☆اذ قال ربك للملٰئكة اسجدو لآدم فسجدوالا ابليس

اللہ جل جلالہ نے حکم دیا ملکوت کو آدم کا سجدہ کرو سب نے کر لیا مگر ابلیس نے نہ کیا اس نے تکبر کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ذرا غور کریں ابلیس سجدہ نہ کرنے سے کیسے کافر ہو گیا ہے، کیا ابلیس فرشتہ تھا؟ خالق نے جب جلال آمیز لہجے میں فرمایا فاخرج منها تو کہہ دیتا کہ خالق نے تو ملکوت کو حکم دیا تھا میں تو ''جن'' ہوں مگر ابلیس جیسا عالم بھی یہ سمجھتا تھا کہ کمال معاشرت کی وجہ سے وہ بھی داخل حکم ہے تو ثابت ہوا بوجہ کمال معاشرت داخل حکم ہونا اور بات ہے نوع کا ایک ہونا اور بات ہے، اسی طرح ابنائے آدم اور ہیں، نوع خاندان تطہیر علیهم الصلوات والسلام اور ہیں ان ذوات کا ہدایت خلق کے لئے انسانی لباس میں آنا اتنا بڑا جرم نہیں ہے کہ جس کی سزا انہیں یہ دی جائے کہ اپنی صف میں کھڑا کر دیا جائے۔

کچھ مہربانوں نے یہ فلسفہ جھاڑا ہے کہ اگر ان کی نوع ہماری نوع سے جدا ہے تو پھر یہ ہماری ہدایت کیسے کر سکتے ہیں؟

حالانکہ کلام پاک میں آیا ہے کہ

☆ وماارسلنك الا رحمة للعالمين

یہ تو عالمین کی ہدایت ورحمت بن کر تشریف لائے ہیں اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ ایک نوع کی ہدایت دوسری نوع نہیں کرسکتی تو پھر جنات وحیوانات وغیرہ بھی یہی اعتراض کرسکتے ہیں کہ جنات کی ہدات کے لئے جن کو، اور حیوانات کی ہدایت کے لئے حیوان کو ہادی ہونا چاہیے تو پھر کیا فلسفہ ہدایت باقی رہے گا؟

یہ بھی سوچنا ہوگا کہ خالق کائنات نے یہ بھی تو فرمایا ہے۔

☆ من یهدی الله فهو المهتد

اصل ہدایت کرنا تو اللہ جل جلالہ کا کام ہے، ہادی مطلق تو خود اللہ جل جلالہ ہے تو کیا ہم یہ اعتراض بھی کرسکتے ہیں کہ ہادی مطلق کی نوع ہم سے جدا کیوں ہے اللہ جل جلالہ کو بھی انسان ہونا چاہیے۔

وہ ایک غیر نوع کا اللہ جل جلالہ نوع بشر کی ہدایت کیسے کرسکتا ہے؟ یا نوع بشر کا اللہ جل جلالہ کیسے ہوسکتا ہے؟

کیا ہم اللہ جل جلالہ کو بھی نوع بشر میں شامل کرسکتے ہیں؟

یا پھر ماننا پڑے گا کہ اختلاف نوع مانع ہدایت نہیں ہے۔

جیسے کوئی جن کسی نبی، امام یا اللہ جل جلالہ کو نوع جنات کا فرد ثابت نہیں کرسکتا، اسی طرح کوئی انسان بھی پاک خاندان علیهم الصلوات والسلام کو نوع انسان سے ثابت نہیں کرسکتا

یہ بات بھی غور طلب ہے کہ قل انما انا بشر مثلکم میں خود نہیں فرما رہے کہلوایا جا رہا ہے۔

قــل (یعنی فرما دیں) یہاں بشر بننے کا حکم دیا جا رہا ہے اگر نوع بشر سے تھے تو خود ہی فرما دیتے ، اللہ جل جلالہ کو کہلوانے کی کیا ضرورت تھی ۔

کافر بھی تو بشر ہی کہہ رہے تھے کیا اللہ جـل جلالـہ کفار کی تائید کروانا چاہتا ہے وہ ان کی تصدیق کروا رہا ہے؟

حالانکہ ''ہونا'' اور ''بننا'' دو علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں ، ہونا ذات سے تعلق رکھتا ہے اور بننا وہ پڑتا ہے جو نہیں ہوتا مثلاً ایک انسان ہوتا ہے اور دانا ہوتا ہے، مگر پاگل بن جاتا ہے پاگل بننا علیحدہ بات ہے پاگل ہونا علیحدہ بات ہے ۔

وہب بن عبداللہ بہلول دیوانہ بن گیا مگر ''تھا'' نہیں ، دیوانے کا کردار مالک نے سونپا تو خوب نبھایا۔

اب کوئی اس کو دیوانہ ثابت کر نہیں سکتا کیونکہ بنا ہوا تھا اس کے حرکات سے اہل بغداد اس کی دیوانگی پہ دلیل لاتے تھے جیسے کفار مکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ظاہر سے بشریت پہ دلائل پیش کر رہے تھے، نہ وہاں حقیقت تھی نہ یہاں حقیقت ہے، نہ بہلول دیوانہ تھا اور نہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام بشر تھے ۔

مگر یہاں ہمارے مہربان صرف بعث اللہ بشر رسولا کی رٹ لگا رہے ہیں ۔

حقیقت تو یہ ہے کہ نبی مبعوث بہ رسالت ہوتا ہے نہ کہ بشر کیونکہ متعدد آیات میں بعث آیا ہے جس کے معنی ہیں بھیجنا ، ارسال کرنا ، اٹھانا وغیرہ کے ، بعث صیغہ ماضی ہے جس کا فاعل اللہ جـل جلالـہ ہے، مفعول نبی ہے اور بشراً بصورت تمیز وارد ہوا ہے تو معنی ہونگے کہ اللہ جل جلالہ نے ایک نبی کو رسول بنا کر بھیجا جو بشر کی شکل میں آیا۔

نبی پہلے تھا بشر بعد میں بنا ہے اور نبوت بشریت سے متقدم ہے ، بشریت نبوت سے

بہت بعد کی چیز ہے ثبوت کیلئے دیکھیں۔

☆کنت نبیاً و آدم بین الماء والطین

کہ ہم تب بھی نبی تھے جب آدم مٹی اور پانی کے مابین تھا یعنی بشریت کا نقطہ آغاز جب اپنے ترکیبی مراحل میں کشمکش وجود وعدم میں تھا تب بھی ان کی نبوت نقطہ کمال پر تھی، جب یہ ابوالبشر کی تخلیق سے بھی پہلے نبی تھے تو پھر اس کی اولاد کی ہدایت کے لئے ان کا آجانا انہیں بشر کیسے بنا سکتا ہے۔

آدم خلق نہیں ہوا، بشریت کا آغاز نہیں ہوا، مگر یہ نبی تھے، اب اس بعد والی مخلوق کی ہداہت کے لئے آدم سے تقریباً 6 ہزار سال بعد اس کی اولاد کی ہدایت کے لئے کیا آئے کہ ظالموں نے پکڑ کر نوع بشر میں داخل کر لیا۔

کیا ہدایت کے لئے آنا جرم تھا کہ جس کی سزا کبھی معاف نہیں ہو رہی، ظاہراً دنیا میں رہے تو ایک لمحہ سکھ کا سانس کسی نے نہ لینے دیا، غیب ہو گئے تو تلواروں کی زد سے بعید سمجھ کر قلم کے حملے شروع کر دیئے، نسل کشی کے بعد کردار کشی ہوئی اب ذات کشی ہو رہی ہے۔

ہم تو اتنا کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی کمزوری کے پیش نظر پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی تنقیص کر رہا ہے تو خالق کائنات اس کی کمزوری دور فرمائے اگر کوئی شخص بوجہ بغض وعناد توہین وتنقیص کا مرتکب ہو رہا ہے تو خالق اسے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کی تیغ انتقام کا جلد از جلد نوالہ تر بنائے (آمین)

ہاں تو بات چل رہی تھی بشریت ونبوت کی

ایک منطقی اصطلاح ہے ''حدود اضافی'' وہ ایک ایسی حد کو کہا جاتا ہے جس سے کسی

اور حد کی طرف لازماً اشارہ ہو جائے مثلاً لفظ ہے ’’باپ‘‘ تو جب بھی لفظ باپ آئے گا لازماً اولاد کے وجود کا پتہ چلے گا یا لفظ ہے ’’بیوی‘‘ جب بھی لفظ بیوی سامنے آئیگا فوراً شوہر کی طرف ذہن جائیگا اسی طرح لفظ ’’نبی‘‘ بھی ہے کہ جب بھی لفظ نبی سامنے آئیگا اس سے فوراً اس کی امت کا وجود ثابت ہو جائیگا جیسے لفظ بیوی سے شوہر کا وجود ثابت ہو جاتا ہے اسی طرح لفظ نبی سے امت کا وجود دریافت ہو جاتا ہے کیونکہ لفظ نبی ’’نبا‘‘ سے مشتق ہے اور لفظ نبا ہمیشہ غیر معلوم اور غیب کی خبر کے لئے مستعمل ہے۔

نبا کے معنی ہیں ’’خبر‘‘ اور خبر تب خبر ہے کہ مخبر کو معلوم ہو اور جسے خبر دی جا رہی ہو اسے معلوم نہ ہو اگر اسے پہلے سے ہی معلوم ہو تو یہ خبر نہ ہو گی اور جب وجود آدم عدم سے وجود میں نہیں آیا تھا تو یہ اس وقت نبی تھے یعنی اس وقت کہ جب بشریت وجود سے ہمکنار ہونے کے لئے مچل رہی تھی اس وقت یہ غیب کی خبر دینے والے تھے اور اس وقت بھی ان کی ایک امت موجود تھی یہ خبر دے رہے تھے، کچھ حضرات لے رہے تھے تو ثابت ہوا کہ جب بشریت کو وجود نہیں ملا تھا اس سے قبل ان کی امت بھی موجود تھی اب اس کے بعد کوئی احمق سے احمق آدمی انہیں تو کجا ان کی امت کو بشریت میں داخل نہیں کر سکتا یعنی وہ امت جو قبل از ابوالبشر موجود تھی وہ نوع بشر میں کیسے داخل ہو سکتی ہے؟

جب امت بوجہ تقدیم داخل نوع بشر نہیں ہو سکتی تو نبی کیسے داخل نوع بشر ہو سکتا ہے؟ یہ تو بشر بن کر آئے ہیں اور ان کی بشریت متشابہ ہے اور اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ

☆فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنہ

کہ متشابہ کی اتباع وہی کرتے ہیں جن کا قلب فاسد ہے اور متشابہ کی اتباع کا مقصد صرف فتنہ فساد ہوتا ہے لہٰذا بشریت کا عقیدہ فساد پر مبنی ثابت ہوتا ہے۔

ہم ایک ایک لفظ پر تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے ہیں لیکن وقت اور اوراق کا خیال بھی رکھنا ضروری ہے ہم آئندہ اوراق میں اس پہ پھر بحث کریں گے۔

ہم اتنا بتانا چاہتے کہ محمد وآل محمد علیھم الصلوات والسلام کی حقیقت اللہ جل جلالہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ہاں ان کی حقیقت اس وقت کھل کر سامنے آئے گی جب ان کے آخری لخت جگر تشریف لائیں گے اور اپنے جاہ وجلال کا مظاہرہ فرمائیں گے اور سارے رازوں سے پردہ اٹھے گا۔

ہماری یہی ہمہ وقت دعا ہے کہ وہ جلدی تشریف لائیں تاکہ ساری دنیا کے فکری، نظری، اقتصادی، معاشی، معاشرتی اختلافات کا خاتمہ ہوجائے

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہِ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 2

مثل

قل انما انا بشر مثلکم

حمد ہے پروردگار کائنات کی جس نے قرآن وخاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کو ہادی قرار دیا ہے۔

قارئین محترم! اب تک لفظ بشر پہ مختصر سی بحث ہوئی ہے بشر انسان کو کھلی جلد کی وجہ سے کہا جاتا ہے کھال کے دو پہلو ہوتے ہیں ایک باہر والا پہلو ہوتا ہے ایک اندر والا باہر والے پہلو کو بشرہ کہتے ہیں اور اندر والے کو ادمہ، جملہ ادباء اس بات پر متفق ہیں صرف ابوزید نے اس کے برعکس کچھ لکھا ہے تو ابوزید کی تردید میں ابوالعباس نے اتنا کچھ لکھا ہے کہ ابوزید کی حیثیت باقی ہی نہ رہی بشرہ کی جمع بشر اور البشار ہے اور انسان کو اس کی کھلی ہوئی اور ظاہر جلد کی وجہ سے بشر کہا گیا ہے، اس پر آئندہ اوراق میں مفصل گفتگو ہوگی۔

اب اس باب میں ہم لفظ مثل پہ روشنی ڈالنا چاہتے ہیں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مثل کسی چیز کا عین نہیں ہوتا کیونکہ دوسرا متنازع لفظ ہے مِثل (میم کے زیر کے ساتھ) یا مَثل (میم کے زبر کے ساتھ) ہمیں یہ بھی دیکھ لینا چاہیے کہ لفظ مثل کی دونوں شکلوں میں سے وحدت نوع کا استدلال ہوسکتا بھی ہے یا نہیں، میں پوری

ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ پورے کلام الٰہی میں کہیں بھی لفظ مثل سے وحدت نوع مراد ہے ہی نہیں کیونکہ لفظ مثل یا مثلیت سے نوعی یگانگت کا تصور تک کلام الٰہی سے ثابت نہیں ان الفاظ پر بحث کرنے سے پہلے ایک اشتباہ کو دور کرنا لازم سمجھتا ہوں۔

کچھ مفکرین نے لفظ مِثل اور مَثل میں تفریق کی ہے ان کا فلسفہ یہ ہے کہ لفظ مَثل (زبر کے ساتھ) سے مراد وہ ہوتا ہے جو صفات میں شریک ہو اور زیر کے ساتھ یہ لفظ ہو تو اشتراک فی الذات کو بیان کرتا ہے۔

اگر اشتراک فی الصفات ہو تو مَثل زبر کے ساتھ لایا جاتا ہے۔

وہ اس نظریے کی تائید میں متعدد آیات بھی پیش کرتے ہیں مثلاً اللہ جل جلالہ کے بارے میں ارشاد ہے

☆لیس کمثلہ شیء

یہاں لفظ مثل ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اس کی ذات میں شریک نہیں ہے مگر دوسری آیت میں ہے وللہ المثل الاعلیٰ

یعنی اس کی مثل تو کوئی نہیں مگر اس کی مثل موجود ہے یعنی کچھ ذوات ایسے ہیں جو اس کی ذات میں شریک نہیں مگر شریک فی الصفات ہیں یہ ایک زبردست اشتباہ ہے جس کا ازالہ کرنا ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اللہ جل جلالہ کے صفات جن معنی میں اللہ کے لیے مخصوص ہیں ان معانی میں نہ کوئی اللہ جل جلالہ کی ذات میں شریک ہے نہ صفات میں جس طرح وہ ذات میں منفرد ہے اسی طرح صفات میں بھی منفرد ہے۔

لفظ مِثل ہو یا مَثل دونوں ایک ہی مادے سے مشتق ہیں اور دونوں کی جمع ایک ہے یعنی امثال وامثلہ وغیرہ اور دونوں الفاظ کسی ایک صفت کی مناسبت کے لیے لائے جاتے ہیں نہ کہ نوعیت کے لیے۔

یہ صرف متکلمین نے زیب داستاں کے لیے ان دونوں الفاظ کے معانی میں موشگافیاں کی ہیں جو حقیقت سے عاری ہیں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اللہ جل جلالہ کے ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں کیونکہ اس کے صفات بعینہ ذات ہیں اگر صفات کو ذات سے علیحدہ مان لیا جائے تو گویا ایک صفاتی اللہ ہوگا اور ایک ذاتی جو دونوں ایک دوسرے کے غیر ہوں گے، کمال توحید اور صفات وذات کے تعلق پر جو خطبات آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام نے انشاء فرمائے ہیں وہ اس پر واضح دلیل ہیں۔

ہاں اس رب ذوالجلال والاکرام جل جلالہ نے پاک انوار آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کو اپنی ذات وصفات کا مظہر قرار دیا ہے یہ ہوسکتا ہے کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام سے اور دیگر ذوات مقدسہ سے اظہار صفات یا عین ذات ہو تو ان کے صفات میں بھی کسی کو شریک کرنا شرک ہے اور ماننا پڑیگا کہ لفظ ''مِثل'' ہو یا ''مَثل'' دونوں کسی ایک صفت کی مناسبت پر بولے جاتے ہیں نہ کہ من کل وجوہ مثلیت پر

اردو میں ان الفاظ کا متبادل لفظ ''مثال'' ہے بعض اوقات کوئی لفظ علی الاطلاق بھی بول دیا جاتا ہے اور مراد صرف ایک صفت میں مناسبت ہی ہوتی ہے

مثلاً الیکشن میں تو عام نعرے لگتے ہیں ''لیڈر ہمارا شیر ہے'' اب کوئی احمق بھی اس سے ذات اور نوع پہ سوچنا تک گوارا نہیں کرتا چہ جائیکہ کوئی شیر کے صفات ثابت

کرنے کے لیے گوشت خوری درندگی اور دیگر صفات بھی پیش کرنا شروع کر دے۔
حقیقت یہ ہے کہ ایسے الفاظ صرف ایک صفتی مناسبت کے لیے بولے جاتے ہیں جیسا کہ انسان کو شیر کہنے کا مقصد شیر کی صفت مستعار لینا ہے اسی طرح کلام الٰہی میں بھی اسی اسلوب کو اپنایا گیا ہے اور ثبوت کے لیے چند ایسے آیات پیش کرتے ہیں جن میں یہی اسلوب بیان موجود ہے آپ بھی دیکھ لیں سورۃ واقعہ میں۔
☆(1)......وحور ''عین '' کا مثال اللولوء االمکنون......(23)
اس آیت میں حوران جناں کو چھپے ہوئے موتیوں کی مثال قرار دیا گیا ہے کیا کوئی احمق سے احمق آدمی یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ حوریں موتیوں کی مثال ہونگی؟
یعنی صدف کی گود میں قطرۂ نیساں سے پیدا کی گئی ہونگی اور ان کی تخلیق کا مادہ سیپ کے کیڑے کا لعاب دہن ہی ہے اور وہ سمندر کی پیداوار ہیں یا وہ نوع جمادات سے تعلق رکھتی ہیں اگر کوئی اس نظریے کو اس آیت سے استدلال کر کے بیان کرے تو کوئی اسے تسلیم بھی کریگا؟ جب یہاں وحدت نوع پہ استدلال کرنا جائز نہیں تو کسی اور مقام پہ اسی لفظ سے استدلال کہاں جائز ہے؟
(2) سورت المائدہ میں ہے کہ جب قابیل نے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی لاش چھپانے کے لیے پریشان اور متردد کھڑا تھا کہ اس نے دیکھا سامنے ایک کوا آکر بیٹھا اور اس نے دوسرے کوے کی لاش اٹھا رکھی تھی اور اسے چھپانے کے لیے اس نے چونچ سے گڑھا کھود الاش کو دبا دیا تو اس وقت قابیل کے لبوں سے ایک فقرہ نکلا جو کلام الٰہی میں موجود ہے۔
☆قال یٰویلتیٰ اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب...... الخ(31)

وائے ہو مجھ پر کہ میں تو کوے کی مثل بھی نہیں ہوا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دوں۔
یہاں جوان کی خواہش کا اظہار ہے کہ میں بھی کوے کی مثل ہوتا کیا اس سے یہ بات ثابت کی جاسکتی ہے کہ وہ چاہتا تھا میں پرندہ بن جاتا اور میری بھی کالی چونچ اور پر ہوتے یہ حسرت صرف ایک صفت کی مناسبت تک تھی کہ جو کوے سے ظاہر ہوئی نہ کہ یہ حسرت نوع انسان سے نفرت اور کوے کی نوع سے محبت پر مبنی تھی جب یہاں مثل سے نوع ذات پر استدلال کرنا علم دشمنی ہے اسی طرح ''مثلکم'' میں بھی لفظ مثل سے استدلال علی النوع جائز نہیں ہے۔

(3) سورت انعام میں ہے

☆ وما من دابة فی الارض ولا طائر یطیر بجانحیه الاامم امثالکم (28)
یعنی زمین پر چلنے والے جانور ہیں یا فضا میں اڑنے والے پرندے یہ سب تمہاری مثل امتیں ہیں۔

کیا کوئی عالم اس آیت سے ثابت کرسکتا ہے کہ جب طائر اور حیوانات ہماری مثل امت محمدیہ میں داخل ہیں تو ان کی نوع بھی بشر ہے کیونکہ وہ بھی ہماری مثل جو ہیں؟ یا اس سے کوئی یہ ثابت کرسکتا ہے کہ وہ جب ہماری مثل امت ہیں تو ہماری مثل ان میں بھی انہی کی مثل کا کوئی نبی ہوگا، امام ہوگا، علماء ہونگے وغیرہ وغیرہ

حالانکہ کہیں بھی کسی پرندے یا چوپائے اور حشرات الارض وغیرہ کا مبعوث بہ نبوت رسالت ہونا نہیں لکھا، نہ کسی نبی نے نہ اللہ جل جلالہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے جس طرح اس آیت میں مثلکم سے استدلال کر کے وحدت نوع کو ثابت نہیں کیا جا سکتا اسی طرح

☆انا بشر مثلکم سے استدلال کر کے خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کو نوع بشر میں داخل نہیں کیا جا سکتا ورنہ کتے اور خنزیر کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ کسی ''حیوان ناطق'' کو اپنی نوع ثابت کریں۔

اس آیت سے کوئی یہ تو کہہ سکتا ہے کہ انسان کی جنس حیوان ہے لہٰذا یہاں اشتراک جنس کا ذکر ہے تو اس کے جواب کے لیے ایک اور آیت دیکھ لیں تا کہ یہ احتمال بعید بھی ختم ہو جائے ارشاد ہے۔

(4) ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صادقین ......(194) اعراف

اس آیت میں خالق کائنات نے بتوں کے بارے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ بھی تمہاری مثل عبد ہیں کہ تم انہیں آواز دے کر دیکھو یہ جواب نہیں دے سکتے یہ الفاظ قابل غور ہیں۔

''عباد امثالکم''

یہاں انسانوں سے خطاب ہے کہ پتھر کے بت بھی تمہاری مثل ہیں کیا خالق کے کلام کا مافی الضمیر یہی ہے کہ انسان جو خود کو اشرف الجمادات کہتا ہے اس کی اور بتوں کی نوع ایک ہے جب لفظ مثل سے یہاں نوع پہ استدلال کرنا حماقت ہے تو ''بشر مثلکم'' سے وحدت نوع پہ دلیل کیسے قائم کی جا سکتی ہے ایک اور احتمال بعید پر بھی سوچ لیتے ہیں کہ کوئی یہ فرض کر لے کہ علماء سو کو بھی لوگ جھکتے ہیں اور بتوں کو بھی تو ایک مناسبت یہاں بھی موجود ہے تو اس احتمال بعید کے لئے ایک اور آیت ملاحظہ فرمائیں۔

(5) سورت انعام میں ارشاد قدرت ہے

☆من جاء بلحسنة فله عشر امثالها ومن جاء بالسیّئة فلا یجزیٰ الا مثلها وهم لا یظلمون...... (160)

جو کوئی نیکی لایا تو اسے اس کے بدلے میں اس نیکی کی مثل دس ملیں گی اور برائی لایا تو اس کی برائی مثل برائی ملنے کے علاوہ اس کی کوئی جزا نہیں ہے اور کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا نیک کو نیکی کی مثل دس نیکیاں اور برے کو برائی کی مثل برائی ملے گی

اب علماء نیکی کے دائرے پر نگاہ کریں کہ وہ کتنا وسیع ہے نیک اعمال کی مکمل فہرست پر غور کریں اور ان کی مثل ملنے کی افادیت پر غور کریں۔

1 ...... کسی نے راہ خدا میں پاکستانی ایک روپے کا نوٹ دیا تو آخرت میں دس نوٹ ایسے ہی ملیں گے۔

2 ...... کسی نے یتیم کے سر پہ ہاتھ پھیر دیا جواباً دس مرتبہ یتیم کر کے سر پہ ہاتھ پھیرا جائیگا۔

3 ...... یہاں ایک سال نیکی کی تو وہاں دس سال دے دیئے اور پھر چھٹی۔

4 ...... کسی نے کسی غریب کے پاؤں کا کانٹا نکالا تو اس کے پاؤں میں بھی دس کانٹے چبھو کر نکالے جائیں گے۔

اب غور کریں ان جزاؤں کی اخروی زندگی میں کیا افادیت ہے ایک روپیہ دینے والے کو وہاں ایک روپے والے دس نوٹ تھما کر رفو چکر کر دیا جائے تو کیا کوئی اس فیصلے کو عدل الٰہی کہہ سکتا ہے اور وہاں اس پاکستانی کرنسی کی ویلیو کیا ہوگی اور وہاں پاکستانی سکہ رائج بھی ہوگا یا نہیں کہ لینے والا دس نوٹ لیکر کس دوکان سے چرغہ

کھائے گا اس پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ نیکی کے بدلے میں جمع کا صیغہ امثالھا آیا ہے اگر چہ اس میں ذرا بھر اعتراض کی گنجائش نہیں ہے مگر پھر بھی اس کا جواب آیت کے اگلے حصے میں آجاتا ہے کہ وہاں مثل واحد کے صیغے میں آیا ہے یعنی الا مثالھا یعنی برائی کی مثل برائی ہی ملے گی یہاں بعینہ مثل استعمال ہوا ہے۔

اب چاہیے تو یہ تھا کہ یہاں برائی کے اقسام بیان کیے جاتے مگر موضوع کا احترام مانع ہے بس اتنا سوچ لیں جس نے یہاں جس قسم کی برائی کی ہے (یعنی جھوٹ سے لیکر زنا تک) اگر میدان حشر میں ایسی ہی برائیاں ملنی شروع ہوجائیں تو چشم تصور سے میدان حشر کا نقشہ خود دیکھ کر بتائیں کہ وہاں کیا منظر ہوگا ؟

تو ثابت ہوا لفظ مثل مکمل یگانگت اور وحدت نوع کے لئے استعمال ہی نہیں ہوتا ایک سوال اہل منطق سے کروں گا کہ اگر مثل وحدت نوع ہی کے لیے بولا جاتا ہے تو ثابت کریں آج تک کسی مفکر نے نیکیوں اور برائیوں کی نوع تجویز کی ہے کیا ان اعمال کی جنس ، فصل ، خاصے ،عرض ، فارق ، غیر فارق پہ کہیں بحث موجود ہے جن چیزوں کی اصطلاحی نوع ہے ہی نہیں وہاں لفظ مثل کن معنی میں بولا جاتا ہے؟ پھر ہمیں بھی اجازت دیں کہ ہم بھی الا مثالھا کی طرح بشر مثلکم میں صفاتی اشتراک ہی لکھیں یا پھر آپ جملہ صفات و اعمال کی جنس و فصل وغیرہ کی وضاحت کریں

یہ بات بھی قابل غور ہے کہ دنیا اور آخرت کی نوعیت جدا جدا ہے اور یہ متضاد نوعیّتوں کے باوجود ایک دوسرے کے مثل ہوسکتے ہیں تو محمد و آل محمد علیھم الصلوات والسلام جداگانہ نوع ہونے کے باوجود مثل بشر قرار کیوں نہیں پاسکتے ؟ یعنی جدا نوع رکھتے ہوئے مثل بشر مان لینے میں کیا حرج ہے؟

جب مثل متضاد انواع کا بھی ہوا جا سکتا ہے تو یہاں خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کو داخل نوع بشر کرنے کے لیے اپنا سارا علمی زور کیوں صرف کیا جا رہا ہے

(6) سورت طلاق میں ارشاد قدرت ہے

☆اللہ الذی خلق سبع سماوات ومن الارض مثلهن......(12)

اللہ جل جلالہ وہ ہے جس نے سات آسمان خلق فرمائے اور زمین سے ان کی مثل کوئی منطقی ہے جس نے زمین و آسمان کی نوع کو تشخیص کر کے اس پہ بحث کی ہو ان کی جنس، فصل، نوع وغیرہ کی حد بندیاں کی ہوں؟ پھر کوئی چیز ایسی ہے کہ جو زمین میں نوع سما سے پیدا کی گئی ہو؟

یہاں لفظ مثل سے مراد تشبیہ ونظیر ونمونہ کی ہے اس سے وحدت نوع سے استدلال کرنا ہی باطل ہے۔

(8) اسی طرح سورۃ نساء آیت (140) میں ہے

☆وقد نزل علیکم فی الکتٰب ان اذا سمعتم آیٰت اللہ یکفر بها ویستهزابها فلا تقعدوا معهم حتی یخو ضوا فی حدیث غیره انکم اذاً مثلهم ان اللہ جامع المنافقین والکافرین فی جهنم جمعیا

اس آیت میں مومنین سے فرمایا جا رہا ہے کہ جہاں آیات الٰہی سے کفر کیا جا رہا ہو یا آیات الٰہی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس محفل میں ہرگز نہ بیٹھیں تا اینکہ وہ موضوع کلام بدلیں یعنی جب کفار منافقین کلام الٰہی یا آیات الٰہی کا مذاق اڑا رہے ہوں تو ان میں بیٹھنے والا مومن ان کی مثل ہو جاتا ہے مثلهم کہ تم ان کی مثل ہو جاؤ گے

اب میری منطقی ذہنوں سے اپیل ہے کہ وہ جواب مرحمت فرمائیں کہ اللہ تو مومنین کو

کفار کی مثل تسلیم نہیں کرتا ہاں اگر ان میں بیٹھ کر ان کے خرافات میں داخل ہو جائیں تو تب ان کی مثل ہو نگے ۔

(1) کیا مومنین اور کفار و منافقین کی نوع بحیثیت انسان کے جدا ہے؟

(2) کیا صرف کلام الٰہی کا مذاق سن کر نوع بدل سکتی ہے؟

(3) کیا آج تک کسی منطقی نے تبدیلی نوع کا تصور پیش کیا ہے؟

(4) اللہ کفار کو مومنین کی مثل نہیں سمجھتا تو انبیاء کو جو کفار کی نعوذ باللہ مثل سمجھے وہ کون ہے، اب دو ہی صورتیں ہیں کہ یا تو کفار و مومنین کی نوع علیحدہ علیحدہ ثابت کرو یا پھر لفظ مثل کو صرف ایک آدھ صفت کی مناسبت پر استعمال ہونا مانو اور لفظ مثل سے نوع پر استدلال کرنا خلاف علم و عقل مان لو۔

یہاں واضح طور پر آیا ہے کہ دونوں گروہ بظاہر بشر ہیں مگر دونوں ایک دوسرے کی مثل نہیں ہیں، دنیا کے کسی بھی فلسفی نے آج تک نوع کی تقسیم و تشخیص مذہب اور عقیدے کے حوالے سے نہیں کی ہے جب لفظ مثل سے دو بشروں میں اختلاف نوع ثابت نہیں کیا جا سکتا تو غیر بشر کو لفظ مثل سے داخل بشر کیسے کیا جا سکتا ہے؟

ماننا پڑتا ہے کہ لفظ مثل سے نوع پر استدلال کرنا خلاف عقل و علم ہی نہیں بلکہ خلاف قرآن بھی ہے۔

(8) ایک اور آیت بھی دیکھ لیں آل عمران 13

☆فئة تقاتل فی سبیل الله واخری کافرة یرونهم مثلیهم رایَ العین ...... الخ

یہ آیت ایک غزوہ کے بارے میں ہے جس میں دو گروہوں کا ذکر ہے ایک مومنین کا

گروہ اور دوسرا کافرین کا اس کے زمن میں فرمایا گیا ہے کہ کفار کا لشکر مسلمانوں کی دو مثلیں دیکھ رہا تھا۔

اب کوئی شخص لفظ مثلیھم سے مسلمانوں کی دونوعیں ثابت کر سکتا ہے؟

کیا کوئی کتاب انسانوں میں دوہری نوع کا تصور پیش کرتی ہے؟

جب لفظ مثل سے دوہری نوع پر استدلال نہیں ہوسکتا تو نوع غیر پہ اپنی نوع کا استدلال کہاں جائز ہے؟

حقیقت یہی ہے کہ لفظ مثل کو بنیاد بنا کر نظریہ وحدت نوع وضع کرنا علم وعقل کے ساتھ دشمنی کرنے کے ساتھ ساتھ خود کلام الٰہی کا مذاق اڑانے کے برابر بھی ہے مِثل اور مَثل دونوں صفاتی مشابہت کے لیے بولے جاتے ہیں۔

جیسا کہ اگلے ابواب میں مزید وضاحت کی جائیگی

لفظ مثل کے اصلی معانی شبہ، شباہت ،نظیر،تصویر،صفت، کہاوت اور عبرت کے ہیں جملہ لغویین نے اپنی لغتوں میں یہ معانی لکھے ہیں اور اس کے بنیادی معنی شباہت کے ہیں اس کے مادے کے جملہ مشتقات میں شباہت کا عنصر غالب ہے مثلاً مثال ،مماثل ،تمثیل ، امثال ،تمثال۔ ان سب میں ایک چیز مسلسل نظر آتی ہے وہ ہے شباہت چاہے تصویری ہو یا صفاتی۔

اور ہمارا موقف بھی یہی ہے کہ خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام ہم سے مشابہ ہیں مگر ان کی نوع جدا ہے اور یہ بات اس آیت میں ہے کہ

☆ ’’قل انما انا بشر‘‘

میں بھی بشریت میں تمہارے ساتھ مشابہت رکھتا ہوں ، یہاں نوع کی تو بات ہی نہیں

(9)ایک اور آیت میں بھی لفظ مثل کو دیکھ لیں تا کہ مزید وضاحت ہو سکے اللہ جل جلالہ نے جس کلام کے بارے میں فرمایا ہے

☆فاتوا بسورة من مثله

کہ اے جن وانس تم میں جرات ہے تو اس قرآن کی ایک سورۃ کی مثل بنالاؤ

پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا قرآن کی بھی کوئی نوع ہے؟

کیا قرآن کی بھی جنس وفصل ،نوع ،عوارض ہیں؟ کیونکہ یہاں بھی لفظ مثل موجود ہے مگر دیکھئے جو خالق قرآن کی مثل لانے سے پوری کائنات کو چیلنج کر کے فرماتا ہے کہ اس کی مثل لاؤ وہی وضاحت کر دیتا ہے۔

☆لا یاتون بمثله

کہ اس کی کوئی مثال لا نہیں سکتا

لیکن وہ خود کچھ ذوات کو قرآن کی مثل فرماتا ہے

☆فورب السماء والارض انه لحق مثل ماانکم تنطقون......(23) الذاریت

مجھے آسمان وزمین کے رب کی قسم کہ یہ قرآن یقیناً تمہارے نطق کی مثل حق ہے یہ بھی تمہاری گفتگو کی مثل حق ہے۔

اب دیکھئے کہ قرآن کی ایک آیت کی مثل کائنات کے پاس نہیں اس قرآن کی مکمل مثل ،پورے قرآن کی حقیقی مثل پاک ذوات کے پاس ناطقہ موجود ہے جن کی ساری گفتگو قرآن کی مثل ہے قرآن ان کی گفتگو کی مثل ہے یعنی قرآن کی صداقت کا پیمانہ ہی ان کی گفتگو کو قرار دیا گیا ہے لہٰذہ لفظ مثل سے جن کی اپنی نوع انسان قرار دی جا رہی ہے ان کی گفتگو کی نوع قرآن ہے۔

اب وحدت نوع کے قائلین کے لیے ایک مشکل یہ ہے کہ انہیں ایک علیحدہ نوع کا قرآن وضع کرنا پڑے گا پھران کی گفتگو اور ناطقے کی نوع معلوم ہوگی پھر انسان کو حیوان ناطق کہنے والوں کو انسان کے ناطقے کی نوع بھی قرآنی ثابت کرنا ہوگی اگر وہاں لفظ مثل کسی نوع کی بنیاد فراہم کرتا ہے تو یہاں بھی اسے کوئی بنیاد فراہم کرنی چاہیے۔

ارسطو بے چارہ تو پہلے دنیا سے رخصت ہوگیا مگر بیکن بے چارہ ہی فلسفہ نوع کو فروغ نہ دے سکا اور نہ ہی کسی مولوی صاحب نے اس طرح کی کوئی جرات کی ہے۔

مگر اصدق الصادقین نے قسم اٹھا کر فرمایا ہے کہ قرآن ان کے ناطقے کی مثل ہے۔

''یہاں لفظ مثل سے نوع کا استخراج کرنا علماء پہ اُدھار رہا ہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں جن سے خطاب ہے ان کی تعداد دو سے زیادہ ہے کیونکہ انکم جمع کا صیغہ ہے جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نطق کے لحاظ سے یہ محفل تطہیر ایک ہی نوع ہے۔

اور حدیث ثقلین میں بھی قرآن کی مثل عترت پاک کو قرار دیا گیا ہے اگر فرض کرلیں کہ ان کی اور قرآن کی نوع ایک ہی ہے تو یہ داخل نوع بشر کیسے ہوگئے ہیں؟

ان کلیات کا جو منطقی نتیجہ نکلتا ہے کیا اسے عالم اسلام قبول بھی کریگا یا نہیں؟ یعنی قرآن ورسول کی نوع ایک ہے۔

رسول وانسان کی نوع ایک ہے لہٰذہ انسان وقرآن کی نوع ایک ہے

کیا یہ نتیجہ کسی کے لئے قابل قبول ہے

ذرا آگے بڑھتے ہیں

(10) سورۃ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے

☆قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا......(88)

فرمایا جن وانس مجتمع ہوکربھی قرآن کی مثل نہیں لاسکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے معاون ہی کے معاون کیوں نہ بن جائیں۔

کہیں قرآن کی مثل لانے کا چیلنج ہوا ہے تو کہیں صرف ایک سورۃ کی مثل لانے کا چیلنج ،کہیں دس آیات کی مثل لانے کا چیلنج ہے تو کہیں صرف ایک آیت کی مثل لانے کا چیلنج ہے اور آج تک کوئی ایک آیت کی مثل پیش نہیں کرسکا۔

پھر دیکھیئے جہاں کلام الٰہی میں اللہ اور رسول اور ملکوت کا ذکر ہے وہاں ابلیس و ابوجہل ، کتے اور خنزیر کا ذکر بھی موجود ہے اگر اللہ والی آیت کی مثل کوئی نہیں پیش کر سکا تو چلو ابلیس والی آیت ہی کی مثل کوئی پیش کردیتا کم ازکم چیلنج کرنے والی ذات کا دعویٰ تو ختم ہوتا۔

پھر انفس وآفاق میں بھی آیات کے موجود ہونے کی نشاندہی خالق نے فرمائی ہے کوئی آفاقی آیت نہ سہی انفسی آیت ہی دعوے کے جواب میں پیش کردیتا۔

حقیقت یہ ہے کہ عرب کے بدو جتنے بھی جاہل کیوں نہ ہوں مگر آج کے مولوی سے کم جاہل تھے اس لیے کسی نے اپنے نفس کو قرآن کی ایک آیت کے مثل بھی نہیں کہا کیونکہ وہ اس حقیقت کو سمجھتے تھے کہ قرآن کی مثل لانا کائنات کے بس کا روگ نہیں ہے، دنیا کا کوئی سرکش پاک کلام کو اپنی مثل نہیں کہہ سکا مگر آج گستاخی ہر جاہل کر رہا ہے......(خدا انہیں ہدایت دے)

جب ابلیس نے سجدہ آدم سے انکار کیا تو خالق نے بڑا دلچسپ سوال کیا فرمایا

☆واسکتبرت ام کنت من العالین
تو نے جو بوجہ کبرائی سجدہ نہیں کیا تو کیا تو عالین میں سے ہے؟
حالانکہ وہ بدبخت جملہ بدبختیوں کو گلے لگا چکا تھا اور اپنے انجام کو بھانپ چکا تھا ہر بات پر اللہ سے منطقی بحثیں کر رہا تھا اور آگ کی خاک پر جو برتری ہے اس کے حوالے سے عرض کر رہا تھا۔

☆خلقتنی من نارو خلقته من طین
تو نے مجھے آگ سے خلق فرمایا ہے آدم کو مٹی سے خلق فرمایا ہے آگ مٹی سے افضل ہے، نہج البلاغہ میں ہے۔

☆کانت النار بالنور والنور اشبه بالمجردات
نور کے سب سے زیادہ مشابہ نار ہے نور مجردات (ملکوتیت) سے سب سے زیادہ مشابہ ہے اسی حوالے سے ابلیس نے اللہ سے حجت کی تھی وہ جانتا تھا کہ تفضیلی ،مفضول علی الفاضل ،عقلاً اور عدلاً جائز نہیں اسی لیے وہ استنتاج بدیہی سے اپنی برتری ثابت کر رہا ہے مگر جب یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا تو عالین میں سے ہے؟ تو وہ ملعون جملہ شقاوتوں کے باوجود یہ جرات نہیں کر سکا کہ وہ کہہ دے کہ وہ عالین کی نوع سے ہے (نعوذ باللہ)۔

آج کچھ لوگ خود تو عالین کی نوع نہیں بن پائے عالین کو اپنی نوع میں داخل کرنے کے لیے پورا زور بیان صرف کر رہے ہیں خدا جانے ان کے مقاصد کیا ہیں؟

حالانکہ جس لفظ کو انہوں نے بنیاد بنایا ہے اس پر کسی نظریے کی بنیاد رکھنا ہی غلط ہے کیونکہ واقعہ شب ہجرت میں جملہ معتبر کتب میں ایک فقرہ ہے جسے کسی نے ترک نہیں

کیا کہ جب بستر رسول پر مولا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام سو رہے تھے تو ایک فرشتے نے آواز دی تمہاری مثل کون ہے اے میرے مولا۔
اس فقرے میں لفظ ہے من مثلک کیا کسی صاحب نے اس فقرے میں لفظ مثل سے نوع پر استدلال بھی کیا ہے؟ اگر استدلال کیا جائے تو کیا مولا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی نوع علیحدہ ثابت نہیں ہوتی ؟ حالانکہ صحاح ستہ سے لیکر ایک عام فضائل کی کتاب تک یہ حدیث موجود ہے

☆انا و علی علیہ الصلوات والسلام من نور واحد

ان کی نوع اور نہیں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے تو جدا نہیں، مگر فرشتہ ان کی مثل کسی کو نہیں مان رہا تو کیا وہ فرشتہ غالی تھا جو لیس کمثلہ شئی کا تکرار کر رہا تھا؟
اب ایک اور حدیث بھی دیکھ لیں فرمان ہے میرے اہلبیت سفینہ نوح علیہ السلام کی مثل ہیں

☆کمثل سفینۃ نوحؑ

یعنی ''ک'' بھی تشبیہی موجود ہے اور مثل بھی ہے گویا ''ک'' کے ساتھ مثل کا لفظ شدت پیدا کر رہا ہے کیا اس سے استدلال کر کے کوئی نوع آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نوح کے سفینہ کی سوکھی لکڑیوں سے ملا سکتا ہے، کیا سفینہ نوح اور آل محمد علیھم الصلوات والسلام کی نوع ایک ہے؟
اصل بات تو وہی ہے کہ جسے میں بار بار دہرا رہا ہوں کہ لفظ مثل کی بنیاد پر نوع پر استدلال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ خود علماء کرام کا وضع کردہ کلیہ ہے

☆اذا قام الاحتمال فقد بطل الاستدلال

جب کسی چیز میں احتمال پیدا ہو جائے استدلال باطل ہو جاتا ہے۔
یہاں لفظ مثل میں ہزاروں احتمال موجود ہیں پھر آیات کی ایک کثیر تعداد لفظ مثل کی نوعی حیثیت کو برباد کر رہی ہے، ہزاروں ابعاد مانع ہیں مگر ڈھاک کے وہی تین پات والی منطق کا کیا علاج ہے
لفظ مثل کے خلاف ہزاروں دلائل ثبوت پیش کیے جا سکتے ہیں اور کسی صاحب منطق و بیان کو ہماری رائے کی تردید کی جرات نہیں ہو سکے گی اگر پھر بھی کوئی یہ جرات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ لفظ مثل اور مثل سے وحدت نوع ہی ثابت ہوتی ہے تو پھر اس کا جواب کیا ہوگا کہ کلام الٰہی میں ارشاد ہے۔
☆لله المثل الاعلیٰ
اللہ جل جلاله کی مثل بھی موجود ہے اور امیر کائنات علیه الصلوات والسلام کا ارشاد ہے
☆نحن مثل الاعلیٰ
اس طرح پھر جہاں ان کی نوع بشر ثابت ہوگی وہاں ان کی نوع اور اللہ کی نوع بھی ایک ثابت ہو جائیگی، اب یہ بھی علماء کا فریضہ ہے کہ وہ بتائیں کہ جن کی نوع اللہ کی نوع ہے وہ داخل نوع بشر کیسے ہو سکتے ہیں؟ اگر یہ داخل نوع الٰہی ہیں تو کیا اللہ بھی نوع بشر سے تعلق رکھتا ہے؟
اب تو کمپیوٹر نے یہ باتیں آسان کر دی ہیں کہ آپ ایک ہی منٹ میں لفظ مثل دیں اور ساری ''فریکوئنسی'' (تعداد) معلوم کر لیں کہ کتنی مرتبہ کن کن اشیاء پر یہ لفظ وارد ہوا ہے اور نتیجہ نکالنا کسی بھی شخص کے لیے مشکل نہیں ہے۔
بات یہ ہے کہ اگر تلاش و ادراک حقائق کی نیت ہو تو کوئی مشکل نہیں اگر بات ضد

برائے ضد کی ہو تو اس کا علاج عقلی اور نقلی دلائل نہیں شہنشاہ زمانہ عجل الله فرجه الشريف کی برق شرر بار رہے جو انشا اللہ بہت جلد بے نیام ہو گی کیونکہ علائم تو نوے فیصد پورے ہو چکے ہیں ہماری تو یہی دعا ہے کہ ایک لمحہ بھی نہ گزرے اور کائنات پر رب ذوالجلال کی ابدی حکومت اپنے جاہ وجلال کے نقطہ کمال پہ ظہور پذیر ہو جائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمّ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ اَجمَعِین

بسم الله الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک

باب نمبر 3

نوع

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے ہم قدمان طریق معرفت!

آپ نے دیکھا ہے کہ ہم سابقہ ابواب میں بشر اور مثل پہ کچھ بحث کر چکے ہیں اب اگلی منزل کی طرف کاروان فکر بڑھاتے ہیں، اب ضروری ہے کہ ہم اس لفظ پر بھی کچھ روشنی ڈالیں کہ جو اصل فساد کی جڑ ہے یعنی لفظ ''نوع''۔

مناسب یہ ہوگا کہ پہلے لفظ ''نوع'' کی علمی شرعی اور قرآنی حیثیت بتا دی جائے تاکہ عارفین کسی منزل تک پہنچ سکیں، پہلے دیکھتے ہیں قرآن مقدس میں لفظ کو کیا مقام حاصل ہے میں پوری تحقیق و ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں جسے شک ہو خود تحقیق کر سکتا ہے کہ پورے کلام پاک میں نوع کے مادے سے مشتق ہونے والے جملہ الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے مثلاً

☆ناع، ینوع، نوعا، نوع، تنویعا، النوع، انواع و نیاع

میں سے کوئی ایک لفظ صرف ایک مرتبہ بھی نہیں لکھا گیا یہ میں مکمل ذمہ داری سے لکھ رہا ہوں کہ یہ لفظ اور اس کے جملہ رشتہ دار الفاظ پورے کلام مقدس میں کہیں بھی موجود نہیں ہیں۔

اور یہ بھی ہے کہ جس طرح منطقی حیثیت سے نوع ،جنس اور فصل کو پیش کیا جا تا ہے اس طرح بھی پورے کلام مقدس میں نوع اورانواع کا کوئی تصور تک موجود نہیں

اب لمحہ فکریہ یہ ہے کہ جب لفظ نوع اوراس کے مشتقات اورمنطقی نوعی تصور کو خالق نے اتنا بے سود اور بے وقار جانا ہے کہ اپنے کلام مقدس میں اسے ایک لفظ کی جگہ تک دینا گوارانہیں کیا تو اس لفظ پر پورے معاشرے اورانسانیت کے عقائدکومرتب کرنے کی کوشش کرنا کہاں کا علم ہے،لفظ نوع پہ نظریات وعقائدکواستوار کرنا ہے ہی غیرقرآنی فعل تو پھر یہ علمی موشگافیاں کیسی ہیں؟

جولفظ خودقرآن میں لانا اللہ جل جلالہ نے پسند ہی نہیں کیا تو کیا ہم اس لفظ کے سہارے اس ذات کے مطلوبہ عقائدکو پاسکتے ہیں؟ ہرگزنہیں یہ ہے اس لفظ کی قرآنی بے سرو سامانی کی حیثیت ۔

اب دیکھتے ہیں منطق کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ لغت میں نوع مصدر کی حیثیت سے آیا ہےاوراس کی جمع ہے''انواع'' جس کے معنی ہیں اقسام یعنی قسمیں ۔

جن لوگوں کے پاس وحدت نوع کے نظریے کا واحد ہتھیار منطق ہے جسے وہ بزعم خویش ناقابل تردید ہتھیار سمجھتے ہیں،اب مجھے یہ دریافت کرنے کا حق حاصل ہے کہ وہ ہمارے علم میں اضافہ فرمائیں اورہمیں بتائیں کہ جملہ موجودات کی یہ جونوعی تقسیم ہے یہ کس قرآنی حکم سے ہے یہ اقسام موجودات یا اقسام خلق کی جوانواع پرتقسیم ہے یہ کس قرآنی حکم سے ہے؟

یہ اقسام موجودات ، اقسام خلق کوانواع پرتقسیم کرنا، ان پرعقائدکواستوارکرنا اور منطق کو مذہب وعقائد کی بنیاد بنانا کس حکم قرآن یا کس امام کے حکم سے ہے؟

وحدت نوع یا اختلاف نوع پہ کس امام نے خطبہ دیا ہے یا کس حدیث میں وضاحت ہے،سب سے اہم سوال یہ ہے کہ یہ منطق کس امام نے ایجاد فرمائی ہے؟

مجھے تو کسی امام کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے منطق ایجاد فرمائی ہو یا اس کے پڑھنے کا حکم ہو، یا علوم دین میں منطق کو بھی شامل فرمایا ہو۔

ہاں منطق کے جملہ کتب میں لکھا ہے کہ اس کا موجد ارسطو ہے جس نے استقرائیہ منطق اور استخراجیہ منطق کا نظریہ ایجاد کیا ہے لیکن کسی مذہب نے ارسطو کو اپنے اماموں اور انبیاء میں شامل نہیں کیا اور نہ ہی عالم اسلام کے کسی مکتبہ فکر نے اسے امام کا مقام دیا ہے۔

جب خود ارسطو کی مذہبی ،شرعی ،اسلامی کوئی حقیقت نہیں تو اس کے نظریات پر پورے اسلامی عقائد کو فٹ کر دینا کہاں کا دین ہے؟ یہ بھی نہیں ہے کہ ارسطو کوئی عالم دین تھا یا مفسر قرآن یا مجدد تھا کہ جو آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کے بعد گزرا ہو بلکہ وہ تو جناب عیسیٰ علیہ السلام سے بھی بہت پہلے راہی عدم ہو چکا تھا۔

بعد میں اس کا فلسفہ 400 سال تک رومن درسوں میں نساب کی حیثیت سے پڑھایا جاتا تھا، پھر چارسو سال کے بعد ایک رومن ائمپائر نے درسوں کا معائنہ کیا اور پوچھا کہ آپ صرف ارسطو کے نظریات پڑھا رہے ہیں یا اس میں کچھ ترقی بھی کی ہے؟

اس پر اساتذہ نے کہا کہ ابھی تک تو اسے سمجھنے والا کوئی نہیں اضافہ کیا خاک ہوگا، اس پر بادشاہ نے کہا اس طرح تم علم کے ارتقاء کے راستے میں دیوار بن رہے ہو اسے بند کرو یہ علم ایک فضول علم ہے اس کے بعد اس نے اس پر پابندی لگا دی۔

خود سوچیں جس علم کو خود رومیوں نے فضول اور بکواس سمجھ کر اپنے علمی اداروں سے

خارج کر دیا اور بعد والے بادشاہوں نے اس علم کو جہالت ثابت کر کے اس کا پڑھنا پڑھانا ممنوع قرار دے دیا تھا کیا وہ صدیوں بعد اسلام کے نظریات کی اساس کیسے بن سکتا ہے؟

اس کے بعد جناب عیسیٰ علیہ السلام کا دور آیا تو انہوں نے باقی انبیاء علیہم السلام کے علوم کا احیا فرمایا مگر ارسطو کی بکواس کا ذکر کرنا بھی مناسب نہ سمجھا۔

پھر وہ زمانہ آیا کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ظہور اجلال ہوا 63 سالہ ظاہری حیات طیبہ میں کہیں بھی ارسطو کا ذکر نہیں ہوا اور کسی حدیث میں اس کا نام تک موجود نہیں ہے چہ جائیکہ اس کی تائید میں کوئی حدیث ہو پھر آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کا زمانہ آیا، 11 ہجری سے 260 ہجری گیارہ آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام نے مسند ہدایت کو زینت بخشی خاص طور پر وہ زمانہ کہ جب بنی عباس اپنے علم کی دھاک بٹھانے کے لئے قدیم رومی فلسفیوں کے فلسفے پر مبنی کتب کا ترجمہ کروا رہے تھے، علم کلام وضع ہو رہا تھا ارسطو، افلاطون فیثا غورث، انکسا غورث، بقراط، بطلموس کے نظریات اسلامی یونیورسٹیوں میں پڑھائے جا رہے تھے اور لوگوں کو ارسطو اور افلاطون کا گرویدہ بنایا جا رہا تھا تب بھی کسی امام علیہ الصلوات والسلام نے یہ نہیں فرمایا کہ ارسطو حق پر تھا یا معرفت اور عقائد کی درستی کے لئے اس کی کتب سے استفادہ کرو یا اس کے کسی ایک قول کی تائید میں اس کا نام لے کر کچھ ارشاد فرمایا ہو جب خود ارسطو اور جملہ منطقین کا اسلام میں کوئی شرعی، علمی، قرآنی، اسلامی اور فکری مقام نہیں ہے تو پھر کیوں امت مسلمہ کو ان کے قدموں میں جھکایا جا رہا ہے؟

آج تک ارسطو کے بارے میں کسی نے نہیں لکھا کہ اس نے اپنے فلسفے میں کسی نبی

سے استفادہ کیا ہو، جب وہ خود ہی بے دین شخص تھا تو اس کا فکری سرمایا بے دینی کے سوا کیا ہوگا، پھر ایک بے دین کے قیاسی علم کو توحید و نبوت جیسے حساس موضوعات کے لئے مشعل راہ بنا لینا کہاں کا دین ہے؟

کسی امام علیہ الصلوات والسلام نے اس کے نظریات میں اگر کچھ بھی درستی پائی ہوتی تو ضرور اس کی تائید فرمائی ہوتی یا اس کا قول دہرایا ہوتا۔

دیکھئے آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام دور جاہلیت کے شعراء کے اشعار کو موقعہ و محل پہ استعمال فرماتے ہیں، اعشی عمر و ابن معدی کرب وغیرہ کے اشعار تو زبان مبارک سے مس تک نہیں ہوا تو یہ عقائد کی درستی کا پیمانہ کیسے بن گیا ہے؟

فلاسفہ یونان کی جب اسلام میں گنجائش ہی نہیں ہے تو اپنے اصول دین کو ان فلسفیوں کے حوالے کیسے کیا جا سکتا ہے؟

حالانکہ ان فلاسفہ یونان کے مابین بھی ایک نظریاتی جنگ موجود ہے جو کچھ افلاطون نے کہا تھا اس پر پہلے تنقید خود اس کے شاگرد رشید ارسطو نے لکھی اور اس کے متعدد نظریات کو علمی بحثوں سے رد کر دیا جب ان کے نظریات خود انہی کے شاگردوں نے قبول نہیں کیئے تو ہم پر کہاں لازم ہے کہ ان کے نظریات پر اپنے دین کی بنیاد رکھیں

آگے بڑھنے سے پہلے بہتر ہوگا کہ میں ''منطق'' کے کلیات اور ان کی حقیقت اور صداقت پر بھی روشنی ڈالتا چلوں۔

1-نوع......(Property)

اسے انگلش میں پراپرٹی کہتے ہیں

اس کی نوعی تقسیم کے عمل کو منطقی تقسیم کہتے ہیں جسے انگلش میں (Division) ڈویژن کہتے ہیں۔
تقسیم (ڈویژن) ملکی یا مذہبی ہوتی ہے ناموں کے لحاظ سے نہیں ہوتی جو ناموں کے حساب سے تقسیم ہو اسے (گنتی) کہتے ہیں جسے انگلش میں (Enomeration) کہتے ہیں اس کے بعد ہوتی ہے اجزائی تقسیم جسے تحلیل طبعی یا (Analysis Physical) کہتے ہیں اس کے بعد صفاتی تقسیم ہوتی اسے مابعدالطبیعاتی تجزیہ کہتے ہیں یا (Metaphysical Analysis) کہتے ہیں۔
اب منطق کے لحاظ سے نوع کی تشریح بھی کرتے چلیں منطق کا کلیہ ہے کہ (summum genus) یعنی جنس الاجناس سے لیکر نوع النوع تک انواع و اجناس کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔

جنس کیا ہے؟

ایک بڑی جماعت میں اگر کوئی چھوٹی جماعت شامل ہو تو بڑی جماعت جنس ہوتی ہے اور چھوٹی جماعت نوع ہوتی ہے مثلاً حیوانات کی جماعت پر غور کریں گے تو بہت بڑی جماعت نظر آئے گی مگر ان حیوانات میں چھوٹی جماعتیں بھی ہیں مثلاً گدھوں کی جماعت، انسانوں کی جماعت وغیرہ وغیرہ۔
لہٰذا انسان بھی ایک حیوان ہے اس لئے اس کی جنس حیوان ہے اور اس کی نوع بشر یا انسان ہے بڑی جماعت سے چھوٹی جماعت جدا نہیں ہو سکتی جب تک کچھ اختلافی صفات موجود نہ ہوں اور جو چیز چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت سے ممتاز کرتی ہے وہ

ہوتی ہے فصل ممیّز یا (Relative Difference) جیسے انسان کا ناطقہ اسے حیوانات سے جدا کرتا ہے جنس الاجناس وہ ہوتی ہے جو کسی اور جنس کی نوع نہ بن سکے اور نوع الانواع وہ ہوتی ہے جو کسی نوع کی جنس نہ بن سکے۔

اس لئے جنس الاجناس اور نوع الانواع کے مابین اجناس متوسطہ یا(Subaltern Gunera) یا (Subaltern Specics) موجود ہوتے ہیں یعنی جمادات نباتات کی جنس ہیں نباتات اس کی نوع نباتات حیوانات کی جنس حیوانات انسان کی جنس ہیں۔

نباتات جمادات کی نوع ہیں، حیوانات نباتات کی نوع ہیں، انسان حیوان کی نوع ہے یہ بھی کلیہ ہے کہ ہر نوع میں اس کی جنس کے جملہ صفات بھی موجود ہوتے ہیں اور اس سے کچھ اضافی صفات بھی ہوتے ہیں جو اسے جنس سے جدا کرتے ہیں جسے فصل یا فصل ممیّز کہا جاتا ہے۔

فصل ان صفات کو کہتے ہیں جو نوعی صفات سے جنسی صفات کی نفی کرنے کے بعد بچتے ہیں اس کے بعد کچھ صفات ایسے ہوتے ہیں جو تضمن میں تو نہیں آتے مگر تضمن سے لازماً اخذ ہوتے ہیں انہیں ' خاصہ ' کہا جاتا ہے خاصے کے دو اقسام ہیں۔

1) جنسی خاصہ (Generie Property)

2) نوعی خاصہ (Specific Property)

یعنی انسان میں جو حیوانی خصوصیات ہیں مثلاً کھانا، پینا، سونا، مباشرت کرنا وغیرہ یہ جنسی خاصے ہیں یعنی حیوانی صفات ہیں اور جو صفات انسان بحیثیت انسان کے کرتا ہے مثلاً لکھنا، پڑھنا، معلوم سے نا معلوم کو اخذ کرنا، ایثار، قربانی، صبر وغیرہ یہ انسانی

خاصے ہیں یعنی نوعی خاصے ہیں۔

''عرض''

عرض اس صفت کو کہتے ہیں جسے جماعت کی اصلیت اور وجود و عدم میں تو مدخلیت حاصل نہ ہو یعنی جنس، فصل، نوع میں جس کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہ پڑے اس کی دو قسمیں ہیں۔

1 ......عرض فارق

2 ......عرض غیر فارق

عرض فارق وہ ہوتا ہے جو بدلا جا سکتا ہے مثلاً مذہب، وطن وغیرہ یعنی انسان کل ہندو تھا آج مسلمان ہے، کل ہندوستانی تھا آج پاکستانی ہے یہ پاکستانی ہونا اس کا عرض فارق ہے، عرض غیر فارق وہ ہے کہ جسے انسان بدل نہیں سکتا مثلاً جائے پیدائش پوری زندگی ایک ہی رہتی ہے مقام پیدائش انسان کا عرض غیر فارق ہے یوں سمجھ لیں نوع الانواع سے ایک طرف جھکاؤ بڑھتا ہے تعبیر بڑھے گی تو تعداد بڑھے گی، جماعت بڑھے گی۔

تضمن بڑھے گا تو تعداد گھٹے گی، جماعت چھوٹی ہوتی چلی جائے گی ان باتوں کو اجمالی طور اس لئے لکھ رہا ہوں کہ لاجک (منطق) کا ایک معمولی طالب علم بھی ان چیزوں کو سمجھتا ہے اس لئے تفصیل و توضیحات کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اس کے بعد نوع میں صنف و علل و معلولات و غایت فاعل و شرط و مانع، معد مادہ و صورت نفوس، مجردہ و جواہر مفارقہ وغیرہ پہ بحث کر کے اپنے قاری کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا۔

ان باتوں کے سرسری بیان کے بعد پوری ذمہ داری سے کہہ رہا ہوں کہ جولوگ منطق کی گہرائیوں کو چھان چکے ہیں انہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ علم منطق تقسیم انواع واجناس میں بری طرح ناکام ہوا ہے۔

جنس نوع فصل وغیرہ کے کلیات موالید اربعہ تک تو بڑا کمزور سا ساتھ دیتے ہیں مگر ان سے آگے پیچھے منطق کے کلیات بے دردی سے دم توڑ دیتے ہیں۔

حقیقت میں تو یہ موالید اربعہ تک بھی ناکافی ہیں مگر پھر بھی قبائے منطق ان حقائق کی قامت موزوں پر کھینچ تان کر پوری کر لی جاتی ہے مگر اس سے آگے نہیں بڑھ سکتی پہلے موالید اربعہ سے نیچے جھانک کر دیکھیں۔

سب سے پہلی اکائی جو وجود رکھتی ہے وہ ہے ''نقطہ'' پھر ہے ''خط'' پھر ہے ''سطح'' پھر ہے ''جسم'' اور ''زمان'' ان پر محیط ہے۔

یہ چیزیں ابعاد اربعہ وخمسہ کے نام سے مشخص ہوتی ہیں یعنی (زمان) طول، عرض، عمق، حجم وغیرہ۔

پہلے بات تو یہ ہے کہ لفظ ''نوع'' جملہ موجودات عالم پر لاگو ہی نہیں ہے خود دیکھئے پہلے اکائی نقطہ ہے پھر کائنات جو دراصل نقاط کا ایک موجزن سمندر ہے اب کوئی بتائے کہ نقطے کی کیا نوع ہے اس کی جنس فصل وغیرہ کیا ہے؟ اس کے جنسی اور نوعی خاصے کیا کیا ہیں؟

اگر ہر چیز کی کوئی نہ کوئی نوع ہونا ضروری ہی ہے تو پہلے تو اپنی اکائی کی نوع دریافت کریں بعد کی بات بعد میں ہوگی۔

اسی طرح خط اور سطح پر بھی روشنی ڈالنا ہوگی

میں احتمال بعید کو بھی ترک نہیں کرتا اسی لئے کہتا ہوں کہ کوئی یہ جواب دے سکتا ہے کہ ابعاد اربعہ میں سے ایک ایک کا اضافہ جو ہوتا ہے اسے فصل قرار دے کر نقطہ سے جسم تک سب کی نوع حاصل کی جاسکتی ہے یعنی نقطہ جنس الاجناس سے خط کی فصل طول ہے پھر خط جنس ہے سطح فصل ہے اسی طرح ہر چیز کی نوع بن سکتی ہے۔

مگر پھر یہ مسئلہ درپیش ہوگا کہ کیا نقطے اور خط کی نوع جدا ہے؟ کیونکہ خط نقطوں کا اشتراک ہے اور سطح نقاط کا اجتماع ہے اس سے یہ بھی عقلاً ثابت کرنا ہوگا کہ کیا فرد کی نوع جماعت سے مختلف ہوسکتی ہے؟ ہرگز نہیں

اس بحث سے ثابت ہوا کہ نوع کی حیثیت اعتباری ''ہے'' سمجھنا شروع کردو تو ''ہے'' سمجھنا چھوڑ دو تو نہیں ہے اس کا ذاتی کوئی وجود نہیں ہے۔

پھر اس کا فلسفیانہ لباس موالید اربعہ کی قامت پر بھی راست نہیں بیٹھتا دیکھئے جمادات کو جنس قرار دیا اور نشو ونما کو فصل قرار دیا تو نوع نباتات حاصل ہوتی ہے مگر بہت سی چیزیں ان کلیات کا ناس ماردیتی ہیں مثلاً ''مرجان'' جو پتھر ہے تا اینکہ اللہ نے بھی اسے جواہرات (جو جمادات سے ہوتے ہیں) میں شمار فرمایا ہے مگر اس کی نشو ونما (بڑھوتری) نباتات کی طرح ہوتی ہے اب اسے کس نوع میں داخل کریں گے؟

اس دور میں تو ''اوشیانوگرافی'' ایک عظیم علم ہے اس کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ہزاروں حجری نباتات موجود ہیں جن پر آج کی سائنس بھی فیصلہ نہیں دے سکی کہ یہ پتھر ہیں یا نباتات ہیں۔

اگر کوئی اس کی بڑھوتری کو سامنے رکھ کر کہہ دے کہ یہ نباتات میں سے ہیں کیونکہ بڑھ رہے ہیں تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ جیالوجی کا مطالعہ کریں طبقات ارضی پر جو مقالات

لکھے جا چکے ہیں انہیں دیکھیں موجودہ سائنس نے ثابت کیا ہے کہ ہر پہاڑ مسلسل بڑھ رہا ہے تو کیا پہاڑوں کو نباتات میں داخل کرنا جائز ہے؟ پھر سیپ کے پیٹ میں موتی آہستہ آہستہ بڑھتا ہے کیا بڑھنے کی صفت کو دیکھ کر اسے نباتات میں سے کہا جا سکتا ہے ؟ حالانکہ اس میں سختی وصلابت حجری ہے اور جواہرات میں شامل ہے اس لئے کسی دیگر نوع کا فلسفہ پیش کرنا ہوگا کیونکہ ارسطو میاں کی منطق تو یہاں سر کھجلا رہی ہے۔

جمادات و نبادات کے مابین جو انواع موجود ہیں ان کو بھی دیکھ لیں کچھ نباتات ایسے ہیں جن کے بارے میں آج کی ترقی یافتہ سائنس بھی متحیر و سرگرداں ہے کہ انہیں نباتات میں شمار کیا جائے یا حیوانات میں مثلاً

یوگلینا (Euglena)

یہ ایک سیل (خلیہ) کا جاندار ہے اس میں حیوانات اور نباتات دونوں کے خصوصیات موجود ہیں کیونکہ سیل وال کا نہ ہونا اور آرگینگ غذا کا استعمال اسے جانور ثابت کرتا ہے اور کلورو پلاسٹ سے غذا تیار کرنا اسے نباتات کی صف میں جا بٹھاتا ہے۔

اس کی آنکھیں نہیں ہوتی آئی سپاٹ سے یہ آنکھ کا کام لیتا ہے اس کی افزائش نسل بنزی فشن کے ذریعے ہوتی ہے یعنی اس کی نسل غیر جنسی طریقے سے بغیر نر و مادہ کے ملاپ کے بڑھتی ہے یعنی پہلے اس کا نیوکلیس دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے پھر یہ ایک سے سو بن جاتے ہیں یعنی نیوکلیس کے بعد سائیٹو پلازم جب تقسیم ہوتا ہے تو یہ درمیان سے ٹوٹ کر خود کو دو جانداروں میں بدل لیتا ہے۔

اب میاں ارسطو سے پوچھنا پڑے گا کہ اس بیچارے شجری جاندار کی کیا نوع ہے؟
اب ایک اور شجری دیکھیں

کلے مے ڈوموناس (Chlamydomonos)

یہ بھی ایک پودا ہے جس کی نوع کی تشخیص سائنسدان بھی نہیں کر سکے اس کی افزائش نسل جنسی اور غیر جنسی دو طریقوں سے ہوتی ہے موزوں حالات میں غیر جنسی طرح سے اس کی نسل بڑھتی ہے اور غیر موزوں حالات میں جنسی طریقے سے۔
یہاں منطق کس چیز کو جنس، نوع اور فصل بنائے گی اس دور کے جدید آلات بھی اسے صرف حیوان یا صرف پودا ثابت نہیں کر سکے اس طرح ایک اور جاندار ہے جس کا نام ہے۔

ایمیبا (Amoebia)

اس کے بارے میں بھی سائنس کہتی ہے کہ اس نے بھی منطق کے اصول توڑ دیئے ہیں اب تو باٹنی بھی ایک علیحدہ علم کی حیثیت رکھتا ہے جس میں نباتات پر ریسرچ کی جاتی ہے اور نباتات کے حقائق دریافت کیے جاتے ہیں۔
تو اس علم (باٹنی) کے مشاہدے اور مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سینکڑوں پودے ایسے ہیں جو غیر متحرک نشو ونما کے لحاظ سے پودے ہیں مگر ان کے صفات حیوانی ہیں۔
جیسے بچر پلانٹ وغیرہ ہیں جو کیڑے مکوڑوں کو شکار کر کے کھا جاتے ہیں، بلیڈر روٹ جو سمندر میں اگتا بھی ہے اور تیرتا بھی ہے اور جانوروں کو شکار بھی کرتا ہے، سن ڈیو وہ بھی ایسے ہی صفات کا حامل ہے۔

جب میں باٹنی کی سٹڈی کرر ہا تھا تو اس وقت مجھے ایک وڈیو کیسٹ ملی جو ایسے یونیک (نادر) پودوں پر تھی کہ جو باقی جانداروں کو شکار کر کے کھا جاتے تھے اس میں میں نے خود ایسے پودوں کو شکار کرتے دیکھا جو بیج سے پیدا ہوئے، دھرتی پر اگے مگر قریب آنے والے جانداروں کو شکار کرر ہے تھے اسی طرح کا ایک اور پودا بھی ہے جسے آبی جاندار کہیں یا پودا دونوں الفاظ درست ہوں گے جس کا نام ہے'' پیلے نیریا '' یہ آکاش بیل کی طرح ہوتا ہے جیسے آکاش بیل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے درختوں پر ڈال دیں تو وہ وہیں مکمل پلانٹ بن جاتے ہیں اسی طرح اس آبی جانور کو اگر سو ٹکڑے کر کے سمندر میں پھینک دیا جائے تو اس کا ہر ٹکڑا ایک مکمل'' پیلے نیریا'' بن جاتا ہے اسی ٹکڑے میں آنکھیں، ناک، منہ وغیرہ جملہ اعضاء اگ آتے ہیں۔

اسی طرح ایک مچھلی ہے جسے سٹارفش کہا جاتا ہے اس کی بھی میں نے وڈیو کیسٹ دیکھی ہے اس مچھلی میں بھی یہی خصوصیات ہیں کہ اگر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے پانی میں ڈال دیں تو ہر ٹکڑا مکمل مچھلی بن جاتا ہے، مشاہدے پہ دلیل نہیں ہوتی اور میں نے خود مشاہدہ کیا ہے اسی طرح تیندوا ہے جو سمندری پودا ہے مگر مکمل حیوانی صفات رکھتا ہے اسی طرح افریقہ میں کئی قسم کے پودے اور درخت ہیں جو انسانوں اور حیوانوں کو پکڑ کر ان کا خون چوس لیتے ہیں۔

اسی طرح اسفنجی نباتات ہیں ان پر مختلف تجربات ہوتے ہیں میں نے خود دیکھے ہیں مگر ان کی نوع کا تعین ارسطوانہ منطق سے محال ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ ارسطو کی منطق خود موالید اربعہ کی نوع کی تشخیص و تعین کے لئے ناکافی ہے۔

پھر ہر نوع میں صنف کی تقسیم ضرور ہوتی ہے یعنی'' تذکیر و ثانیت'' کا تصور ویسے تو

نباتات تک ہے مگر حیوانات میں واضح صورت نظر آتی ہے لیکن کچھ حیوانات ایسے ہیں جن کی صنف کو بیان کرنا ایک مسئلہ ہے۔
مثلاً کیچوا (Earthworm) ارتھ وارم اس کے مذکر و مونث میں تمیز کرنا محال ہے کیونکہ یہ بیک وقت نر بھی ہوتا ہے اور مادہ بھی اس میں دونوں قسم کے اعضاء بیک وقت موجود ہوتے ہیں جب دو کیچوے ایک دوسرے سے مباشرت کرتے ہیں تو دونوں حاملہ ہو جاتے ہیں ہر کیچوا بیک وقت بیوی اور شوہر ہوتا ہے پھر اس کا یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ یہ حیوان ہے یا پودہ کیونکہ یہ درختوں کی طرح سانس لیتا ہے اس کا پھیپھڑا نہیں ہوتا صرف باہر والی جلد سے آکسیجن جذب کر لیتا ہے اب ایسی ہزاروں مثالیں میرے پاس موجود ہیں مگر میں اختصار کے پیش نظر ترک کرتا چلا جا رہا ہوں
اب اس کے بعد حیوان اور انسان کے درمیانی برزخ کا عالم بھی دیکھ لیں سب سے پہلے انسان کے بارے میں منطق کی بے سروسامانی دیکھتے چلیں جب سے منطق عالم وجود میں آئی ہے انسان کو حیوان سے ممیّز اور ممتاز کرنے کے لئے امتیازی صفات کو تلاش کرنے میں دست و پا مارنے میں مصروف ہے۔

پہلا نظریہ

انسان حیوان ناطق ہے مگر کچھ لوگوں نے نطق کو غیر اہم اور ذاتی نہ پایا تو فوراً انسان کی منطقی تعریف بدل دی اور کہا کہ انسان حیوان ناطق نہیں ہے بلکہ دوسرا نظریہ پیش کر دیا

دوسرا نظریہ

انسان حیوان عاقل ہے پہلے نطق کی فصل کو غیر اہم قرار دیا پھر عقل کو فصل ممیّز قرار دیا

تیسرا نظریہ

جب عقل دشمنوں نے انسان کو حیوان عاقل ثابت کیا تو خود پریشان ہوئے پھر بعد والوں نے اس پر تنقید شروع کر دی اور کہا کہ انسان سوشل اینمل (یعنی متمدن حیوان ہے)

چوتھا نظریہ

پھر کچھ لوگوں نے ان سب کو رد کر کے انسان کو ایک اور تعریف دی کہ انسان سیاسی حیوان ہے۔

یہ ہے اس منطق کی بے کسی کہ کبھی کچھ کہہ رہی ہے کبھی کچھ اور خود اپنے وضع کردہ کلیات پر آج تک مطمئن بھی نہیں ہے۔

مثلاً اگر منطق انسان کو حیوان سے علیحدہ کرنے کے لئے حواس خمسہ میں سے کسی کو وجہ امتیاز بنائے گی تو پھر انہیں سوچنا ہوگا کہ ٹوٹل انسانی آبادی میں سے کتنے فی صد لوگ کسی نہ کسی حس سے محروم ہیں۔

ہر سال یو این او کی طرف سے اعداد و شمار بتائے جاتے ہیں کہ پوری دنیا میں کتنے کروڑ لوگ بصارت سے محروم ہیں وغیرہ وغیرہ

اب انسان کو حیوان ناطق کہنے والوں نے جب نطق کو وجہ امتیاز قرار دیا تو گونگے افراد کو حیوانات کی نوع بنا کر منطق نے کونسا اچھا کام کیا اس پہ خود سوچیں کہ کیا گونگے افراد کو انسانی ہمدردی اور انسانی مقام شرافت نہیں ملنا چاہیے اگر وہ حیوانات میں سے ہیں تو انسانی حقوق کے ادارے گونگے بہرے لوگوں کی بحالی اور

انہیں معاشی تحفظ دینے کیلئے یوں مصروف جدوجہد کیوں ہیں؟

پھر گونگے افراد کو ہاتھوں کے اشاروں سے تعلیم دینے کا سلسلہ تقریباً دنیا کے ہر مذہب و ملک میں رائج ہے اور پاکستان ٹی وی بھی یہ پروگرام نشر کرتا رہا ہے کیا یہ اہتمام حیوانات کی بحالی کے ہیں؟

کیا ایک درست اور مکمل صحت مند ماں باپ کا بیٹا گونگا اور بہرہ پیدا ہو تو کیا اس کی ماں باپ سے نوع جدا ہے؟ ماں باپ دونوں انسان ہیں مگر بیٹا حیوان ہے یہ کیسی منطق ہے؟ ایسے لوگوں سے دنیا بھری ہوئی ہے کہ جو لوگ سامعہ، باصرہ، ناطقہ، لامسہ، وغیرہ سے محروم ہیں اور یہ سبھی چیزیں تو عرض فارق سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتیں کیونکہ عرض فارق کی یہی تعریف ہے کہ جن کے ہونے نہ ہونے سے کوئی فرق نہ پڑے جس کے بدلنے سے نوع میں فرق نہ آئے مثلاً ہندو ہونا، مسلمان ہونا وغیرہ وغیرہ

ایک آدمی پہلے بینا ہوتا ہے پھر نابینا ہو جاتا ہے پہلے سماعت کا حامل ہوتا ہے اور بعد میں محروم ہو جاتا ہے، پہلے ناطقہ کا حامل ہوتا ہے کسی صدمے یا چوٹ سے گویائی سے محروم ہو جاتا ہے تو ان صفات کے بدلنے سے نوع نہیں بدل سکتی اس لئے ان صفات کی حیثیت تو ''عارض'' کی ہے اور یہ حواس داخل ذات نہیں ہیں کہ ان کے نہ ہونے سے انسان ہی نہ رہے یا نوع ہی بدل جائے ان چیزوں کا نہ ہونا انسان کو دائرہ انسانیت سے باہر نہیں نکال سکتا تو پھر یہ فصل ممیّز کا مقام کہاں سے حاصل کر سکتے ہیں؟ یہ تو ''عوارض'' ہیں۔

اب دوسری تعریف پر بھی یہی بحث ہو سکتی ہے یعنی انسان حیوان عاقل ہے اس پر بھی ہزاروں ناقابل جواب اعتراضات کئے جا سکتے ہیں مثلاً

1۔ کیا دیوانہ آدمی انسان نہیں ہے؟

2۔ جو دیوانہ ہو جاتا ہے کیا اس کی نوع ''حیوان'' ہو جاتی ہے؟ اس کا دوسرا رخ یہ ہے کہ کیا حیوانات میں عقل نام کی کوئی چیز نہیں ہے؟

اب تو چمپئیزی سے لے کر ڈالفن مچھلی تک کو عقل مند تسلیم کر لیا گیا ہے پھر عقل کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے کسی میٹر وغیرہ پہ ناپا جا سکے کہ کون کس درجے کا عقل مند ہے۔ اگر ایسا کوئی میٹر ایجاد ہو جائے جو عقل کے درجات کو کسی ڈائل پر ظاہر کر سکتا ہو تو سب سے کم درجہ منطقی حضرات کو حاصل ہوتا سائنسدان تو نباتات میں بھی عقل کے آثار دیکھ رہے ہیں اب یا تو نباتات سے انسان تک سب کی ایک نوع مانیں یا پھر انسان کی اپنی نوع سے بھی دست کش ہو جائیں ورنہ یہ منطقی تعریفیں تو انسان کو حیران بنا دیتی ہیں اگر ہم اس موجودہ دور میں انسان کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہمالیہ اور تبت اور چین کے جنگلات اور افریقہ کے جنگلات میں ایسے انسان بھی ملتے ہیں جو ''ایپس'' کی طرح ہیں ''ہائی ٹی'' اور ''یٹی'' انسان کا تصور اب حقیقت بن گیا ہے پچھلے دنوں اخبار میں ایک خبر معہ تصویر شائع ہوئی کہ چین کے جنگلات میں سے ایک ''یٹی'' عورت حاصل ہوئی ہے واقعہ کا اجمال یہ کہ ایک عورت چین کے جنگلات میں سے لکڑیاں کاٹنے گی اس کے ساتھ ایک شیر خوار بچہ بھی تھا اس نے بچے کو ایک جگہ سلا دیا اور پھر خود لکڑیاں لینے آگے چلی گئی کچھ دیر بعد اس نے بچے کے رونے کی آواز سنی اور تھوڑے ہی وقفے میں اس کا بچہ خاموش ہو گیا اسے خطرہ محسوس ہوا دوڑ کر اس کے قریب آئی تو دیکھا ایک تین فٹ کی ''یٹی'' عورت بچے کو گود میں لے کر دودھ پلا رہی ہے وہ بظاہر برہنہ تھی مگر پورے جسم پر بال تھے اس عورت کو دیکھ کر وہ

فوراً ایک غار میں چھپ گئی پھر باہر والے لوگوں نے اسے پکڑ لیا اور چینی حکومت اس پر تحقیق کر رہی ہے وہ کوئی اجنبی زبان ہے اس کے حرکات وسکنات بندر جیسے ہیں اسی طرح ہیٹی یعنی ہمالین مین کا وجود دریافت ہوا ہے جس کا قد دس فٹ کے قریب ہوتا ہے اور پورا جسم بالوں سے ڈھکا ہوتا ہے۔

مغربی دنیا کہتی ہے کہ یہ وہ انسان ہیں جو ارتقاء کے سفر میں انسان سے قدرے پیچھے ہیں اور بندر سے قدرے آگے ہیں یعنی انسان بندر سے بنا ہے اور یہ بھی بندر سے ترقی کر کے انسان بننے کے ابتدائی مراحل میں ہیں ہاں ان کی اگلی کئی ایک نسلوں کے بعد یہ انسانی حدود میں داخل ہو جائیں گے۔

اسی طرح ایک اور واقعہ بھی دیکھ لیں پی ٹی وی پہ ایک پروگرام آتا تھا ''یو آسکڈ فار اٹ'' اس پروگرام میں عجیب عجیب چیزیں دکھائی جاتی تھیں اس میں ایک عورت دکھائی گئی تھی جس نے ایک گوریلا (بن مانس) سے اختلاط کر کے ایک بچہ پیدا کیا ہوا تھا وہ بچہ بھی ٹی وی پر دکھایا گیا تھا جو نہ ہی انسان تھا اور نہ ہی گوریلا وہ درمیانہ قسم کا ایک جانور تھا، اسی طرح ایک اور عورت نے ڈالفن مچھلی کے نطفے سے ایک بچے کو جنم دیا ہے جو ایک عجیب الخلقت جانور ہے، اسی طرح ایمسٹرڈم کی ایک یونیورسٹی میں انسانی سپرم گھوڑی میں منتقل کر کے ایک بچہ پیدا کیا گیا ہے جس کا پورا جسم گھوڑے کا ہے اور سر انسانی ہے اس کی تصویر بھی میرے پاس موجود ہے اسی طرح ایک پروں والا بچہ پیدا کیا گیا ہے اس کی تصویر بھی میرے پاس موجود ہے ان حوالہ جات کے بعد مجھے حق پہنچتا ہے کہ میں میاں ارسطو کی منطق سے پوچھوں کہ ان جانداروں کی نوع کیا ہے؟

کیا تمہاری منطق میں کسی ایسی نوع کی گنجائش ہے کہ جو انسان اور حیوان کے مابین ہو پھر اسی نوع کی جنس، فصل، خاصے، عوارض کیا کیا ہیں نوع کا فلسفہ پیش کرنے والوں کا ویسے بھی علم کا کمرہ خالی رہا ہے اس لئے تو نوع کا نظریہ دیا جو اتنا کمزور ہے کہ علم کے ایک جھونکے سے بیت العنکبوت کی طرح تہہ و بالا ہو جاتا ہے۔

نوع کا فلسفہ پیش کرنے والوں نے اپنے نظریے کو جھنجھوڑ کر دیکھا ہی نہیں ورنہ اس میں نہ جامعیت ہے نہ مانعیت اگر ہم اس فلسفہ نوع کو ایک لمحے کے لئے درست فرض بھی کرلیں تو یہ نظریہ انسان تک تو کچھ نہ کچھ بکواس کرتا ہے مگر انسان سے آگے تو اس طرح خاموش ہے جیسے اسے سانپ سونگھ گیا ہو۔

خود دیکھئے انسان کو حیوان سے ممیّز کرنے کے لئے تو منطق نے حیوان کو جنس بنا کر انسان کی نوع قائم کر لی ہے مگر انسان کس جانور کی جنس ہے ذرا اس نوع کا نام بھی تو بتائیں کیا انسان نوع الانواع ہے؟ کیا اس سے اعلیٰ کوئی نوع نہیں؟ کیا انسان ہی اعلیٰ و اشرف ہے؟ انسان کی فضیلت کا بھانڈا ابھی ہم پھوڑیں گے مگر پہلے منطق کے غبارے کی ہوا نکال لیں ابن سینا نے تو بڑی دور کی بات کی ہے یعنی ان کی مثال ایسی ہے کہ اندھے کو اندھیرے میں بہت دور کی سوجھی انہوں نے اس طرح انواع کا ذکر کیا ہے

1 ...... جمادات

2 ......نباتات

3 ......حیوان

4 ......انسان

5 ......انبیاء

6......ملکوت

7......اللہ جل اللہ جلالہ

یعنی سب سے اعلیٰ نوع ''نوع الٰہی'' ہے (نعوذ باللہ)

اگر اللہ بھی نوع کی حدود میں آتا ہے تو اس کی جنس بھی ہوگی پھر فصل ممیّز بھی ہوگی جنسی خاصے وغیرہ وغیرہ ہوں گے پھر اس فلسفے کی رو سے اللہ کی جنس ملکوت ہوں گے اور نوع اللہ ہوگی پھر ہر نوع اپنی جنس سے اعلیٰ ہوتی ہے تو ملکوت انبیاءؑ سے اعلیٰ ثابت ہوں گے اور انسان اشرف المخلوقات نہ رہے گا، یہ ہے منطق کی انسان سے آگے زبوں حالی اور غربت کہ منطق بیچاری مسلسل بے تکیاں ہانک رہی ہے۔

کچھ صاحبان منطق مرحومہ نے کچھ اور طرح کی باتیں کی ہیں یعنی نفوس مجرہ اور جواہر مفارقہ وغیرہ پہ ہوائی قلعے تعمیر کیئے ہیں اور کہا ہے کہ ان کے لئے کسی جنس و نوع کا تعیین کرنا ضروری نہیں ہے۔

اب پھر سوال پیدا ہوتے چلے جائیں گے کہ

1......منطق تو انواع عالم کی پہچان کے لئے آئی تھی اور اس نے تو ہر چیز کی نوع متعین کرنے کا بیڑا اٹھایا تھا یہ یہاں راہ فرار کیوں اختیار کر رہی ہے؟

2......کیا ملکوت و ارواح و نفوس کی کوئی نوع جنس فصل نہیں ہے؟

جب ان چیزوں کی نوع کا معلوم نہ ہونا انسان کو جاہل ثابت نہیں کرتا اور نہ ہی عقائد میں خلل واقع ہوتا ہے تو صرف پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی نوع کا معلوم نہ ہونا عقائد میں کیسے خلل ڈال سکتا ہے؟ یہ منطق تو صرف روح انسانی کی نوع متعین نہیں کر سکی اسے کیا حق حاصل ہے کہ وہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی نوع متین

کرے جو روح عالمین ہیں وہ روح جو خود انسان کا ایک رکن ہے اس کے بارے میں منطق کوئی بک بک نہیں کرتی اور نہ ہی اس نظام عالم میں خلل پڑتا ہے تو پھر روح عالمین کی نوع کے نا معلوم ہونے سے نظام عالم کیوں بگڑنے لگتا ہے؟

جب کائنات میں ہزاروں چیزیں اپنی نوع کی تشخیص کے بغیر موجود ہیں تو پھر انسان سے آگے یہ سلسلہ کیوں نہیں چل سکتا؟ روح انسانی میں زندگی اور موت کا انحصار ہے اگر اس کی نوع، جنس، فصل، خاصے، صنف معلوم نہ ہوں تو انسان پر کوئی فرق نہیں پڑتا اس کے فیض وافادیت میں کوئی کمی نہیں آتی تو پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی نوع کے معلوم نہ ہونے سے ان کے فیوض وبرکات وافادیت میں کیوں نقص پڑنے لگتا ہے ایک صاحب علم ان حقائق سے انکار نہیں کر سکتا ہ یہ منطقی بکواس کسی علم کی حامل نہیں ہے اور لفظ ''نوع'' ایک لغو اور بے ہودہ سا لفظ ہے جس کی اسلامی، قرآنی، علمی، اخلاقی وجدانی اور شعوری کوئی حیثیت ہے ہی نہیں۔

یہ مہمل پوچ ولغو مباحث کے سوا کچھ بھی نہیں ہے فلسفی کے بارے میں فلاسفہ کا قول ہے کہ فلسفی وہ ہوتا ہے جو ایک اندھا ہے اور ایک تاریک کمرے میں اندھیری رات میں ایک ایسی سیاہ رنگ کی بلی کو مسلسل گھورتا رہتا ہے جو اس کمرے میں کبھی بھی موجود تھی ہی نہیں کیا ایسی بلی جو وہاں موجود ہی نہیں کسی اندھے کو اندھیرے میں گھورنے سے مل سکتی ہے؟

مفروضہ جات پہ کلیات ونظریات ومسلمات کی عمارت تعمیر کر کے وہم وظن وتخمین و خیال وقیاس کی سیڑھیاں لگا کر انسان کو آسمان پر چڑھانے کی بے سود کوشش ہو رہی ہے اب جبکہ لفظ نوع ہی بے وجود و بے حقیقت ہے تو خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام

کی نوع پہ بحث کرنا سراسر زیادتی نہیں تو کیا ہے ہمیں تو اس پر عقیدہ رکھنا لازم ہے کہ وہ ذوات انواع واقسام سے ارفع واعلیٰ ذوات ہیں۔

اہل زبان عرب نے کبھی بھی لفظ نوع کو اصطلاحی نوع کے طور پر استعمال ہی نہیں کیا بلکہ یہ لفظ اقسام کے متبادل کے طور پر استعمال ہوتا تھا جو احادیث میں بھی ہوا ہے مثلاً عرصہ محشر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی آمد کی منظر کشی میں ان کے محمل کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔

☆فيه اربعون نوعاً من انواع النور یعنی انواع نور میں سے چالیس انواع کا نور اس میں ہوگا ،اب یہ کون بتائے کہ ہمارے فضلاء کرام تو نور کی نوع ہی نہیں مانتے اور اگر مانتے ہیں تو ایک ہی نوع مانتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ سارے فساد کے خاتمے کا ایک ہی علاج ہے وہ یہ کہ ہم مل کر دعا کریں کہ جملہ مسائل کے واحد حل یعنی شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف جلدی تشریف لائیں اور انسانیت کو ان الجھنوں سے نجات عطا فرمائیں اور ابلیس و آل ابلیس کا خاتمہ کر کے اپنی قدرت ذات کے سربستہ رازوں کو منکشف فرمائیں۔

آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف
وَصَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ اَجمَعِين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 4

نطق و ناطقہ

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے ہمنشینان محمل عرفان!

میں نے سوچا ہے کہ وحدت نوع کی بحث میں جتنے الفاظ آتے ہیں ان سب پر روشنی ڈالوں گا کیونکہ انسان کو منطق میں حیوان ناطق کہا گیا ہے اس لئے نطق پر کچھ نہ کچھ لکھنا بھی ضروری ہے۔

پہلے مناسب رہے گا بشر کی بشریت پہ کچھ نہ کچھ روشنی ڈالوں ویسے تو بشر کو بشر کہنے کے وجوہات پر بہت سے علماء نے بحثیں لکھی ہیں مگر مجھے امام راغب اصفہانی کی رائے قدرے حقائق سے قریب لگی ہے وہ مفردات نمبر 46 میں لکھتے ہیں

☆وعبر عن الانسان بالبشر اعتبارا بظهور جلده من الشعر

انسان کو اس اعتبار سے بشر کہا جاتا ہے کہ اس کی جلد بالوں سے ظاہر ہے لیکن ہر اس جاندار کو بشر نہیں کہا جاسکتا کہ جس کی جلد بالوں سے ظاہر ہوا اور بشر کے عمومی معنی ابن آدم کے ہیں۔

اس کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ انسان کی بشریت اعتباری ہے حقیقی نہیں ہے اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انبیاء علیھم السلام بادی البشرہ تھے؟ یا نہیں تو اس پر گفتگو کرنا ہی

بے سود ہے اور نہ ہی کسی کو اس بارے میں اختلاف ہے اصل وجہ نزاع ان کا حیوان ناطق ہونا ہے۔

اس فلسفہ نوع پہ زور دینے والے سیدھی بات نہیں کرتے یعنی یہ تو نہیں کہتے کہ انبیاء علیہم السلام حیوان ناطق ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں انسان حیوان ناطق ہے اور انبیاءعلیہم السلام انسان کی نوع سے تعلق رکھتے ہیں یوں دیکھئے وہ کہتے ہیں انبیاءعلیہم السلام بشر ہیں ہم کہتے ہیں ہاں ظاہراً بشر ہیں، وہ کہتے ہیں انسان بشر ہے ہم کہتے ہیں ہاں لغت نے یہی لکھا ہے، پھر وہ کہتے ہیں بشر حیوان ناطق ہے تو ہم اس منطقی نتیجے پہ لڑ رہے ہیں۔ دیکھئے

الف ......انسان حیوان ناطق ہے

ب ......انبیاءعلیہم السلام انسان ہیں

نتیجہ انبیاءعلیہم السلام حیوان ناطق ہیں (نعوذ باللہ)

یہ کلیات جن سے انبیاء کو دائرہ حیوان میں لایا جا رہا ہے یہ کلیات ہی غلط و مضل و ناقص ہوں تو نتیجہ کیسے درست ثابت ہوسکتا ہے۔

ایک مولوی صاحب نے کہہ دیا کہ لفظ حیوان حی سے مشتق ہے اور حی کے معنی ہیں زندہ تو کیا انسان زندہ نہیں ہے اگر زندہ ہے تو پھر حیوان کہلوانے سے کیوں شرماتا ہے؟ میں نے عرض کی اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر زندہ حیوان ہے؟ تو انہوں نے کہا ''ہاں''

میں نے کہا ملکوت و ارواح کیا مردہ ہیں کہ انہیں حیوان نہیں کہا جاتا پھر وہ ذات جو ''انا حی لا یموت '' کا اعلان فرما رہی ہے کیا اللہ جل جلالہ نعوذ باللہ حیوان ہے؟

اس پر انہوں نے چپ سادھ لی حالانکہ معقولات کے مسلمات ہی ناقص و گمراہ کن ہیں ان سے کسی بہتر نتیجے کی توقع کرنا ہی فضول ہے۔

مثلاً علم معقول کا کہنا ہے کہ ''ااا''اور''ااا'' کا شمار ذاتیات میں ہوتا ہے نہ کہ عرضیات میں یعنی انواع عالم میں سے کوئی نوع جنس وفصل کے بغیر کتم عدم سے منصۂ شھود تک نہیں پہنچ سکتی یعنی جنس وفصل کے بغیر کسی نوع کا وجود میں آنا ہی محال ہے کیونکہ اس کی ماہیت وجود کی ایک جز جنس اور دوسری جز فصل ہے۔

پھر یہ بھی مسلمہ ہے کہ کوئی نوع جنس کی طرح کسی بھی وقت اپنی فصل سے جدا نہیں ہو سکتی دیکھئے

شرح مطالع صفحہ 59 اس میں ذاتی کے یہ معنی لکھے ہیں

☆ مایکون جز ماهیة الشی

یعنی جو کسی ماہیتہ شئے کی جز ہو پھر صفحہ 60 پر اس کے اقسام لکھے ہیں اور لکھتے ہیں کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔

☆ والذاتی اما جنس او فصل یعنی جنس اور فصل پھر صفحہ 42 پر ذاتی خواص شمار کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

☆والذاتی یمتنع دفعه عن الماهیاة اذا تصور مع الماهیته امتنع الحکم بسلبه عنها ویجب اثباته لها ای یمکن تصور ها الا مع تصوره موصوفة به یتقدمه علیها فی الوجود الذهنی والخارجی...... الخ شرح المطالع صفحه 42

یعنی کسی شئے کی ذات کا اس سے علیحدہ ہونا محال ہے یعنی جب کسی شئے کے ساتھ

ذاتی کا تصور کیا جائے تو وہ اثبات شئے کے لئے واجب ہو اور اس سے اس کی علیحدگی محال ہو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ذاتی کے بغیر کسی شئے کا تصور بھی محال ہے اور یہ ذاتی اس شئے پر وجود ذہنی اور خارجی میں مقدم ہوتا ہے اسی طرح کتاب نقد الآرء المنطقیہ ف 249 پر ہے کہ ذاتی کے چھ خصوصیات ہیں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ پہلی خصوصیات یہ ہے کہ۔

☆ عدم تحقق الشی بدونه اس کے بغیر شئے کا وجود ثابت نہ ہو تیسرے نمبر پر لکھتے ہیں اس کا ''ثبوت'' شئے کے لئے ''بین'' ہو یعنی محتاج دلیل نہ ہو اور شئے سے اس کا جدا ہونا محال ہو۔

اسی طرح دیگر علماء منطق و معقولات نے لکھا ہے میرا ان حوالہ جات کا واحد مقصد یہ ظاہر کرنا تھا کہ جنس کے ساتھ فصل کو کتنی اہمیت حاصل ہے کہ فصل کے بغیر جنس کا وجود ہی باقی نہیں رہ سکتا، نوع بن نہیں سکتی یعنی فصل ممیّز وہ ذاتی ہے کہ جس کے بغیر جنس سے نوع کا وجود میں آنا ہی محال و ناممکن ہے یعنی اگر جنس و فصل نہ ہوں نوع گویا ہے ہی نہیں ایک سائنسی طریقے سے سمجھیں۔

پانی بنانا ہو تو ہائیڈروجن کے دو اور آکسیجن کا ایک ایٹم ملا کر مالیکیول بنانا ضروری ہوگا اگر ان میں سے ذرا بھر ایک کم ہوا تو پانی پانی نہ بن سکے گا اور نہ رہے گا۔

ہائیڈروجن کا صرف ایک ایٹم علیحدہ کردیں پانی فنا ہو جائیگا اسی طرح فصل و جنس میں سے ایک کے نہ ہونے سے نوع فنا ہو جائے گی۔

میرے قارئین! آپ نے غور کیا کہ علم معقول نے فصل پر کتنا زور دیا ہے حتیٰ کہ فصل

کے بغیر نوع کے وجود کو محال قرار دے دیا ہے پھر جب علم معقول انسان کی فصل بتانے لگا تو کہا کہ انسان کی جنس حیوان ہے فصل نطق ہے اور ''نوع'' انسان ہے اور انسان کی فصل نطق قرار دی گئی ہے۔

اب ذرا علماء معقول سے کہیں کہ وہ اس کا کوئی معقول جواب دیں کہ انسان کی انسانیت و بشریت میں نطق کو کیا اہمیت حاصل ہے؟

کیا نطق کے بغیر انسان فنا ہو جاتا ہے؟

کیا نطق کے بغیر انسان کا تصور محال ہے؟

کیا جو لوگ ناطقے سے محروم ہوتے ہیں ان کی انسانیت فناہ ہو جاتی ہے، کیا انسان کو انسان گویائی بناتی ہے؟

کیا انسان کی تمیز، پہچان، تعارف اور باعث وجود یہی ناطقہ ہے؟

اب پوری انسانیت کے مشاہدے کے بعد کوئی انسان ثابت کر سکتا ہے کہ ذاتی کے جو خصوصیات بتائے گئے ہیں وہ نطق میں موجود و عدم کا انحصار اس پر نہیں ہے تو یہ ذاتی اور فصل کیسے بن گیا ہے؟

حقیقت تو یہ ہے کہ ناطقہ تو محض ایک حس ہے جو حواس خمسہ میں سے ایک ہے اگر پوری کی پوری پانچ حسوں سے بھی انسان محروم ہو جائے تو اس کی نوع میں فرق نہیں آ سکتا تو اس بیچارے ناطقے کی کیا حیثیت ہے؟ آؤ ذرا اس ناطقے کی بیچارگی اور بے بسی کا منظر دیکھتے چلیں۔

خالق کائنات نے حواس خمسہ میں سے بعض حسوں کو بعض حسوں پر فوقیت دی ہے اور فضیلت کے درجات میں ناطقے کا چوتھا نمبر ہے اس لئے خالق نے جہاں ان حواس

کے عطا کرنے کا احسان جتلایا ہے وہاں فرمایا ہے۔

☆وجعلنٰہ سمیعاً بصیراً یعنی سماعت اور بصارت کا احسان جتلایا ہے

خالق نے اس نطق کو بھی غیر اہم سمجھ کر ذکر نہیں کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ نطق بیچارہ ایک طفیلی حس کا درجہ رکھتا ہے باقی جملہ حواس ایک دوسرے کے محتاج نہیں ہیں مگر ناطقہ سماعت کا محتاج ہے۔

جو شخص سماعت سے محروم ہوگا نطق سے بھی محروم ہوگا ناطقہ خود اتنا بے وقار ہے کہ جسے خالق نے بھی اہمیت نہیں بخشی مگر ''کیا کہنے منطق کے'' کہ اسی پر نوع کے وجود و عدم کا دارومدار رکھ دیا ہے۔

ناطقہ ایک حس ادنیٰ ہے اور سماعت کے ماتحت ہے پھر ناطقے میں افادیت کا فقدان ہے یہ سماعت کے ساتھ معاشرے کا بھی مرہون کرم ہوتا ہے۔

یعنی معاشرہ جو بولے گا سماعت سنے گی ناطقہ تشکیل پائے گا بصورت دیگر نطق صاحب عدم سے وجود میں آ ہی نہیں سکتے۔

شہنشاہ جلال الدین اکبر نے ایک تجربہ کیا تھا کہ دیکھنا چاہیے انسان فطرتاً کون سی زبان بولتا ہے اس تجربے کے لئے اس نے ایک محل بنوایا جس کا نام ''گنگ محل'' رکھا گیا وہاں ایک شیر خوار بچے کو رکھا گیا اور خدام کو حکم دیا کہ اس بچے تک کوئی آواز نہ جانے پائے خاموشی سے اس بچے کو بڑا کیا گیا جب وہ باشعور لڑکا بن گیا تو بادشاہ نے اسے بلوا کر اس سے گفتگو کی پتہ چلا کہ وہ کوئی ایک لفظ بھی نہیں بول سکتا۔

یہ ہے اس ناطقے کی بے چارگی کہ اگر سماعت بھی ہو تو تب بھی معاشرے کے رحم و کرم پر ہوتا ہے۔

ایک مغربی لطیفہ ہے کہ جرمنی کے دو ڈاکٹر میاں بیوی تھے انہوں نے ویت نام کے لاوارث بچوں میں سے ایک بچے کو گود لیا جو نوزائیدہ تھا جب اس جوڑے نے بچے کو حاصل کیا تو فوراً ویت نام کی زبان سکھانا شروع کر دی تاکہ جب بچہ بڑا ہوگا تو لازماً ویت نامی زبان بولے گا لوگ اس لطیفے پر اس لئے ہنستے ہیں کہ انسان کی ذاتی کوئی زبان سمجھ لینا احمقانہ فعل ہے حالانکہ ناطقہ آفاقیت کی خصوصیت سے محروم ہے۔

انسان فطرتاً تساہل پسند ہے یہ کائنات پہ جب بحث کرتا ہے تو افراد کے بجائے جماعتوں (کلاسز) پر بحث کرتا ہے پھر اس کلاس بندی کا عمل اتنا غیر مربوط ہوتا ہے کہ الف کو غین کے برابر درجہ ملتا ہے چاہے الف کا عدد ایک ہو اور غین کا ایک ہزار ہو۔

حالانکہ فرد بھی ایک کائنات ہے اور کائنات ایک فرد ہے اور سب سے بڑی حماقت یہ ہے کہ اس کی استعداد یا معطیات وحسیات کو بنیاد بنا کر اسے کائنات سے علیحدہ کر دیا جائے۔ اور یہ تصور بھی دیا جائے کہ انسانیت جو حیض کا خون پی کر پیدا ہونے والی مخلوق ہے بزعم خویش اللہ کی سب سے اعلیٰ مخلوق ہے اور کیونکہ اس سے اعلیٰ کوئی اور مخلوق نہیں ہے اس لئے اعلیٰ ذوات وانوار کا بشر ہونا ضروری ہے۔

ایک مینڈکی نے اپنی ماں سے پوچھا کہ اماں جان ''حورالعین'' کیا ہوتی ہے؟ اس نے جواب دیا بیٹی لوگ کہتے تو ہمارے بارے میں ہیں بہتر خدا جانتا ہے۔

اس احمقانہ سوچ نے دور جاہلیت میں خدا کو اپنے جیسا بنایا اور اس کی مورتیں اور مجسمے انسانی شکل پر بنائے گئے اور ان کی پوجا کی گئی اسلام نے وہ بت توڑے تو انسان نے خدا کا جامہ چھوڑا اور پھر اس کے انوار خالص کو پکڑ لیا کہ یہ تو ہم جیسے ہیں

اور ناطقہ جو عرض فارق سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اسی کو بنیاد بنا کر ساری منطق جھاڑ دی ہے حالانکہ ناطقے میں ذاتی کی ایک بھی خصوصیت نہیں ہے مثلاً غور کر کے بتائیں کیا ناطقے کے بغیر انسان کا وجود فنا ہوسکتا ہے؟

کیا ناطقے کے بغیر انسان پیدا نہیں ہوسکتا؟

کیا ناطقے کے بغیر انسان ایک پل زندہ نہیں رہ سکتا؟

کیا اکتسابی چیزیں ذاتیات میں داخل ہوسکتی ہیں؟

کیا اکتسابی چیزوں پر انحصار ذاتی وجود ہوسکتا ہے؟

دوستو انسان کے وجود وعدم میں حیات وموت میں، فنا و بقا میں کسی بھی چیز کو دخل نہیں ہوتا، ناطقے کی حیثیت تو روٹی اور پانی سے بھی گئی گزری ہوئی ہے کہ انسان پانی کے بغیر تو تھوڑے دن جی سکتا ہے مگر ناطقے کے بغیر پوری زندگی گزار سکتا ہے چاہے وہ لاکھ سال کی ہو۔

جو علم ایسے کلیات ومسلمات ونظریات وضع کر کے اپنی علمی دھاک بٹھائے اور موٹی اور کثیف زبان میں عوام کو بیوقوف بنائے وہ علم معقول ہے یا جہل غیر معقول؟

تقریباً ہر انسان کا نطق عرضیات میں سے ہے اور وہ بھی عرض فارق کی حیثیت رکھتا ہے یعنی بچپن کے چند سال انسان اس سے محروم ہوتا ہے پھر سیکھ گیا اچانک ''ٹائی فائیڈ'' کا اٹیک ہوا تو ناطقہ جاتا رہا یہ عرض نہیں تو کیا ہے اس لئے ناطقے کو ذاتیات میں داخل سمجھنا خلاف عقل ہے۔

مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ علم معقول کے ماہرین اور علماء علم معقول نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر لی ہے۔ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے انسان کی فصل کی تلاش میں اپنی

ناکامی کو چھپانے کی کوشش کی ہے جو ذاتی کے شرائط خود وضع کیئے ان پر انسان کی کوئی حس پوری اترتی نظر نہ آئی تو مجبور ہو کر نطق سے لپٹ گیئے اور بھونڈے دلائل سے اسی کو ثابت کر دیا۔

سچ کہتے ہیں کھسیانی بلی کھمبا نوچے

انہیں ضررت تھی کہ انسان کو حیوان سے کسی نہ کسی طرح سے علیحدہ کیا جائے اور جو بھی صورت ہو انسان کو حیون سے اعلیٰ بناؤ چاہے وہ خود ہی حیوانات کے دشت میں فنا کیوں نہ ہو جائے۔

منطق نے تو مہربانی کر دی اور انسان کو حیوان سے جدا کر دیا مگر بھلا ہو ڈاکٹر چارلس ڈارون کا اس نے Avolution (ارتقاء) کا نظریہ پیش کر کے انسان کو پھر حیوان کی اولاد ثابت کر دیا اس طرح

پہنچی وہاں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا

حالانکہ ارسطو نے جب انسان کو نطق کے حوالے سے حیوان سے ممیّز کیا تھا تو اس وقت اس کے ہاتھ میں مشعل وحی والہام نہ تھی اس نے تو صرف انسان کی پہچان بتائی تھی نہ کہ ذات کی پہچان اور اس کا ثبوت اس نے اس طرح دیا ہے کہ خود حیوانات میں اس نے اس پہچان کو باقی رکھا ہے۔

کسی غیر کا انسان تک پہنچنے والا عام ذریعہ صوت (آواز) تھا اس لئے اس نے جانوروں کی آوازوں کو تشخیص کا ذریعہ قرار دیا ہے مثلاً

گھوڑا حیوان الصاہل ہے یعنی ہنہنانے والا جانور ہے، گدھا حیوان ناعق ہے یعنی ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے والا جانور ہے اسی طرح ہر جانور کی آواز کو پہچان کا ذریعہ

بنایا مگراس کا یہ ذریعہ کتنا کمزور تھا کہ جس کی بنیاد پر وہ ہر شئے کو تشخیص کر رہا تھا اسے خود دیکھیں۔

حشرات الارض کی آواز کیونکہ سماعت میں نہیں آتی اس لئے ان کی تشخیص وجودی کر دی اوران جانداروں کی تشخیص کا ذریعہ نطق کے بجائے اس نے اپنی بصارت کو بنایا اسی طرح آبی مخلوق کے بارے میں اس کا پیمانہ اور ہے یعنی وہ جانداروں کو تول رہا تھا اور پیمانے جدا جدا تھے کیونکہ اس کے پاس کوئی آفاقی پیمانہ تشخیص نہ تھا کہ جو ہر جاندار کا درست اور کلی طور پر وزن کر سکے اس پیمانے کی کمزوری خود اہل عقل دیکھ سکتے ہیں گدھا چلتا ہے، گھوڑا ہنہناتا ہے، انسان بولتا ہے۔

حلانکہ یہ تینوں چیزیں بولنے ہی کے دائرے میں آجاتی ہے

گدھا بولتا ہے مگر لہجہ اور ہے، گھوڑا بولتا ہے لہجہ اور ہے، انسان بولتا ہے لہجہ اور ہے پھر انسانوں میں دیکھیں عربی زبان کی مشابہت اونٹ کے بولنے سے ہے، انگلش کی کتے سے مشابہت ہے، چینی زبان کی پرندوں جیسی زبان ہے اگر لہجوں سے نوع بدلتی ہے تو پھر عربوں، انگریزوں، چینیوں کی نوع بھی ایک نہ رہے گی۔

جن جانوروں کی ہم کلاسیفکیشن کرتے ہیں ان کا تعلق پھر بھی آفاقی ہے مگر اشرف المخلوتات جس کا ناطقہ ذاتی ہے اس میں اتنی آفاقیت بھی نہیں ہے جتنی گدھے کے ڈھینچوں ڈھینچوں کرنے میں ہے۔

امریکہ، برطانیہ، چین اور روس دنیا کے ہر ملک کا گدھا تو ایک ہی زبان بولتا ہے مگر حضرت انسان ہر سولہ میل پہ اور زبان بولتا ہے، پاکستانی گدھا چینی گدھے کی زبان سمجھتا ہے مگر پاکستانی چین کے آدمی کی زبان نہیں سمجھ سکتا یہ ہے اس انسان کے نطق کی

آفادیت کہ جس سے گدھے کا بولنا زیادہ آفاقی ہے۔

اب ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ ناطقہ ہے کیا؟

ناطقہ؟

ناطقہ استعدادات ذات میں سے ایک کا نام ہے یعنی نفس انسان کے اندر جو بیسیوں ملکات موجود ہیں ان میں سے ہر ملکہ کا اظہار کسی نہ کسی طرح بدن سے ہوتا ہے یعنی بصارت کا آنکھوں سے اظہار ہوتا ہے، سماعت کا کانوں سے، نطق کا زبان سے اظہار ہوتا ہے نطق اور ناطقہ ایک ملکہ کا نام ہے جس کے اظہار کا واحد ذریعہ زبان ہے اور نفس کے خزانہ ملکات میں یہ سب ملکات جمع ہوتے ہیں۔

ان علماء معقول نے اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے نفس مطلق کو نفس ناطقہ بھی قرار دیا ہے اور پھر معقولات کے اس پہ بڑے بڑے طومار باندھے گئے ہیں مگر نفس مطلق کو نفس ناطقہ کا نام دینے والوں نے تھوڑی سی جلد بازی کر لی ہے۔

کیونکہ کلام الٰہی میں نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ملہمہ اور نفس مطمئنہ کا ذکر تو موجود ہے مگر وہ لفظ جسے علماء معقول نے بہت اہمیت دے رکھی ہے اس کی بدنصیبی دیکھئے کہ پورے کلام الٰہی میں کہیں بھی نفس ناطقہ نام کے کسی ''جانور'' کا ذکر نہیں ہے۔

اللہ جل جلالہ نے انسان کی شرافت اور اشرفیت کے بہت سے دلائل دیئے ہیں یعنی انسان کو حیوان سے اشرف ثابت کرنے کے لئے کچھ نہ کچھ فرمایا ہے مگر نفس ناطقہ نام کی کسی چیز کا تذکرہ ثبوت اشرفیت میں نہیں کیا بلکہ کسی بھی طرح اس کا ذکر فرمایا ہی نہیں ہے، ان حقائق سے ثابت ہوتا ہے کہ ناطقہ انسان کی فصل ممیّز بننے کی قابل ہی

نہیں فصل کی تعریف یہی ہے کہ وہ ذاتی ہو اور ذاتی کے بغیر تصور نوع یا شئے محال ہو بطخ کا بچہ انڈے سے نکلتے ہی تیرنا شروع کر دیتا ہے مگر انسان کا بچہ اگر پیدا ہوتے ہی بولنا شروع کر دے تو یہ معجزہ مانا جائے گا یا شیطان کا بچہ یا بھوت۔

انسان کا گہوارے میں بولنا مجاز و خوارق میں شامل ہے جیسے ''خلیجا'' جس نے جناب یوسف کی پاکدامنی وعفت کی گواہی دی تھی اور اس کی گواہی تسلیم بھی اس لئے ہوئی تھی کہ یہ انسان کے عام بچے کے بس کا روگ نہیں ہے کہ گہوارے میں بولے۔

جب انسانی بچوں کا بچپن میں بولنا ناممکنات میں سے ہے تو پھر یہ ناطقہ کیسے ذاتی میں شامل کرلیا گیا ہے۔

ہاں جن ذوات کا ناطقہ ماتحت وحی ہے تو ان کا ذاتی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ نطق نہیں ہوتا لازمہ وحی ہوتا ہے اور وحی کا تقاضہ ہے کہ گہوارے میں کہہ دیں کہ میں اللہ کا عبد ہوں اور میرے پاس کتاب الٰہی ہے یا دنیا میں ظہور اجلال کے ساتھ ہی صحف انبیاء علیہم السلام معہ قرآن مقدس سنا دیں۔

یہ سب لازمہ وحی ہے نہ کہ لازمہ نفس ناطقہ ہے عام بچہ ماں باپ کی زبان سیکھتے سیکھتے سیکھتا ہے حالانکہ شامہ، لامسہ، باصرہ، سامعہ تو پیدا ہوتے ہی کام شروع کر دیتے ہیں اور جس پر اساس نوع رکھ دی گئی ہے وہ بہت دیر بعد عمل شروع کرتا ہے اور کئی سال اصلاح کلام میں لگ جاتے ہیں۔

نوع کی اساس ذات کتنی کمزور ہے خود دیکھ لیں ناطقہ تو مرہون تربیت اور ممنون اکتساب ہے یہ کیسے ذاتی کے شرائط پورے کرسکتا ہے؟

رویت و بصارت، سماعت وغیرہ تو آفاقی ہیں مگر یہ ناطقہ تو اتنا غیر آفاقی ہے کہ ہر

سولہ میل پہ روپ بدلتا جاتا ہے اور اس کی آفاقیت کا ثبوت وہ ہزاروں زبانیں ہیں جو پوری دنیا میں بولی جاتی ہیں یہ زبانیں نہیں شیشہ نطق کی بکھری ہوئی کرچیاں ہیں اگر پھر بھی کوئی اسے ذاتی میں شامل کرنے پر بضد ہے تو اسے اتنا تو سوچنا چاہیے کہ اگر یہ ناطقہ ہزاروں کمزوریوں کے باوصف انسان کا ذاتی بن سکتا ہے تو جن کی ذات اعلیٰ صفات میں وحی داخل ہے ان کی وحی کو استعداد ذات سمجھ کر علیحدہ نوع کا تصور کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

کہنے والے وحدت نوع کی تائید میں جو دلائل پیش کرتے ہیں ان میں ایک آیت دیگر بھی ہے وہ کہتے ہیں وحی داخل ذات نہیں بلکہ خارجی شئے ہے کیونکہ نبی کا وجود وحی کے بغیر بھی متحقق ہے اس لئے وحی ذات کا حصہ نہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ نطق کے بغیر بھی انسان متحقق ہے پھر یہ کیسے داخل ذات ہو گیا ہے وحی کے خارج از ذات ہونے پر جس آیت سے استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ ہے

☆کذالك اوحینا الیك روحا من امرنا ماکنت تدری ماالکتٰب ولا الایمان (سورہ شوریٰ52)

ترجمہ......جیسا کہ ہم نے تمہاری طرف روح کو اپنے امر سے وحی فرمایا ہے جبکہ تم ادراک نہیں رکھتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟

اس آیت سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی جاتی ہے کہ وحی سے پہلے چاہے جتنا مختصر وقت ہی کیوں نہ تصور کر لیا جائے مگر ایک حالت ایسی ماننا لازم ہے کہ جب یہ پاک ذوات تو تھے مگر کتاب و ایمان کو نہیں جانتے تھے اس سے ثابت کرتے ہیں کہ وحی داخل ذاتیات نہیں ہے عرضیات سے ہے۔

اس آیت پہ مکمل بحث میں نے علم الغیب پرمبنی اپنی کتاب نہج المرفت فی اسماء القائمؑ جلد دوم بعنوان خزنۃ العلم میں کی ہے صرف تھوڑی سے وضاحت یہاں بھی کرونگا مگر سب سے پہلے مناسب رہے گا کہ ہم ان کے مفروضے کو درست مان کر بھی دیکھ لیتے ہیں۔

ان کے مفروضے کے مطابق وحی خارج از ذات ہے اور عرضیات سے ہے، عرضیات فصل نہیں بن سکتے، اس طرح ان کی نوع ہم جیسی قرار پائے گی۔

بات تو معقول ہے مگر اس سے یہی مانا جاسکتا کہ ایک وقت ان پر ایسا رہا ہے جب یہ تھے مگر وحی نہ تھی اس کا جواب یہ ہے کہ اگر یہ چند دن عالم انوار و ارواح میں مان لئے جائیں یا دنیا میں ظہور پذیر ہونے کے بعد جہاں بھی مان لئے جائیں وہ لمحات جتنے طویل کیوں نہ تصور کر لئے جائیں، وہ لمحات اس وقت سے کم ہی ہونگے کہ جتنا عرصہ انسان خود ناطقے سے محروم رہتا ہے اگر ناطقے سے عقل مراد لی جائے یا کلام، دونوں سے انسان ایک طویل عرصے تک محروم رہتا ہے اگر اس طویل محرومی کے باوجود انسان کا ناطقہ ذاتیات میں داخل ہوسکتا ہے تو ایک مختصر مدت کی وحی سے محرومی انہیں ذاتی طور پر وحی سے علیحدہ کیسے کرسکتی ہے؟

کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی وحی سے محرومی انسان کی ناطقے سے محرومی سے زیادہ تو نہیں ہے انسان اپنے مراحل تخلیق میں نطفہ، علقہ، مضغہ، جنین پھر ولادت اور ولادت کے چند سال بعد تک ناطقے سے محروم رہتے ہوئے حیوان ناطق ہی رہتا ہے تو کوئی نبی اگر چند دن وحی سے محروم ہو بھی جائے تو وحی اس کے ذاتیات ہی سے خارج کر دی جائے یہ دہرا معیار کیسا ہے؟

اگر ناطقے سے لاعلمی کے باوجود ناطقہ فصل بن سکتا ہے تو وحی کیسے فصل نہیں بن سکتی؟

پھر انسان کی ناطقہ سے محرومی تو مشاہداتی ہے ہر آدمی دیکھ رہا ہے لیکن ان ذوات کے وہ ایام لاعلمی (نعوذ باللہ) کس نے دیکھے ہیں اس مشاہدہ عظیم کے باوجود علماء معقول ڈٹے ہوئے ہیں کہ ناطقہ ذاتی ہے مگر انبیاء علیہم السلام کی وحی بغیر مشاہدے کی ذاتی سے خارج کردینا ذاتی دشمنی لگتی ہے یا پھر حماقت۔

وہ کہتے ہیں کہ روح وحی ودیعت الٰہی ہے ہم کہتے ہیں کہ اس سے کس نے انکار کیا ہے کہ ''روح وحی'' ودیعت الٰہی ہے اگر ''روح وحی'' ودیعت الٰہی ہے تو کیا ناطقہ ودیعت الٰہی نہیں ہے یہ انسان کی اپنی پیدا کردہ مخلوق ہے اس طرح تو انسان کی جنس ،فصل ،نوع ،نفس وغیرہ سب ودیعت الٰہی ہیں جو اللہ جل جلالہ نے عطا فرمائے ہیں پھر نفس کے استعدادات بھی ودیعت الٰہی ہیں اسی نے بخشے ہیں۔

اس نطق کو دیکھیں نطق بھی ایک استعداد کا نام ہے اسے ذاتی کیسے قرار دیا جارہا ہے اس آیت پر مزید بحث کتاب نہج المرفت فی اسماء القائمؑ جلد دوم بعنوان خزنۃ العلم میں دیکھیں۔

حقیقت یہ کہ انسان تین ارکان سے مرکب ہے بدن، نفس، روح ان تینوں میں ادنیٰ رکن بدن ہے جو وجود واستکمال دونوں کے لئے محتاج ہے اور استکمال کے لئے اغذیہ اور ورزش وغیرہ کا محتاج ہے نفس متوسط قسم کا رکن ہے۔

یہ وجود کے لئے تو محتاج نہیں ہے مگر استکمال کے لئے محتاج محض ہے یعنی تربیت اخلاق واعمال وتبلیغ وغیرہ سے یہ کمال کو پہنچتا ہے اور روح وہ رکن ہے جو وجود و استکمال دونوں میں محتاج غیر نہیں ہے اس پہ تفصیل سے بحث میری کتاب ''اسرار العبدیات'' میں دیکھیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ناطقہ کس رکن کی استعداد ہے یہ خود استعداد نفس ہے جو محتاج بدن ہے نہ کہ یہ استعداد روح ہے۔

اور بھی مسلمہ ہے کہ جہاں استعدادات بدن کی انتہا ہے وہیں سے استعدادات نفس کی ابتداء ہے اور جہاں استعدادات نفس کی انتہا ہے وہاں سے استعدادات روح کی ابتدا ہے اور استعدادات نفسانی ،استعدادات روحانی کو مس بھی نہیں کر سکتے۔

پہلی بات یہ ہے کہ استعداد نفس اگر ذاتی قرار دی جاسکتی ہے تو وحی جو استعداد روح ہے وہ کیونکہ ذاتی نہیں ہوسکتی جبکہ سورہ شوریٰ میں آیت سے ثابت ہے اللہ نے روح کو وحی فرمایا ہے اور یہاں وحی کے معنی ہیں رازدانہ طریقے پر کوئی چیز داخل کرنا یا ڈالنا یہاں آیت میں اللہ نے ادخال روح قدسی کا ذکر فرمایا ہے اگر وحی سے مراد اصطلاحی وحی ہے تو پھر علماء یہ بھی وضاحت کریں کہ یہ وحی تشریعی ہے یا فطری؟

حالانکہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ نفس کا کمال الہام ہے نہ کہ وحی ارشاد قدرت ہے۔

☆و نفس وما سواها فالهمها فجورها و تقوها...... (الشمس)

اور روح کا کمال وحی ہے اگر روح کو وحی تصور کر لیا جائے تو پھر یہ داخل ذاتیات ہے نہ کہ داخل عرضیات جیسا کہ ریاض السالکین میں سید علی خان ف 43 پر رقم طراز ہیں کہ۔

الوہی من خواص الرسالت یعنی وحی رسالت کا خاصہ ہے خاصے کی تعریف یہ ہے

☆و خاصة ، التی توجد فی الشی ء ولا توجد فی غیره

خاصہ وہ ہے جو صرف اسی شئے کے لئے مخصوص ہو اور اس کے غیر میں موجود نہ ہو اب

دیکھئے فرض کریں کہ وحی خاصہ ہے اور خاصہ عرضیات میں داخل ہے اور پاک ذوات بشر ہیں یہ بھی فیصلہ کرنا ہوگا کہ وحی خاصہ نوعی ہے یا جنسی اگر جنسی خاصہ ہے تو پھر حیوانات پر بھی وحی تشریعی کا امکان پیدا ہوگا جو امر محال ہے اگر خاصہ نوعی ہے تو ہر فاسق وفاجر انسان صاحب وہی ہونا چاہیے اگر یہ خاصہ رسالت ہی ہے تو ان ذوات کی نوع کیا ہوگی جنس کیا ہوگی کیا رسالت جنس ہے یا نوع یا فصل یا خود خاصہ؟

کیا خاصے بھی مرکب بالخواص ہوسکتے ہیں۔

حالانکہ نطق کو فصل قرار دینے والے بھی یہ جانتے ہیں کہ وحی کے بغیر نبی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا انسان کا تصور ناطقے کے بغیر بھی ہوسکتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ انسان تھا مگر نطق سے محروم تھا مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نبی تھا اور وحی سے محروم تھا نطق کے بغیر تو انسان متحقق ہوسکتا ہے مگر وحی کے بغیر نبی کا متحقق ہونا محال ہے اگر ناطقہ جزو ذات نہ ہوکر بھی فصل بن سکتا ہے تو وحی جزو ذات نہ بھی ہو تو پھر بھی فصل بننے کے کیوں قابل نہیں ہوسکتی۔

علماء منطق نے جس طرح انسان کے نطق کو فصل قرار دیا ہے اسی طرح حیوانات کے اصوات کو فصل قرار دیا ہے۔

☆الفرس حیوان الصاهل و الحمار حیوان الناعق وغیرہ وغیرہ

اگر اسی طرح فصلیں ایجاد ہوتی جائیں اور آواز کو علیحدہ نوع کا پیمانہ قرار دیا جائے تو پھر ہر حیوان کی ایک علیحدہ نوع ماننا پڑے گی مگر اس تقسیم انواع کے عمل میں ہمیں لغت کے الفاظ کی تعداد کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

اس وقت جو عربی کی لغت رائج ہے اس میں الفاظ کی تعداد ایک لاکھ ساٹھ ہزار کے

قریب ہے اور ماضی بعید کی قدیم اور متروک الفاظ پر مبنی جو لغت انگلینڈ میوزم کی زینت ہے اس کے کلی الفاظ کی تعداد سات لاکھ کے قریب ہے۔

ادھر عالم حیوانات پر نگاہ کریں گے تو معلوم ہوگا حیوانات کی اقسام لاکھوں سے زیادہ ہیں یعنی کروڑوں میں موجود ہیں تو اس طرح لغت کے جملہ الفاظ 'من' 'ما' 'نی' وغیرہ تک بھی الفاظ حیوانات پر تقسیم کر دیئے جائیں تو تب بھی الفاظ ناکافی بلکہ ایک بٹہ دس کا احاطہ بھی نہ کر سکیں گے اور یہاں فرمانروائے منطق کا اپنا ناطقہ بند نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟

پھر حیوانات کے بارے میں ہے کہ ان کی جنس ایک ہے مگر انداز گویائی سے نوع بدل جاتی ہے اب ہم یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ جب نطق ہی سے نوع بدلتی ہے تو جن ذوات کا نطق وحی کے ماتحت ہے ان کی نوع کیسے متاثر نہ ہوگی؟

ایک تو منطق کی اپنی ڈیڑھ انچ کی مسجد ہے ادھر لاکھوں نمازیوں کو دعوت بھی دے رہی ہے تو انجام کیا ہوگا؟

اب متذکرہ آیت کے آخری الفاظ کے بارے میں عرض کرتا چلوں کہ مـــا الکتـــب والایمان کے بارے میں جملہ علماء کرام حیران ہیں کہ کتاب کے بھی کئی سو موارد ہیں اور ایمان کے بھی مثلاً کتاب کے بارے میں ہے کہ وہ ان ذوات کی کتاب وجودی ہے جیسا کہ آیت میں ارشاد ہے۔

☆و انزلنا معھم الکتٰب والمیزان

یعنی رسولوں کی معیت میں ایک کتاب اور میزان نازل ہوتے ہیں جو ان کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور جو کتاب ان کی معیت میں نازل ہوتی ہے وہ ان کی کتاب

وجود ہے کیونکہ جو کتاب ان پر نازل ہوتی ہے وہ صامت ہوتی ہے اوران کے وجود قرآن ناطق ہوتے ہیں ممکن ہے کہ فرمایا گیا ہو کہ آپ ابھی عالم وجود سے نا آشنا تھے ۔

لفظ ''ادرک'' کے بارے میں ہے کہ ہمیشہ حیات مادی سے متعلق آتا ہے نہ کہ احاطہ علم کے لئے اس پہ بحث ''علم الغیب'' میں دیکھیں

اس کے بعد ہے لفظ ایمان تو اسکے بھی بیسیوں موارد ہیں صرف ایک آیت کا فقرہ دیکھ لیں۔

جناب لوط علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہے

☆فآمن له لوط

جناب لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے

اب فرمائیے لوط علیہ السلام نبی بھی تھے مگر ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے تو کیا اس ایمان سے وہی ایمان مراد ہے جو کافر کو مومن بناتا ہے، کیا لوط نبی تھے مومن نہ تھے؟ نعوذ باللہ

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ لفظی ہیرا پھیریوں سے کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ من کی سچی روحانیت ہی انسان کو اطمینان قلب عطا کرتی ہے الفاظ کے بادشاہ مغرب میں بہت زیادہ پیدا ہوئے ہیں مگر کوئی اپنا دین پھیلا نہیں سکا اسی طرح جس نہج پہ آج ہمارا دین جارہا ہے اس کا نتیجہ وہ ہے جو ہلاکت ہی ہلاکت ہے کیونکہ ہم دین کو روحانیت سے خالی کرتے چلے جارہے ہیں اس کی وجہ علمی تقاریر تو بہت ہو رہی ہیں مگر ان میں اثر نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔

ایک انگلش نظم کا ایک حصہ تھا جو مجھے بہت اچھا لگا تھا اس میں تھا کہ کہاں گیا ہے وہ میرا علم جو میں نے علم حاصل کر کے گنوا دیا ہے آج ہم بیان کیفیت پر تو علم کے دریا بہا رہے ہیں اور حصول کیفیت سے اک دم خالی ہوتے جا رہے ہیں ہم نے منطقی موشگافیوں میں تو دن رات ایک کر لئے ہیں مگر گریہ شب سے محروم ہو گئے ہیں اب علماء ہیں تو عمل سے خالی الاقلیل اور زبان ہے تو مسلسل زہر اگل رہی ہے، انسانیت کے مابین محبت کی بجائے نفرتیں انڈیل رہے ہیں اور باتیں ہیں تو عشق الٰہی سے خالی ہیں ایسی بات کسی کے پاس نہیں ہے کہ جو سامع کے من میں سوئی ہوئی روحانیت کو بیدار کر سکے کیونکہ تاثیر اور اثر انگیزی، شعلہ نوائی یا شوکت لفظی کا کھیل نہیں من کہ سچی روحانیت اور کیفیت نفسی کی گہرائی ہی اثر آفرینی بخشتی ہے اور ہمارے ہاں اب یہی مفقود ہوتی جا رہی ہے ہم تو دن رات دعا کرتے ہیں دستار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وارث حقیقی عجل اللہ فرجہ الشریف جلدی تشریف لائے اور انسانیت ان کے زیر سایہ روحانی معراج کی طرف گامزن ہو جائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمٌ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلٰی آلِهٖ اَجمَعِين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک

باب نمبر 5

تصور اشرف المخلوقات

قل انما انا بشر مثلکم

میرے ہمسفران منزل فکر!

میں اس سے قلیل نظریہ وحدت نوع کے مختلف پہلوؤں پہ روشنی ڈال چکا ہوں اب ایک اور سوال پہ تھوڑی سی بحث کرنا چاہتا ہوں قائلین وحدت نوع کہتے ہیں کہ انسان نوع حقیقی ہے نہ کہ اضافی نوع اور حقیقی نوع کسی دیگر نوع کی جنس نہیں بن سکتی ثابت ہوا کائنات کی اعلیٰ ترین نوع نوع بشر ہی ہے لٰہذہ ہر اعلیٰ ذات کا نوع بشر ہی سے تعلق ہوگا کیونکہ نوع بشر سے اعلیٰ اور بالا کوئی نوع ہے ہی نہیں۔

جواباً عرض کروں گا کہ منطق کی یہی سب سے بڑی خامی ہے کہ یہ انواع عالم کی تشخیص وتعین وتمیز میں بری طرح ناکام ہوئی ہے میاں ارسطو کی منطق اپنا سارا زور جمادات سے انسان تک صرف کر دیتی ہے اور موالید اربعہ تک بڑی شدومد سے بحث کرتی ہے اور اس انسان سے آگے بے تکیاں ہانکتی ہے انسان سے آگے ہر چیز کو بلافصل وجنس مانتی چلی جاتی ہے ملکوت کو نفوس مجردہ قرار دے کر گلوخلاصی کرواتی ہے اور ارواح کے بارے میں ہاتھ پاؤں تک نہیں مارتی اور اس طرح جواہر مفارقہ اعراض وغیرہ کی اصطلاحات میں ہرزہ سرائی کر کے دم توڑ دیتی ہے اور سارے

موضوع سے گھوم پھر کے انسان ہی پہ اپنی تانیں توڑتی ہے کہ یہی اشرف المخلوقات ہے، یہی نوع حقیقی ہے اور یہی اعلیٰ ترین نوع ہے اس حقیقت کو سمجھنے کی کوئی کوشش ہی نہیں کرتا کہ ہم جسے مکیال فکر اور میزان تفکر اور پیمانہ تشخیص حقائق سمجھتے ہیں یہی سو فی صد غلط ہے اور جب پیمانہ ہی غلط ہو تو نتائج کس طرح درست ہو سکتے ہیں۔

جو لوگ بزعم خویش سب سے اعلیٰ نوع بشر ہی کو سمجھتے ہوں وہ پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کو بشر ہی نہ سمجھیں گے تو کیا کریں گے کیونکہ ان کی فکر کی رسائی انسان سے آگے ہے ہی نہیں اور انواع ادنیٰ و متوسط میں تو وہ ان ذوات اقدس کو شامل کر نہیں سکتے اس لئے وہ اعلیٰ ذوات کو بشریت میں شامل سمجھیں گے اور یہ فضیلت بھی انہیں پرفٹ کرنے کی کوشش کرینگے۔

ایک دیہاتی زمین دار کا اراضی کا ایک کیس چیئرمین ریونیو بورڈ کے پاس تھا اس نے اس دیہاتی کے حق میں فیصلہ سنایا اور اس سے کہا کہ بڑے میاں مجھے دعا کرتے جائیں بڑے میاں نے دعا کی میرے بیٹے خدا تجھے ترقی دے اور تمہیں تھانیدار بنا دے اس نے کہا بابا یہ تو میں نہیں بن سکتا تو اس بوڑھے نے کہا چلو بیٹا اگر تم اتنے اونچے نہیں جا سکتے تو پھر یہ تمہارے والی نوکری تو کہیں نہیں جاتی۔

کیونکہ دیہاتی کی نظر میں سب سے بڑا عہدہ تھانیدار کا تھا اس لئے اسے تھانیدار بننے کی دعا کی اسی طرح جس احمق کی نظر میں سب سے اونچی نوع ہے ہی نوع بشر تو وہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کو اسی میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا تو کیا کرے گا؟

میں سمجھتا ہوں کہ ایسے صاحب فکر سے کسی کو گلہ نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر وہ اللہ جل

جلالہ کی نوع بھی بشر بتائے تو بجا ہوگا کیونکہ وہ تو بشر ہی کو اشرف و اعلیٰ سمجھتا ہے۔

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

حالانکہ انسان کا اشرف المخلوقات ہونا ہی غلط ہے یہ نظریہ ہی فاسد ہے مثلاً صاحبان منطق و معقول انسان کو نوع ملکوت سے بھی اعلیٰ سمجھتے ہیں، کہنے کو تو کہہ دیا جاتا ہے کہ نوع بشر نوع ملکوت سے اعلیٰ نوع ہے مگر کبھی اس پر غور نہیں کیا کہ کیا واقعی من حیث النوع بشر ملکوت سے اعلیٰ ہے بھی یا نہیں، ان لوگوں کا دعویٰ تو عمومی ہے کہ نوع بشر ملکوت سے اعلیٰ ہے مگر دعوے کی دلیل عمومیت سے خالی ہے اصول یہ ہے کہ دعویٰ عمومی ہو تو دلیل کو عمومی ہونا چاہیے مگر دلیل یہ دی جاتی ہے کہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام سے ملکوت کی نوع ادنیٰ ہے اور پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نوع بشر سے ہیں اس لئے بشر ملکوت سے افضل ہیں۔

اس دلیل سے پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کی فضیلت تو ثابت ہو جاتی ہے مگر یہ نوع بشر کا دم چھلا اس کے ساتھ کیسے لگا دیا گیا ہے دعویٰ عمومی ہے دلیل بھی عمومی ہونی چاہیے تھی مگر دلیل کی اس سے زیادہ کمزوری اور کیا ہو سکتی ہے کہ جن ذوات اعلیٰ کی بشریت ہی متنازعہ ہے انہیں بشریت میں جبراً داخل کر کے پھر ملکوت پہ رعب جھاڑا جا رہا ہے کہ نوع بشر تم سے اشرف ہے۔

اب انہیں حضرات سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا نوع بشر کا ہر فرد نوع ملکوت کے ہر فرد سے افضل و اعلیٰ ہے۔

کیا پورے افراد نوع من حیث النوع اس نوع ملکوت سے افضل ہیں اپنی نوع بشر کے پست سے پست تر فرد کا ملکوت سے موازنہ ہو سکتا ہے؟

یہ بات تو کوئی بڑے سے بڑا منطقی عالم بھی ثابت کرنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ ایک چوڑا چمار جناب جبریل علیہ السلام سے بحیثیت نوع افضل ہے (نعوذ باللہ)

استعداد گناہ

بعض حضرات نے ایک عجیب منطق جھاڑی ہے کہ ملکوت میں استعداد گناہ نہیں ہے وہ گناہ نہیں کرسکتے اور انسان میں استعداد گناہ موجود ہے اگر استعداد کے باوجود کوئی گناہ سے بچ جائے تو وہ ملکوت سے افضل ہے۔

اس دلیل کا پہلا نقص تو یہ ہے کہ نوع کو نوع کے مقابلے میں نہیں لایا گیا بلکہ نوع کے بعض افراد کا ذکر ہے۔

دوسرا نقص یہ ہے کہ ان بعض افراد کی فضیلت بھی مطلق نہیں مشروط ہے یعنی اگر گناہ سے بچ جائیں تب افضل ہیں اس کا مطلب ہے کہ انسان کے پاس اپنی نوع کے فضیلت کی کوئی تعبیری دلیل موجود نہیں ہے اسی لئے تظمن میں فضیلت ثابت کرر ہا ہے اور منطق کا اپنا اصول ہے جتنا تضمن بڑھے گا تعبیر گھٹے گی اور جتنی تعبیر بڑھے گی تضمن گھٹے گا سمجھنے کے لئے ایک ڈایاگرام دیکھیں۔

کل انسان ....تعبیر یعنی جماعت بڑھی تضمن گھٹ گیا

مسلمان ....

شیعہ....................

نیک.....................

عرفا.....................تضمن یعنی صفات بڑھے تعبیر گھٹ گئی

اسے یوں سمجھیں کہ کل انسان ایک لاکھ ہیں
آپ نے ایک شرط لگادی کہ انسان اور مسلمان یہ مسلمان کا تضمن کل میں سے ہزار بچائیگا۔
اب اور تضمن لگائیں انسان اور مسلمان اور شیعہ، یہ ہزار میں سے سو بچائیگا اب تضمن بڑھائیں انسان مسلمان شیعہ اور نیک تو یہ سو میں سے بیس نکلیں گے۔
اب اور تضمن بڑھائیں انسان مسلمان شیعہ نیک اور عارف کامل یہ صرف ایک ملے گا یعنی نوع انسان کلی طور پر ایک تعبیر ہے اب نوع میں تضمن پیدا کریں کہ نوع انسان کے جتنے مسلمان ہیں اب اسلام ضمن میں آیا ہے نوع کا ایک بڑا حصہ خارج ہو جائیگا اب تضمن اور بڑھائیں کہ مسلمانوں میں جتنے نیک اور تہجد گزار لوگ ہیں ان کا ذکر ہے تو اس تضمن سے افراد نوع میں کمی ہوئی اب تضمن اور بڑھائیں کہ نوع انسان میں سے جتنے مسلمان نیک ،تہجد گزار اور علماء ہونگے وہی ملکوت سے افضل ہونگے تو اس طرح نوع بشر کا لاکھواں حصہ آ کر ملکوت سے افضل ثابت ہوگا اگر معصوم ہونے کی شرط بھی لگادی جائے تو کوئی بھی عصمت کبریٰ کا دعویٰ نہ کر سکے گا۔
اس طرح معصوم عن الخطا ذوات ہی ملکوت سے افضل ہونگے اور اس طرح نوع بشر کا کھربواں حصہ آ کر ملکوت سے افضل ثابت ہوگا اس سے تعبیر کی اشرفیت پہ استدلال کیا کریں گے؟ اور اگر کریں گے تو تعبیر نوع کا تصور ہی ڈوب جائے گا اور دعوے کی عمومیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔
کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ آدم سے آج تک جتنے بھی نوع بشر کے افراد ہیں یعنی زندہ 1116 افراد اور مرنے والے 6 کھرب سے زیادہ افراد سبھی ملکوت سے افضل و

اشرف ہیں اور ثابت کیا تو یہ کہ صرف چودہ پاک افراد ہی افضل ہیں تو یہ خصوصیت چودہ افراد کی ہے نہ کہ 6 کھرب ابنائے آدم کی اور یہی اصول منطق ہے کہ دعویٰ عمومی ہوا اور دلیل خصوصی ہو تو دعویٰ باطل ہوتا ہے۔

اس دعوے کی سب سے قبیح صورت یہ ہے کہ فضل و شرافت کا معیار استعداد گناہ و عصیاں کو بنایا گیا ہے یعنی انسان صرف اس لئے ملکوت سے افضل ہے کہ اس میں گناہ کی صلاحیت ہے پھر حیوانات میں حلال و حرام رشتوں کے احترام کا تصور تک موجود نہیں ہے یوں حیوانات میں سے چند ایک اگر احترام کا شعور پیدا کرلیں تو وہ انسان سے بھی افضل ہونگے اور اس طرح نوع حیوانات کا انسان سے افضل ہونا ثابت ہو گا اور انسان ملکوت سے افضل پہلے ہی مانا جارہا ہے تو اس طرح حیوانات ملکوت سے افضل (نعوذ باللہ)

کیا یہ عقلمندی کسی کو قبول ہے؟

اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ انسان ملکوت سے اس لئے افضل و اشرف ہے کہ اس میں ماں بہنوں کے ساتھ زنا کرنے کی صلاحیت ہے مگر کرتا نہیں۔

اور ملکوت بے چارے اس صلاحیت ہی سے محروم ہیں لہٰذہ وہ گھٹیا مخلوق ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس میں صلاحیت گناہ نہ ہو وہ ادنیٰ ہے اور جس میں صلاحیت گناہ ہے وہی اشرف و اعلیٰ ہے تو اس کلیے کے تحت تو انسان اللہ جل جلالہ سے بھی افضل و اشرف ثابت ہوگا (نعوذ باللہ)

کیونکہ اس پہ پورا عالم اسلام متفق ہے کہ اللہ جل جلالہ میں گناہ کی صلاحیت نہیں ہے اور اس کلیے کی رو سے وہ لوگ جو انسانوں میں سے گناہ نہ کریں ان سے خاکم بدہن خدا

کم تر ثابت ہوگا اور آئیڈیل انسان تو بزعم خویش پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کو بنایا جاتا ہے لہٰذہ پاک خاندان اللہ سے افضل اور ان کی وجہ سے نوع انسان بھی اللہ سے افضل ہوگی (نعوذ باللہ) کیونکہ تاج شرافت وفضیلت تو استعداد گناہ سے مشروط ہے۔

کتنی بڑی حماقت ہے کہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی آڑ میں پوری نوع انسان کو ملکوت سے افضل ثابت کیا جارہا ہے جب کہ ان کا بشر ہونا ہی ثابت نہیں ہے اگر انسان ہی اعلیٰ ترین نوع ثابت ہو جائے تو ہم ضرور انہیں نوع بشر میں شامل سمجھنے پر غور کریں گے اور جب انسان کی اشرفیت ہی خوش فہمی سے زیادہ کوئی حیثیت نہ رکھتی ہوتو پھر علماء معقول کو بھی سوچنا چاہیے کہ خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کی توہین نہ کریں اللہ کے جلال سے ڈریں۔

ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ دنیا کا کوئی عالم نوع بشر کو بحیثیت نوع کے ملکوت کی نوع سے افضل و اشرف ثابت نہیں کرسکتا کیونکہ نوع بشر میں جہاں علماء و احبار و اخیار ہیں وہاں کفار، مشرکین، بدکار و چمار بھی ہیں، جہاں عادل و نیک وصابر داخل نوع بشر ہیں وہاں ننانوے فی صد کفار ومشرکین وملحدین بھی شامل ہیں جہاں بہتر شہداء کربلا علیھم الصلوات والسلام ہیں وہاں بہتر ہزار شمر زادے، یزید خوابلیس مزاج بھی نوع بشر میں شامل ہیں۔

ان حالات میں کوئی بھی یہ حماقت نہیں کرسکتا کہ ثابت کرنے کی جرات کرے کہ پوری نوع بشر ملکوت سے افضل و اشرف ہے ایک شخص سے لاکھ پہ استدلال کون کر سکتا ہے جیسے جناب جون علیہ السلام وحبیب ابن مظاہر علیہ السلام کی شہادت سے خولی

اور عمر ابن حجاج اور شمر ذوالجوشن جیسے ملاعین دعوئے نجات نہیں کر سکتے اسی طرح یہاں بھی دعویٰ غلط ہے۔

اس بحث سے اتنا تو ثابت ہو چکا ہے کہ ملکوت کی نوع جو ہے وہ بشر کی نوع سے کسی طرح بھی کم نہیں ہے۔

ایک اور دلیل جو عام طور پر پیش کی جاتی ہے وہ بھی دیکھتے چلیں کہنے والے کہتے ہیں کہ ملکوت نے حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ کیا ہوا ہے اس لئے ابنائے آدم ملکوت سے اشرف ہیں۔

پہلا جواب تو یہ ہے کہ ملکوت تو سجدہ جناب آدم کو کرلیں اور اشرف پوری نوع بشر ہو جائے وہ کیوں؟ جبکہ صورت حال یہ ہو کہ اس میں زیادہ اکثریت فاسقین وظالمین کی ہو اور جو مکمل طور پر جہنم کا ایندھن ہیں وہ بھی بغلیں بجائیں کہ ہم ملکوت سے نوعی طور پر افضل ہیں سبحان اللہ۔

پورا عالم اسلام کعبہ کو سجدہ کرتا ہے اور کعبہ پتھروں کا بنا ہوا ہے انسان کی اس سے بڑی بدنصیبی کیا ہوگی کہ وہ سجدہ کریں کعبے کو اور شیاطین جمارات ناچنا شروع کردیں ہم نوع انسان سے افضل ہیں کیونکہ وہ پتھروں کو سجدہ کررہا ہے خود سوچئے کیا یہ ان کا دعویٰ درست ہوگا؟

دوسری بات یہ ہے کہ اولاد آدم میں زیادہ تعداد اولاد ابلیس کی ہے کیونکہ سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہے کہ

☆شارکھم فی الاموال و اولاد وعدھم...... الخ

اس سے ثابت ہے کہ نوع انسان میں اولاد ابلیس بھی موجود ہے پھر سورۃ الناس میں

☆من الجنته والناس

کے الفاظ بتارہے ہیں کہ نوع بشر میں اولا د ابلیس بھی موجود ہے جو شیطان ہیں
ان حالات میں پوری نوع انسان کا نوع ملکوت سے افضل ثابت کرنا بھی خلاف
عقل ہے دیکھئے پورا عالم اسلام کعبے کو سجدہ کرتا ہے اور کعبہ پتھروں سے بنا ہوا ہے جو
جمادات سے تعلق رکھتے ہیں۔

اب دنیا کے سبھی پتھر بمعہ اصنام یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ بحیثیت نوع ہم نوع بشر سے
افضل و اشرف ہیں جب کہ علم معقول کے مسلمات سے ہے کہ مٹی اور پتھر جمادات
میں سے بھی ادنیٰ اور پست اقسام کے جمادات ہیں اور کعبہ مٹی اور پتھر کا بنا ہوا ہے
اور انسان بحیثیت نوع کے کعبے سے دو درجے بلند ہے یعنی جمادات سے اعلیٰ
نباتات ہیں پھر حیوانات ہیں پھر انسان کا نمبر آتا ہے جس طرح جمادات کا دعویٰ
باطل ہے کہ وہ انسان سے افضل ہیں اسی طرح انسان کا دعویٰ بھی باطل ہے کہ وہ
ملکوت سے افضل ہے۔

ایک اور بات یہ ہے کہ اللہ نے ملکوت کو انسان کو جھکنے اور سجدہ کرنے کا حکم دیا انسان
کو جمادات کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تو یہ تزکیہ نفس اور تکبر کو مٹانے کے لئے فرمایا گیا
ہے کہ اپنے سے پست کو سجدہ کرو تا کہ تکبر باقی نہ رہے اب اس لحاظ سے دیکھیں
انسان سے جتنے درجے جمادات پست ہیں ملکوت سے اتنے درجے خود انسان پست
ہے اور یہ سجدہ تکبر اور غرور مٹانے کے لئے تھا اس لئے ابلیس کے بارے میں ہے کہ

☆واستکبر و کان من الکافرین

کہ اس نے سجدہ نہ کر کے تکبر کیا

ایک یہ بات بھی ہے کہ ہم بھی کعبے کا نہیں حکم الٰہی کا سجدہ کرتے ہیں اور یہ بھی ہے کعبے کے ساتھ ایک نسبت الٰہیہ موجود ہے اور ہم اس نسبت کو سجدہ کرتے ہیں کعبے کے مٹی گارے کا نہیں کرتے جب آدم کے سجدے کا حکم ملا تھا تو جناب آدم کے ساتھ بھی اللہ نے ایک نسبت لگا کر سجدے کا حکم فرمایا تھا۔

☆و نفخت فیه من روحی

روحی کی آخری ''ی'' یائے نسبتی ہے لہٰذہ ملکوت کا سجدہ حقیقتاً نسبتی تھا جس طرح ہمارا سجدہ کعبے کی اینٹ گارے کو نہیں بلکہ لفظ ''بیتی'' کی یائے نسبتی کو ہے۔

اس لئے نہ انسان سے جمادات افضل ہیں نہ ملکوت سے انسان افضل ہے یہ تو صرف فکر کا دھوکہ ہے نہ سجود کعبہ جمادات کی اشرفیت کی دلیل بن سکتے ہیں نہ سجود آدم سے نوع بشر کی اشرفیت ثابت کی جاسکتی ہے۔

اگر ہم نوع جمادات کے خصائص دیکھیں پھر نباتات و حیوان و انسان کے نوعی خاصے دیکھیں تو اکثر تفصیلی خصائص ملکوت میں بدرجہ اتم موجود ہیں یعنی ملکوت موالید اربعہ کے خصائص اعلیٰ میں بھی ان سے مکمل ترین اور ان سے بہترین موجود ہیں جسم ہو نطق ہو علم و شعور و عقل تصرف و تدبیر ہو ان جملہ صفات میں ملکوت کمال کو پہنچے ہوئے ہیں اب خود سوچیں یہ کس قانون کے تحت نوع بشر سے پست نوع ثابت کئے جا رہے ہیں۔

کہنے والے کہتے ہیں کہ ملکوت چند صلاحیتوں سے محروم ہیں یعنی کھانا، پینا، سونا، استعداد گناہ و معصیت، مباشرت و جماع وغیرہ کی استعداد ان میں نہیں ہے اس لئے پست ہیں اور انسان میں یہ صلاحتیں موجود ہیں اس لئے ملکوت سے افضل ہیں مگر

صاحبان بحث و جدال نے یہ نہیں سوچا کہ یہ تو انسان کے جنسی خاصے ہیں جو خود انسان کے پست ترین خصوصیات ہیں نہ کہ اعلیٰ ترین اگر معیار شرافت یہی خاصے ہیں تو حیوانات میں یہی خاصے اپنے درجہ کمال کو پہنچے ہوئے ہیں

انسان سیروں کے حساب سے کھاتا ہے تو بعض جاندار ٹنوں خوراک کھاتے ہیں ،انسان لیٹر کے حساب سے پیتا ہے تو بعض جاندار بیرل بلکہ میٹرک ٹن کے حساب سے پیتے ہیں، انسان گھنٹوں کے حساب سے سوتا ہے تو کچھ جاندار پورے چھ ماہ سو کر گزار سکتے ہیں اس طرح انسان کی ہوس و استعداد گناہ کی ایک حد ہے مگر جانوروں میں یہ بھی کمال کو پہنچے ہوئے ہیں تو کیا ان خاصوں کی وجہ سے ہم حیوانات کو انسان سے بہتر اور اعلیٰ نوع ثابت کر سکتے ہیں؟

اگر واقعی یہی چیز وجہ امتیاز و فضل و شرف قرار دی جائے تو اس طرح انسان حیوان سے پست ہی ثابت ہوگا اور مقام توحید کیا بچے گا۔

منطق کا نسخہ آزما کر دیکھو صغریٰ انسان حیوان سے پست ہے

کبریٰ اللہ انسان سے پست ہے

نتیجہ اللہ حیوان سے بھی (نعوذ باللہ) پست ہے

کیا یہ منطقی نتیجہ کسی احمق سے احمق فلسفی کو بھی منظور ہے

اگلا مرحلہ ایک اور بھی ہے کہ کفار و مشرکین میں ہدایت و اعمال خیر کا امکان بہت ہی کم ہے اس طرح ایک ہدایت یافتہ انسان سے وہ کافر افضل ہوگا جو لاشعوری یا مجبوری میں گناہ سے بچ جائے گا۔

علماء فقہ سے پوچھیں اضطراری اعمال یا جبلی افعال کی نہ کوئی جزا ہے اور نہ سزا، نہ

انہیں اچھا کہا جا سکتا ہے نہ برا، اگر کسی کافر کو موت کا خطرہ ہو اور اعلان اسلام کر دے تو بے سود ہے اور اگر کسی مومن کو موت کا خطرہ ہو اور وہ اعلان کفر کر دے تو اس میں ہرج نہیں اضطراری کفر و اسلام دونوں کا مقام ایک ہی ہے اب کہا یہ جا رہا ہے کہ ملکوت کی عصمت (معصومیت) اضطراری اور جبلی ہے اور اس کی اہمیت نہیں ہے میں گزارش کرونگا کہ ایک مرتبہ پھر اس کلیے کو دیکھ لیں۔

ملکوت کی عصمت اور پاکیزگی جبلی اور اضطراری ہے جو صفر کے برابر ہے

حیوانات جہالت اور کتے اور خنزیر کی نجاست اضطراری اور جبلی ہے جو صفر کے برابر ہے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ نعوذ باللہ ملکوت اور نجس حیوانات کا درجہ برابر ہوا

خدا کے لئے سوچئے کیا یہ نتیجہ کسی کو قبول ہے؟ اگر کسی کو یہ نتیجہ قبول بھی ہو تو اس کا اسلام کسی کے لئے قابل قبول ہے۔

اگر اس نتیجے کو مزید اپلائی کیا جائے تو یہ توحید کو بھی متاثر کر سکتا ہے کیونکہ اللہ اپنے کمال پر قادر ہے نقائص سے مجبوراً مبرا ہے وہ ظلم کذب وغیرہ کرنا چاہے بھی تو نہیں کر سکتا اس میں اس کی ذات کو خطرہ ہے لہٰذہ اللہ مجبوراً غلط کاری نہیں کر سکتا اور جو کافر مجبوراً نیکی نہیں کر سکتا اس قانون استدلال سے دونوں کا مقام برابر ہو جائے گا (نعوذ باللہ) اس سے بڑی برائی منطق میں اور کیا ہو سکتی ہے کہ اللہ اور کافر کا مقام ایک کر دیا جائے پھر حیوانات کی دنیا تو ویسے بھی جبلت کے ماتحت ہے لہٰذہ حیوانات بھی مقام توحید تک جا پہنچیں گے۔

ایک طرح سے بھی استدلال کیا جاتا ہے

انسان کی اشرفیت کے داعی یہ فرماتے ہیں کہ سورہ المومنون میں اللہ جل جلالہ نے انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا ہے کہ انسان کس طرح نطفے سے علقہ اور علقہ سے مضغہ بنا وغیرہ وغیرہ اور آخر میں فرمایا ہے۔

☆فتبارك الله احسن الخالقين

پاک ہے وہ اللہ جو احسن الخالقین ہے

اس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ شکم مادر کے ارتقائی مراحل بیان کر کے اللہ نے خود کو فخریہ خالقوں سے بہتر اور احسن کہا ہے لہٰذہ انسان کی اتنی طیب ولادت بتا رہی ہے کہ اللہ نے اپنے کلام مقدس میں صرف جن و انس کی پیدائشوں کا تذکرہ فرمایا ہے حیوان کی تخلیق و پیدائش کا ذکر فرمایا ہی نہیں ہے اگر پیدائش کے ان مراحل ''شش گانہ'' ہی کو شرافت بشر پر دلیل بنایا جائے تو اس میں ہزاروں قباحتیں سامنے آتی ہیں اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جن مراحل ''شش گانہ'' سے انسان شکم مادر سے گزرتا ہے انہی مراحل ''شش گانہ'' سے کتا و خنزیر بھی شکم مادر میں گزرتے ہیں یعنی وہ بھی نطفہ، علقہ، مضغہ وجنین وغیرہ کے عمل سے گزرتے ہیں۔

اب خود سوچیں جن صفات میں انسان کے شریک کتے اور خنزیر ہوں ان صفات کو بنیاد بنا کر ملکوت سے اپنی برتری جتلانا کونسی عقلمندی ہے یہ تو ایسے ہے کہ جیسے انسان فخریہ بیان کرے کہ میں نجس قسم کا پیشاب و پائخانہ کرسکتا ہوں اور ملکوت نہیں کر سکتے اس لئے میں افضل ہوں۔

اور یہ بھی ہے کہ انسان کی پیدائش کوئی ایسا کارنامہ ہی قرار نہیں دی جاسکتی کہ جس پر قلمکار نے قلم توڑ دیا ہو جیسا کہ سورہ المومن میں ارشاد قدرت ہے

☆لخلق السموت والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون (58)
فرمایا تخلیق ارض وسما انسان کی تخلیق سے بھی بہت بڑی بات ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔
اگر تخلیق کی برتری ہی باعث فضیلت وشرافت ہے تو پھر زمین جو جمادات سے ہے اسے بھی انسان سے فضیلت حاصل ہوگی اور انسان بحثییت نوع سے ہے اسے بھی انسان سے فضیلت حاصل ہوگی اور انسان بحثییت نوع کے جمادات سے بھی پست ہو جائے گا چہ جائیکہ وہ تو ملکوت پہ برتری جتلا نا چاہتا تھا۔
دلیل بھی ایسی دی کہ جس نے خود اسی کی فضیلت وشرافت کی لٹیا ڈبودی ہے اللہ نے خود کو احسن الخالقین کیا کہا ہے کہ ہر چوڑھا چمار بغلیں بجانے لگ گیا ہے کہ ہم ملکوت سے افضل ہیں۔
انسان تو محتاج محض ہے اپنے وجود اصلاب وارحام کا محتاج ہے اور بھی بہت سی چیزوں کا محتاج ہے یوں سمجھ لیں کہ انسانیت ایک لا متناہی محتاجی کا نام ہے اور ملکوت جو نہ ارحام واصلاب کے محتاج ہیں اور نہ دیگر مادی چیزوں کے اور وہ اپنے اللہ کے امر ''کن'' سے پیدا ہوئے ہیں روز اول کے لمحہ اول سے پاک وپاکیزہ ہیں ان پر فضیلت کا دعوے دار وہ انسان ہے جو نو ماہ شکم مادر میں حیض کی غلیظ گندگی پی پی کر پیدا ہوا ہے ''سبحان اللہ'' یہاں تو ساری گنگا ہی الٹی بہہ رہی ہے۔
اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ ملکوت کی پوری نوع پر ایمان لانا واجب ہے جیسا کہ سورۃ النساء میں ہے

☆ومن یکفر باللہ و ملائکتہٖ و کتبہ و رسلہ...... (137)

اللہ جل جلالہ ،ملکوت ،صحف انبیاء ،خود انبیاءاور یوم جزا پر ایمان نہ لانے والا گمراہ ترین فرد ہے۔

یہ ساری چیزیں جز وایمان مانی جاتی ہیں مگر کوئی عالم ہمیں یہ بھی تو بتائے کہ کیا انسان پر ایمان لانا بھی شرائط اسلام وایمان داخل ہے؟

ایمان بذات خود باعث شرافت وفضیلت انسان ہےاور ملکوت ایمان کے شرائط میں داخل ہیں کہ ان پر ایمان لاکر ہی انسان فضیلت پاتا ہے۔

اب یہ انسان ان ملکوت سے جو اسے شرف دے رہے ہیں کیسے افضل واشرف ہوگیا ہے؟

اسی طرح سورہ الحج میں ارشاد ہے

☆اللہ یصطفی من الملآئکۃ رسلا ومن الناس......(75)

اللہ جل جلالہ ملکوت اور لوگوں میں سے رسول منتخب فرماتا ہے

اور جو رسول ''ملکوتی'' ہوگا اس کی نوع پر بھی ایمان لانا واجب ہوگا اور اس کی رسالت پر بھی مگر جو رسول بشری ہوگا اس کی رسالت پر تو ایمان لانا واجب ہے بشریت پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے اگر کسی کتاب میں اس کی نوع پہ ایمان لانے کا وجوب لکھا ہے تو کوئی منطقی وضاحت سے آگاہ فرمائیے۔

ہمارے ہاں تو ساری باتیں ہی الٹی ہیں اور انسان وہاں کیا کرسکتا ہے جہاں سارا معاملہ ہی الٹا کر دیا جائے اس علمی معاشرے کی کوئی کہاں تک اصلاح کرسکتا ہے اور میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ انسان کو بیوقوف بنانے کے لئے یہ نظریہ ہی کافی ہے کہ

انسان اشرف المخلوقات ہے۔
جولوگ انسان کو اشرف الملکوت کہتے ہیں اگر ان کی کتابوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی فضیلت وشرافتِ ملکوت سے انکار نہیں کر سکے۔
کیونکہ جو انبیاء علیہم السلام کو نوع بشر کا فرد سمجھتے ہیں وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کی شان یہ ہے کہ ملکوت اس شرف ملاقات دیتے ہیں۔
انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی بھی درجہ بندی کی ہوئی ہے اور ہمیں یہ بتایا جاتا ہے کہ اعلیٰ درجے کا نبی وہ ہے جو ملکوت کو دیکھے بھی اور کلام بھی سنے اور اس سے کم درجے کی نبوت یہ ہے کہ ملکوت کو دیکھ نہ سکے صرف آواز سنے۔
یعنی ان کے گمان کے مطابق نوع بشر کے اعلیٰ ترین فرد کی پہچان یہ ہے کہ ملکوت کی زیارت وملاقات کا اعزاز حاصل کرلے ان سے شرف ہمکلامی حاصل بھی کرے
ایک طرف یہ بات ہے اور دوسری اسی نوع کا ذلیل ترین آدمی دعویٰ کرے کہ وہ ملکوت ہم سے گھٹیا نوع سے تعلق رکھتے ہیں
یہ بیان میں تضاد کیسا ہے
کیا کبھی کسی بشر سے ملاقات کرنے سے کسی فرشتے کی فضیلت میں اضافہ ہوا ہے؟
جن لوگوں کی درسوں پہ اجارہ داری ہے پورا عالم اسلام ان کے رحم وکرم پہ ہے اب ان کی مرضی جوگل کھلائیں کون روک سکتا ہے مگر یہ ضرور مانیں گے کہ انسان کی ملکوت پر برتری کی کوئی محکم اور مضبوط دلیل ان کے پاس ہے ہی نہیں کیونکہ وہ تو ہمہ وقت قرب الٰہی میں رہ کر مصروف عبادات عالیہ ہیں۔
اب خود سوچیں کہ وہ ملکوت تو گھٹیا ہیں اور جس بد بخت کو ماں اور بہن میں تمیز نہیں وہ

نوع اعلیٰ کا فرد ہے تو کیسے؟ یہ تو یہی سمجھتے ہیں کہ نیچے انسان ہے اوپر اللہ ہے اور بس جس کے اعمال قبیح سے زمین وآسمان تنگ ہیں، جس کے دست ہوس سے کوئی جانور بھی محفوظ نہیں، جس کے ظلم سے پوری دنیا کا ذرہ ذرہ خون کے آنسو رو رہا ہے یہی انسان قدسیان وکروبیان سے جبرائیل ومیقائیل سے بھی بحثیت نوع افضل واعلیٰ ہے؟ سبحان اللہ

صاحبان علم معقول شرافت انسان کے ضمن میں بھانت بھانت کی بولیاں بولتے ہیں کہتے ہیں جملہ انواع عالم انسان سے پست درجے کی ہیں اور بوجہ پستی وہ ہمارے مابین وسیلہ نہیں بن سکیں اس لئے صرف نوع انسان ہی وسیلہ بن سکتی ہے اس لئے جو وسائط ووسائل الٰہیہ ہیں وہ نوع بشر کے افراد ہی ہیں۔

اب انہی حضرات سے مجھے سوال کرنے کا حق ہے کہ جنہیں وہ لوگ وسیلہ الٰہی قرار دیتے ہیں یعنی انبیاء علیہم السلام جنہیں وہ اپنے عقیدے کے مطابق نوع بشر کے کامل ترین افراد سمجھتے ہیں ذرا ان کے بارے میں اپنا عقیدہ واضح کریں کہ انہیں پیغام الٰہی کون دیتا ہے؟

کیونکہ ان انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اللہ سے بلا واسطہ پیغام حاصل نہیں کرتے بلکہ ملکوت وحی لے کر آتے ہیں۔

یا تو یہ کہیں کہ اللہ کا فیضان بلا واسطہ انبیاء علیہم السلام تک پہنچتا ہے اور وجود جبرائیل علیہ السلام سے انکار کردیں یا پھر مانیں کہ انبیاء کو پیغام الٰہی دینا ملکوت کا کام ہے اگر انکار کریں تو کفر کا ارتکاب کریں گے اگر ملکوت کی وحی کو تسلیم کرتے ہیں تو پھر اس کا جواب دیں کہ جب وہ ملکوت نوع انسان کے اعلیٰ ترین افراد کے لئے تو وسیلہ

فیضان الٰہی بن سکتے ہیں مگر عام جہلا کی ہدایت کے معاملے میں ان کی ''نوعی پستی '' حائل ہو جاتی ہے یہ کیا فلسفہ ہے؟

کیا شرافت ملکوت کے معاملے میں دیگر سارے عقائد کا ناس مارنا جائز ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ نوع انسان تو اتنی پست ہے کہ بلا واسطہ ملکوت کے پیغام کی متحمل ہی نہیں ہو سکتی اگر کوئی فرشتہ گھر میں آ جائے تو چار دن آہ وفغاں اور نالہ وشیون کی صدائیں گھر میں گونجتی ہیں اور پست نوع بھی ملکوت کی ہے وہ کیسے؟

کچھ حضرات پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے فرامین کی غلط تاویل کر کے انسان کو اشرف ملکوت ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس فرمان اقدس کا حوالہ دیتے ہیں۔

☆الملائكة خدامنا و خدام محبينا

کہ ملکوت در اطہر کے خادم ہیں اور ان کے محبوں کے بھی خدمت گزار ہیں ملکوت خدمت تو کریں پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام اور ان کے چاہنے والوں کی، اچھل کود فاسقین و فاجرین مچا دیں کہ ہم نوع ملکوت سے بحیثیت نوع کے افضل ہیں یہ کیا بات ہے کبھی یہ بھی سوچا ہے کہ وہ محبان اہل بیت اطہار کی خدمت بوجہ نوع کرتے ہیں یا پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی وجہ سے کرتے ہیں؟

ہاں جن لوگوں میں محبت خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام دست یاب ہوگی ان کی خدمت کرنا ملکوت کے لئے باعث صد افتخار ہے کیونکہ انسانوں میں جو لوگ افادیت کے پیش نظر حیوانات کا احترام کرتے ہیں مثلاً قربانی کے جانوروں کی تکریم کرتے ہیں وہ بحیثیت نوع کے نہیں بوجہ نسبت احترام و خدمت کرتے ہیں اسی طرح جو لوگ

پاک خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام کی قربانیاں ہیں ملکوت ان کے قدموں کے نیچے پر بچھا کر فخر کرتے ہیں مگر بحیثیت نوع کے نہیں کرتے ۔
نوع بشر کی خدمت تو اس وقت خلق کریں گے جب میدان حشر جائے گا جب 99.99 فیصد مخلوق کو زنجیروں میں جکڑ کر جوتم پر شاد کرتے ہوئے اوندھے منہ جہنم میں داخل کرینگے تو شرافت گھر آ جائے گی۔
انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنے کے لئے ایک اور آیت کی بیساکھی بھی استعمال کی جاتی ہے سورۃ بنی اسرائیل میں ہے

☆ولقد کرمنا بنی آدم و حملنا ھم فی البرو البحرو رزقنا ھم من الطیبٰت و فضلنا ھم علی کثیرٍ ممن خلقنا تفضیلا 70

یقیناً ہم نے اولاد آدم کو کرامت بخشی اور ہم نے اسے بحر و بر میں اٹھایا اور طیبات میں سے رزق عطا فرمایا اور ہم انہیں خلق میں سے بہت سوں پر فضیلت بخشی ہے۔
اگر اس آیت میں

☆حملنا ھم فی البر و بحر و رزقنا ھم من الطیبات

کے الفاظ نہ ہوتے تو شاید کچھ نہ کچھ فضیلت انسان پہ استدلال ہوسکتا تھا مگر یہ فقرہ انسان کی شرافت کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے یعنی اللہ نے فضیلت کے وجوہات بیان کر دیئے ہیں کہ انسان کو سواری کا استعمال بتایا ہے اور کشتیاں بنانے کا ہنر دیا ہے جب کہ کثیر تعداد میں مخلوق ان چیزوں کے استعمال سے نا آشنا ہے پتھر شجر حیوانات میں سے کثیر تعداد میں مخلوق ہے جنہیں یہ سہولتیں میسر نہیں ہیں کھانا پکا کر کھا سکتا اور غذا کے بارے میں ہے کہ نمایاں قرار دیا گیا ہے لیکن یہ بنیادیں کتنی کمزور ہیں کہ ان

بنیادوں پر تو انسان زیادہ سے زیادہ موالید اربعہ سے اشرف قرار دیا جا سکتا ہے نہ کہ ملکوت پر اسے فضیلت دی جائے۔

اسی دور میں تو سواریوں سے جس طرح انسان فائدہ اٹھا رہے ہیں اسی طرح بندر اور کتے بھی اٹھا رہے ہیں، جس طرح حیوانات کا ایک فی صد یا اس سے کم موٹر کار جہاز وغیرہ سے محروم ہے

اسی طرح انسان کی ایک بڑی تعداد ان سہولتوں سے محروم ہے تناسب کے اعداد میں تھوڑا بہت فرق ضرور ہوگا مگر پھر بھی حیوانات کا خلا تک جانا بھی ثابت ہے اور یہ انسان سے پہلے خلا میں پہنچے ہیں مگر ہم اس بات کو اہمیت نہ بھی دیں تو انسان کی فضیلت صرف جمادات و نباتات وحیوانات تک ہوگی اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ملکوت کی عظمت پہ بھی ہاتھ صاف کر لیا جائے۔

نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے ایک خطبے میں ملکوت کے مقام اعلیٰ کی نشاندہی فرمائی ہے جس کے چند فقرے ملاحظہ فرمائیں

☆ومن الملائكة اسكنتم سماوتك و رفعتم عن ارضك هم اعلم خلقك بك اخوفهم لك و اقربهم منك لم تسكنوا الاصلاب ولم يضمنوا الارحام ولم يخلقو امن ماء مهين ولم يشبعهم ريب المنون و انهم على مكانهم منك و منزلتهم عندك و استجماع ا اهو الهم فيك و كثرة طاعتهم لك و قلة غفلتهم عن امرك

ملکوت میں سے کچھ وہ ہیں جنہیں تو نے آسمانوں میں سکونت بخشی ہے اور انہیں اپنی زمین سے رفعت عطا کی ہے وہ تمہاری مخلوق میں سے عالم ترین (سب سے زیادہ

صاحب علم) ہیں یعنی جتنا تیرا علم انہیں ہے کسی مخلوق کو نہیں اور وہ تجھ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہیں جیسا کہ سورۃ فاطر میں ارشاد ہے۔

☆انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

اللہ سے ڈرنے والے علماء ہیں اور وہ ملکوت تمہاری ذات کے سب سے زیادہ قریب ہیں نہ انہیں تو نے باپوں کی پشتوں میں ٹھہرایا ہے اور نہ ہی انہیں نطفے کے حقیر پانی سے پیدا کیا ہے، نہ ہی حوادث زمانہ نے انہیں پریشان کیا ہے یہ قربت کے عطا کردہ محل میں بزرگ مرتبے پر فائز ہیں پھر بھی تیری ہی مرضی سے تمام خواہشات کو سمیٹ لیتے ہیں اور تیری سب سے زیادہ فرمانبرداری کرتے ہیں اور تیری یاد سے بہت کم غفلت برتنے کے باوجود اگر وہ تیری کنہ کو دیکھ لیں تو اپنی عبادت کو حقیر سمجھیں اب اس خطبے میں جو باتیں فرمائی گئی ہیں ان نکات پر غور کرنے سے اتنا تو ثابت ہو ہی جاتا ہے کہ ملکوت جملہ مخلوق سے زیادہ صاحب علم ہیں اللہ کے سب سے زیادہ قریب ہیں پھر ملکوت اور انسان وغیرہ سے کمپیریزن (موازنہ) بھی فرمایا ہے کہ انہیں باپ کی پشت کی ذلت سے اور ارحام کی غلاظت آلود زندگی سے محفوظ رکھا ہے

نطفہ کیا ہے؟

نطفہ ایک ایسا نجس قطرہ ہے جس کا اخراج خود انسان کو نجس کر دیتا ہے اور انسان پر غسل کو واجب کر دیتا ہے اور شکم مادر میں غذا ایسی ہے کہ ایک درہم بغلی کے برابر کپڑے پہ لگ جائے تو نماز نہیں ہوتی اب خود سوچ لیں اور اپنی عقل کو دعوت دیں کہ وہ فیصلہ کرے کہ جس کا مادہ تخلیق ایسا ہے کیا وہ فرشتوں سے افضل؟ سوچیں

ملکوت اشرف ہیں یا یہ گندی نالی کا کیڑا بشر اشرف ہے؟

یہ ہے انسان کا وائٹ پیپر

اب ایک اور دلیل پہ بحث کر کے اگلی منزل کی طرف بڑھتے ہیں دلیل وہی پرانی ہے جس پہ قدرے بحث ہو چکی ہے وہ یہ کہ کہا جاتا ہے کہ اگر انسان اشرف الملکوت نہ ہوتا تو ملکوت اسے سجدہ نہ کرتے۔

اس کا جواب گزشتہ اوراق میں دیا جا چکا ہے اب چند الفاظ اور سپرد قلم کرنا چاہتا ہوں آپ اس واقعہ کو قرآن پاک میں پھر دیکھیں کہ جب ملکوت کو حکم ہوا میں آدم کے پیکر میں اپنی روح کو داخل کروں تو تم فوراً سجدہ کرنا اب ذرا موجودگان کا جائزہ لیں کہ وہاں کون کون موجود تھے غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں چھ فردیں موجود تھیں۔

1 ......آدم

2 ......ملکوت

3 ......ابلیس

4 ......روح

5 ......عالین

6 ......اللہ جل جلالہ

ان چھ فردوں کا کام جدا جدا ہے آدم بے جان پتلے کی حیثیت میں پڑے تھے، ملکوت سجدے کے انتظار میں کھڑے تھے، روح اذن دخول کی منتظر کھڑی تھی، ابلیس سجدہ نہ کرنے کے منطقی دلائل تلاش کر رہا تھا، عالین مہمانان خصوصی کی حیثیت سے اس

تقریب میں جلوہ افروز تھے اور اللہ جل جلالہ نگران اعلیٰ کی حیثیت سے موجود تھا اب کوئی بتائے کہ وہ ''عالین'' کون ہیں؟ کہ جن کا اس تقریب میں کوئی کردار نظر نہیں آتا صرف ناظرین میں شامل ہیں؟ ابلیس نے منطقی استدلال کیا کہ آگ مٹی سے بہتر ہے اور تفضیل مفضول علی الفاضل عقلاً قبیح ہے لہٰذہ اپنے سے پست کو سجدہ کر کے میں پست ہو جاؤں گا تو اس نے حکم سجدہ پہ سجدہ نہ کیا اور کہہ دیا ''انا خیر منه '' میں اس سے بہتر ہوں اس جواب پر اللہ عزوجل نے اس کے سجدہ نہ کرنے پہ تبصرہ فرمایا۔

☆انك من الصٰغرین......اعراف(13)

ارشاد ہوا کہ ابلیس سجدہ نہ کر کے پست ہو گیا

عجیب بات یہ ہے کہ ابلیس تو سجدہ نہ کر کے پست ہو گیا ہے اور ملکوت سجدہ کر کے کس طرح پست ہو گئے ہیں؟ انہیں تو بلند ہونا تھا

یعنی ملکوت کو سجدہ کرتے دیکھ کر پست سمجھنا ابلیسی طرز فکر ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ اللہ نے ملکوت اور آدم کا علم میں امتحان لیا آدم علیہ السلام علم کے میدان میں جیت گئے ملکوت ہار گئے اور انہیں جھکا دیا گیا وہی حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ شب قدر میں ملکوت نازل ہوکر امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے علم میں اضافہ کرنے آتے ہیں اور حجت خدا کو علمی فیض پہنچاتے ہیں یہ عجیب فلسفہ ہے جب اپنی نوع کی فضیلت ثابت کرنا ہو تو ملکوت کے علم کو ناقص ثابت کر دیا جاتا ہے جب آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کی توہین کرنا مقصود ہو تو ملکوت کے علم کو آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات والسلام سے بھی زیادہ اور وسیع بنا دیا جاتا ہے اب ان دہرے معیاروں کو کون درست کرے یہ ہنسنے

کا کھیل ہے کہ جنس لینے کے پاٹ اور دینے کے اور لینا ہو تو کلو کے بجائے ڈیڑھ کلو، دینا ہو تو کلو کے بجائے پون دو، خدا ایسے فلسفے پہ لعنت کرے جس کا مقصد تخلیق ہی توہین آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام ہو

اب پھر ذرا حضرت آدم کے واقعے پر نظر کریں روح داخل جسد آدم ہوئی، ملکوت جھک گئے، نوع جنات منکر سجدہ ہوگئی، اس تقریب سعید کے مہمانان خصوصی یہ منظر دیکھ رہے تھے ابلیس نے سجدہ نہ کیا تو خالق نے سوال کیا

☆استکبرت و ام کنت من العالین

تو نے جو تکبر کیا ہے کیا تو عالین میں سے ہے؟

ابلیس یہ سمجھ رہا تھا کہ مادیات کے لحاظ سے وہ آدم سے تو اشرف ہے کیونکہ نوع بشر مادی طور پر نوع جنات سے تین درجے پست ہے مگر وہ یہ جرات نہیں کر سکا کہ وہ عالین میں خود کو بتا دیتا، وہ آدم پہ تو ہاتھ صاف کرتا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں مگر جب عالین کا نام آتا ہے تو سر جھکا دیتا ہے اب کوئی بتائے یہ عالین کون ہیں؟

ارسطو کے بابا کو بھی معلوم نہیں تھا کہ عالین بھی ایک نوع ہے اور جس چیز کا اسے معلوم ہی نہیں تھا اس کی جنس، فصل، نوع پہ وہ کیا بات کرتا اب کوئی عالم علم معقول عالین کی ذات سے از روئے قرآن انکار نہیں کر سکتا یعنی ان کے وجود کی نفی محال ہے اور علم معقول میں عالین کی کوئی گنجائش موجود نہیں اب تو بھاگنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔

روح کے بارے میں تو کچھ نہ کچھ کلام مقدس میں بھی ہے مگر عالین کا ذکر ہے ان کی ذات وصفات کے بارے میں کوئی ایک حرف بھی نہیں ملتا علم روح کے بارے میں اتنا تو ہے کہ

☆وماأوتيتم من العلم الا قليلا

مگر عالین کے بارے میں تو قرآن مکمل طور پر خاموش ہے ثابت ہوا ایک نوع ایسی بھی ہے جس کے وجود کا اثبات موجود ہے اور جنس وفصل وخواص کا کوئی علم نہیں اور وہ نوع ملکوت و جنات سے افضل بھی ہے اور آدم کی نوع سے جدا بھی ہے اب انسان کے اشرف الملکوت ہونے کا جو تصور ہے اس کا تو قلع قمع ہو چکا ہے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ انسان کی نوع سے اعلیٰ دو نوعیں اور موجود ہیں اب اعلیٰ انواع کی موجودگی میں خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کو کسی ادنیٰ نوع میں شامل کرنے کی کوشش کرنا علم دشمنی، عقل دشمنی اور عداوت آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے سوا کیا ہے اگر اس احقاق حق کے بعد پھر بھی کوئی یہ جسارت کرتا ہے تو پھر مستضعف نہیں عدو ہے اس کی نیت میں فساد ہے۔

میرے دوستو!

میں یہ جو کچھ لکھ رہا ہوں یہ کسی مکتبہ فکر کے خلاف نہیں لکھ رہا، کسی فرد کے خلاف نہیں لکھ رہا صرف آپ لوگوں کے لئے لکھ رہا ہوں میرا غیر سے کوئی تعلق نہیں ان کی مرضی وہ جو عقیدہ رکھیں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہے مگر جب ہمارے نظریات کو کمزور سمجھ کر حملہ آور ہوتے ہیں تو ہمیں اس کے دفاع میں کچھ کہنا پڑتا ہے۔

میں ایک طالب علم کی حیثیت سے دیگر علماء ربانین کی اتباع میں خاموش رہتا مگر مجھے خطرہ لاحق ہونے لگا تھا کہ شاید جو ہمارے رفیق عقائد ہیں وہ ہمارے نظریات کو بے دلیل سمجھنے لگیں گے اور گمراہی کی طرف مائل ہونگے۔

ہاں میرے انداز قلم میں کبھی کبھی جارحیت آجاتی ہے جس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں مگر یہ جارحیت مظلومین علیہم الصلوات والسلام کے دفاع میں جائز بھی ہے کہ وہ آدمی جس کی اپنی اصلیت اتنی غلیظ ہو کہ تعفن سے شمر و یزید جیسے ملاعین ناک بند کرلیں وہ لوگ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے گھریلو معاملات پر تبصرہ کرتے ہیں اور بدبودار زبان استعمال کرتے ہیں تو دکھ ہوتا ہے جو جارحیت کی شکل میں میرے قلم سے صادر ہو جاتا ہے۔

آخری بات عرض کردوں ایک حدیث پیش کی جاتی ہے امام صادق علیہ الصلوات والسلام کا فرمان ہے

☆فضلنا بنی آدم علی سائر الخلق...... تفسیر صافی ف 293

ہم نے اولاد آدم کو تمام خلق پر فضیلت دی ہے کرمنا بنی آدم ......الخ کی تفسیر میں یہ حدیث نقل ہوئی ہے پہلی گزارش تو یہ ہے کہ اس میں سائر سے مراد مادی وارضی مخلوق ہوسکتی ہے نہ کہ نوری مخلوق۔

کیونکہ اگر ہم لفظ خلق کو دیکھیں گے تو پھر اول ما خلق اللہ نوری کا مصداق نور جو سب سے اول خلق ہوا وہ اپنی اولیت کے باوجود دائرہ خلق میں آتا ہے اور اس حدیث کی رو سے آدم زادہ چاہے جیسا ہی کم بخت کیوں نہ ہوگا وہ اس نور سے بھی افضل ثابت ہوگا (نعوذ باللہ)

اسی طرح لوح وقلم سے بھی آدم زادہ افضل ہوگا، عرش وکرسی سے بھی آدم کا ہرنا خلف ارفع واعلیٰ ثابت ہوگا، جس عرش پر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا جانا بھی یہی لوگ تسلیم نہیں کرتے کہ عرش کی بلندی کے قابل (نعوذ باللہ) ہمارے آقا بھی نہیں

ہیں اس عرش وکرسی وحجابات سے ایک کافر ومشرک ابن آدم افضل ثابت ہوگا۔
یہ کیا فلسفہ ہے کہ اپنی نوع کی برتری منوانا ہوتو ہر بدکار ابن آدم عرش سے افضل مان لیا جائے اور جب امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کی نصیب دشمناں توہین کرنا ہوتو عرش پہ ان کا جانا جھٹلا دیا جاتا ہے کہ ابھی مولا کی ذات عرش کے قابل نہیں، عرش اعلیٰ مقام ہے وہاں ان کی شبیہ تو جاسکتی ہے کیونکہ وہ تو ازل سے پاک فرشتے کو بنایا گیا ہے مگر مولائے کائنات علیہ الصلوات والسلام نہیں جاسکتے۔
لہٰذہ ماننا پڑے گا کہ اس حدیث میں عمومیت نہیں کہ پوری ہی نوع افضل ہے بلکہ تبعیض ہے اور ملکوت اس کے دائرے سے خارج ہیں
علامہ مجلسی کے اعتقادات پر مبنی رسالہ لیلیہ میں ہے
☆والا ستخفاف بھم و سبھم و قول مایوجب الا زراء بھم کفر
ملائکہ کو کم تر سمجھنا یا انہیں سب کرنا یا ایسا فقرہ ان کے بارے میں کہنا کہ جس سے ان کی توہین ہو یہ یقیناً کفر ہے۔
صورت حال یہ ہے نوع انسان کی ایک کثیر تعداد ایسی ہے جس پر خود اللہ بھی لعنت کرتا ہے ان حالات میں کیا پوری نوع ملکوت کو پوری اولاد آدم سے گھٹیا سمجھنا جائز ہے؟ میں یہ سمجھتا ہوں یہ خود ملکوت کو گالی دینے کے مترادف ہے۔
ہاں جو پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام ہیں وہ یہ اعلان فرما سکتے ہیں ہم اور ہمارے چاہنے والے نوع ملکوت کے مخدوم ہیں تو بجا ہوگا اور اس کا مظاہرہ شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے دور حکومت میں ہوگا ساری دنیا دیکھے گی ملکوت ارض وسماء ان کی خدمت میں صف درصف حاضر ہونگے ان کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے

انتقام میں ان کی نصرت کریں گے اور ان کی رکاب میں جہاد کریں گے تب پوری دنیا پر ایک ہی خدا کی حکومت ہو گی خالق ہمیں اپنی آنکھوں سے ان کی حکومت جلدی دکھائے

آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمّ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلىٰ آلِهٖ اَجمَعِين

بسم الله الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 6

وحی

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے رفیقان جادہ حق !

اوراق گذشتہ میں محولہ بالا آیت کے ہر لفظ پہ کچھ نہ کچھ بحث ضرورت کی حد تک کی جا چکی ہے اب مناسب لگتا ہے کہ اس کے آخری لفظ پہ تھوڑی سی روشنی ڈالتا چلوں۔

اس کی آخری جز ہے (یوحیٰ الی)

اب پہلے وحی کے لغوی اور اصطلاحی معنی دیکھ لیں

لغوی معنی ہیں دل میں ڈالنا، خفیہ طور پر کچھ پہنچانا، حکم، پیغام اور بعض نے کہا ہے کہ

☆اصل الوحی الاشارة السریعة

وحی کا اصل تیز رفتار اشارے کا ہے

اس کے اصطلاحی معنی ہیں تو اس میں بھی بھانت بھانت کی بولیاں بولی گئی ہیں

☆قدیکون بصوت مجرد عن الترکیب و باشارة ببعض الجوارح و بالکتابت

وحی ترکیب الفاظ سے خالی ایک آواز کا نام ہے یا پھر وہ اشارہ بھی ہوسکتی ہے جو بعض اعضاء بدن سے کیا جائے یا لکھ کر بتایا جائے۔

بعض علماء نے وحی کو ''رمزیہ کلام'' قرار دیا ہے، بعض نے صرف روح الامین کے پیغام کو وحی قرار دیا ہے، بعض نے اس کے اقسام وضع کر کے ہر وحی کو ایک علیحدہ نام دیا ہے اور وحی کے طریقہ نزول کی تقسیم کی گئی ہے وغیرہ وغیرہ

اس میں القاء، الہام، آواز بہ صورت، خواب، گفتگو بمعہ مشاہدہ ومعانیہ وغیرہ سے طریقہ نزول وحی کو مشخص کیا ہے بعض لوگوں نے وحی کو دو بڑی قسموں میں بانٹا ہے ''تشریعی اور جبلی وغیرہ

اگران سبھی تشریحات کو جمع کر کے دیکھا جائے تو آدمی پریشان ہو جاتا ہے کہ یہ وحی تو ایک گورکھ دھندا ہے (خط مبحث) ہے اور ابتزال سے پر ہے گویا یہ تشریحات ایک راکھ کا ڈھیر ہیں جن میں سے وحی کی حقیقت کو تلاش کرنا امر محال ہے کیونکہ وہ اس میں موجود ہی نہیں ہے۔

اب مناسب رہے گا کہ ان علمی اشتباہات کی چند مثالیں پیش کر دوں

حقیقت یہ ہے کہ جتنے بھی تصورات وحی ہیں وہ ناقص و ناقابل قبول ہیں مثلاً وحی سے مراد خود جناب جبرائیل علیہ السلام ہیں یا پھر وحی کو انبیاء علیہم السلام تک مخصوص سمجھا جائے یا یہ کہا جائے کہ آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام وحی کی آمد کا دعویٰ نہیں کر سکتے یا یہ کہ قرآن بذریعہ وحی نازل ہوا ہے یا یہ کہا جائے کہ وحی صرف اللہ جل جلالہ سے مخصوص ہے تو ان نظریات کی تردید خود کلام الٰہی میں موجود ہے۔

مثلاً کلام پاک میں جناب زکریا علیہ السلام کے بارے میں ہے۔

☆1......فخرج علی قومہٖ من المحراب فآوحی الیھم ان سبحوا بکرۃً و عشیا......(11) سورہ مریم

جناب زکریا علیہ السلام نے محراب عبادت سے نکل کر قوم سے وحی فرمائی کہ صبح اور شام کو تسبیح کیا کرو۔

اس آیت میں اوحیٰ کے فاعل جناب زکریا ہیں اور الیھم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے یعنی ایک نبی نے قوم کو وحی فرمائی۔

اس طرح وحی کا اللہ ہی سے مخصوص ہونا تو غلط ثابت ہو جاتا ہے ثابت یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک نبی بھی وحی کر سکتا ہے اور ایک قوم کی طرف بھی وحی ہو سکتی ہے۔

اب اس پہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ وحی تو اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور نبی صرف ابلاغ کرتا ہے، پہنچاتا ہے اور اس مسلمہ کو بھی پیش کریں کہ بعض اوقات فاعل حقیقی کے بجائے فاعل مجازی کی طرف فعل کو نسبت دی جاتی ہے اور کہیں کہ جناب زکریا علیہ السلام فاعل مجازی تھے اور فاعل حقیقی اللہ جل جلالہ ہی ہے۔

تو پھر اس کی تردید سورہ انعام میں موجود آیت سے ہوئی ہے

☆2......وکذالك جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا......(112) سورہ انعام

اس آیت سے ثابت ہے کہ شیاطین جنی وانسی جو انبیاء علیہم السلام کے دشمن ہوتے ہیں وہ بھی ایک دوسرے کو وحی کرتے ہیں وہ جیسی بھی ہو ہے تو ''وحی''۔

اس آیت کی رو سے ہر وحی کا فاعل اللہ تو نہ رہا اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ وحی سے مراد صرف جناب جبریل علیہ السلام ہی نہیں ہیں یعنی ابلیس کے چیلے بھی ایک دوسرے کو وحی کرتے ہیں اب یہ فیصلہ بھی کرنا ہو گا کہ یہاں وحی سے مراد کونسی قسم کی وحی ہے

☆3......واذاو حیت الی الحواریین ان آمنوا بی وبرسولی...... (الخ)

(111) المائدہ

جب میں نے وحی کی جناب عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب کو کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں۔

اس آیت میں ایک نبی کے اصحاب کی طرف وحی ہونے کا بیان ہے اور وحی بھیجنے والا اللہ ہی ہے۔

اس وحی کے بارے میں بھی علماء فیصلہ کریں کہ یہ وحی جو ہے وحی کی کونسی قسم میں داخل ہے اور وحی کی کونسی تعریف پر یہ وحی پوری اترتی ہے بہرحال اتنا تو ثابت ہے کہ یہ وحی نہ فطری وجبلی ہے اور نہ تشریعی کیونکہ تشریعی وحی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام سے مخصوص ہے اگر تشریعی مانیں تو حوارین کو نبی ماننا پڑے گا۔

☆4......واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر و مما یعرشون......(68)سورہ النحل

اس آیت میں ہے کہ اللہ نے شہد کی مکھی کو وحی فرمائی کہ پہاڑوں اور اشجار وغیرہ پہ چھتے بنائے وغیرہ وغیرہ

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی کو بھی اللہ نے وحی فرمائی یہاں کہنے والے کہتے ہیں کہ یہ فطری وجبلی وحی ہے یعنی جبلت اور فطرت میں ہدایت بھر دی گئی ہے جو خارج سے آنے والی وحی نہیں ہے اس پر میں عرض کرونگا کہ یہ وحی فطری ہے یا سرشت میں ہدایت بھر دی گئی ہے تو کیا وحی داخل فطرت و جبلت بھی ہوسکتی ہے؟ اگر وحی داخل فطرت و جبلت ہو تو بطور خاصہ کے ہوتی ہے یا فارق کے یا فصل کے؟

پھر یہ بھی مان لیا جائے کہ فطرت میں وحی داخل ہوسکتی ہے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ

کیا صرف حیوانات ہی کی فطرت میں داخل ہوسکتی ہے یا کسی اور نوع کی فطرت و جبلت و ہدایت یا قوت فعلیہ کو بھی وحی کہا جا سکتا ہے؟

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وحی فطرت انبیاء میں داخل نہیں ہوئی اور محولا بالا آیت سے ثابت کرتے ہیں اس سے انبیاء کی فطرت میں وحی پر استدلال کرنا استخفاف رسالت ہے حالانکہ استدلال اور قیاس کا جو کلیہ انہی حضرات نے وضع کیا ہے اس میں تو ہمیشہ چھوٹی شئے سے بڑی پہ استدلال کیا جاتا ہے مثلاً حقوق العباد کی اہمیت کو بیان کر کے اس سے یہ استدلال کرنا کہ جب مخلوق کے حقوق کی اتنی بڑی شرعی اہمیت موجود ہے تو خالق کے حقوق کی کتنی اہمیت ہوگی ؟ مخلوق کے حقوق سے خالق کے حقوق پر استدلال باطل ہے تو کیا حقوق العباد سے حقوق اللہ پہ استنباط و استدلال کرنا بھی استخفاف توحید ہے؟

جس چیز کو وہ استخفاف رسالت قرار دیتے ہیں یعنی کہ فطری اور جبلی عصمت کا ہونا یعنی جو صفات داخل جبلت ہو جائیں وہ باعث فضیلت نہیں ہیں تو پھر خالق کا کیا بنے گا کہ اس کے سارے صفات داخل ذات ہیں؟

ایک نظریہ یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اللہ اور مخلوق میں یہی فرق ہے اس کے سارے صفات ذاتی ہیں، مستقل ہیں اور مخلوق کی کوئی اعلیٰ صفت داخل ذات نہیں اس لئے اشرف و اعلیٰ ہے یہ کیسا فلسفہ ہے؟

سورہ زلزال میں ہے

☆5......یومئذ تحدث اخبار ھا بان ربك اوحیٰ لھا

قیامت کے دن زمین کو بھی وحی ہوگی اور وہ خبریں نشر کرے گی

اس آیت سے جمادات پر وحی کا نزول ثابت ہو رہا ہے اور خارجی وحی ہو رہی ہے (خارج سے وحی ہو رہی ہے) اس کی جبلت و فطرت کے خلاف احکام دیئے جارہے ہیں فرمایئے اس وحی کا نام کیا ہے؟

دیکھئے زمین کو وحی ہو رہی ہے اور داخل فطرت بھی نہیں ہے تو اس وحی کے آنے جانے سے کسی نبی کا استخفاف تو نہیں ہو رہا کیونکہ جمادات کو جو وحی ہوئی ہے یہ ذات میں داخل نہیں ہے اگر کوئی اس طرح استدلال کرتا کہ زمین کو وحی ہو رہی ہے یہ داخل ذات نہیں اس سے ثابت ہوا نبی کی وحی بھی داخل ذات نہیں تو یہ لوگ اسے بہترین استدلال قرار دیتے کیونکہ حقیقتاً ان کا مقصد ہی انبیاء کا استخفاف ہے اس لئے اس کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کرتے۔

اسی طرح حم سجدہ (12) میں ہے کہ

☆6......وقضٰھن سبع سماوات فی یومین واوحی فی کل سماء امرھا

اس آیت میں آسمانوں کو وحی ہونے کا تذکرہ ہے یہاں وہی سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ یہ وحی کی کونسی قسم ہے؟ یہ فطری ہے یا تشریعی ہے یا داخل ذات سماوات ہے یا خارجی شئے ہے؟

جو اصطلاحات وحی کو وحی ہی نہ رہنے دیں اور ان کی تعریف تجہیل پر مبنی ہو انہیں کتابوں میں جگہ دینے کی کیا ضرورت ہے؟

اسی طرح ایک اور آیت بھی دیکھ لیں سورہ الانبیاء میں ہے

☆7......وجعلنٰھم ائمة یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات ......

الخ (73)

ہم نے انہیں امام قرار دیا جو ہمارے امر کی طرف ہدایت کرتے ہیں اور ان کی طرف افعال خیرات کی وحی فرمائی۔

اب یہاں یہ بھی سامنے آتا ہے کہ وحی صرف رمز یہ کلام یا اشاراتی گفتگو ہے ہی نہیں بلکہ فعلی بھی ہوتی ہے یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ استعداد فعل ہے، جبلت ہے؟ جو فعل کی حیثیت رکھتی ہے یا ملکہ ذات کی حیثیت سے ہے یا احکام کی جبلی طاعت کے طور پر ہوتی ہے یا پھر جبرائیل علیہ السلام آ کر حلول فرما کر کام کرواتے ہیں؟

یہ بھی یاد رہے کہ یہ بات ان لوگوں کے عقائد کے خلاف ہے کہ کسی امام علیہ الصلوات والسلام کی خدمت میں کبھی وحی لے کر جبرائیل آتے ہوں کیونکہ ان کے بقول نعوذ باللہ امام اتنا صاحب فضل وشرف کا حامل نہیں ہوتا کہ جبرائیل امین کو بھی دیکھ سکے یا وحی حاصل کر سکے۔

سچ تو یہ ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کے ہر مقام پہ جدا جدا معنی کرنا، بعید ترین معانی لینا اور تاویل کے ساتھ خود ساختہ تعریفیں پیش کرنا یہی اس دور کے صاحب معقول و معانی کا سرمایہ علم ہیں۔

یا یوں سمجھ لیں یہی باتیں آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے خلاف استعمال ہونے والے ہتھیار ہیں خود دیکھیں جب نوع کے اعلیٰ ہونے کا سوال پیدا ہوتا ہے تو آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کی خدمت جناب جبرائیل سے کروا دیتے ہیں اور جب شان آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کا سوال آتا ہے تو انہیں جبرائیل کے دیکھنے اور پیغام وصول کرنے تک کی صلاحیت سے محروم کر دیا جاتا ہے اور وہ وحی کے میرٹ پہ پورے نہیں اترتے اور جبرائیل ایک ایسی اعلیٰ چیز بن جاتے ہیں کہ ان کے معیار

تعلیم پر خود کوئی امام پورا نہیں اتر تا۔
یہ دہرا رویہ اس لئے ہے کہ نوع کے معاملے میں کیونکہ ان کی اپنی ذات بھی جبرائیل سے بلند ہونا ہوتی ہے اس لئے وہاں سید الملائکہ کی عظمت تک کو محفوظ نہیں رکھتے مگر ضد ہے تو ان مظلومین سے کہ جن کا صرف ایک ہی وارث دنیا میں باقی ہے اور وہ بھی غیبت میں خون کے آنسو رو رہا ہے انہیں فی الحال اس کا خطرہ نہیں ہے ہر بات بلا خوف وخطر کر دیتے ہیں کوئی روکنے والا نہیں ہے۔
فعل الخیرات کی وحی تو آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام تک ثابت ہو جاتی ہے پھر لفظ خیرات کے معنی بھی قران سے دیکھ لیں
سورہ توبہ میں ہے
☆لکن الرسول والذین اٰمنوا معه جٰهدو اباموالهم و انفسهم واولئك لهم خیرات ......الخ (88)
تفسیر صافی میں ہے کہ لفظ خیرات دونوں جہانوں پر محیط ہے یعنی دنیا وآخرت کی جملہ خوبیوں اور منافع کا نام خیرات ہے اب خود سوچیے فعل الخیرات کے معنی کیا ہونگے ؟
☆8......قل انما انذرکم بالوحی ولا یسمع الصم الدعاء اذا ماینذرون
(45)الانبیاء
فرما دیں میں تو صرف وحی سے ڈراتا ہوں مگر بہرے پکار کو سنتے ہی نہیں
اب تک کی صورت حال پہ غور کرتے چلیں کہ وحی کی کون کون سی شکلیں نظر آتی ہیں۔
(1) وحی پیغام الٰہی ہے
(2) وحی جبرائیل ہے

(3) وحی پیغام الٰہی نہیں ذریعہ پیغام ہے

(4) وحی نبی تک محدود نہیں

(5) وحی کرنا صرف اللہ کا کام نہیں بلکہ شیطان بھی کرتا ہے

(6) وحی فطرت میں بھی داخل ہے

(7) وحی نبی بھی کرسکتا ہے

(8) وحی فعلی بھی ہوسکتی ہے

(9) وحی صرف ڈرانے والی چیز ہے جو لوگوں کو ڈرانے آتی ہے

اب اس منزل سے آگے بڑھتے ہیں وحی کے الفاظ کا اگر محل وقوع دیکھا جائے تو متعدد مقامات پر وحی کو کتاب سے متعلق کہا گیا ہے مثلاً سورۃ کہف میں دیکھیں۔

☆9......واتل ماأوحی الیك من کتٰب ربك لا مبدل لکلماته...... الخ(27)

اپنے رب کی کتاب میں سے جو تم پر وحی ہوا ہے اس کی تلاوت کرو اور الفاظ میں تبدیلی ہرگز نہ کریں۔

یعنی رب کی کتاب سے وحی ہوئی ہے

☆10......اتل ماأوحی الیك من الکتٰب و اقم الصلواة......الخ(45)عنکبوت

کتاب میں سے جو تم پر وحی ہوئی ہے اس کی تلاوت فرمائیں اور نماز قائم کریں یہ بھی کتاب میں سے وحی ہے۔

☆11......والذی اوحینا الیك من الکتٰب وهو الحق مصدقا لما بین یدیه ......الخ(31)فاطر

اور جو کچھ ہم نے تمہاری طرف کتاب میں سے وحی کیا ہے یہ حق ہے اور جو تمہارے

آگے ہے اس کی تصدیق کرنے والی وحی ہے۔

یعنی وحی کا کتاب سے ہونا ثابت ہوتا ہے اب ایک اور آیت دیکھ لیں جس میں وحی کا کتاب سے نہیں حکمت سے تعلق پیدا ہوا ہے۔

☆12 ......ذالك مما اوحىٰ اليك ربك من الحكمة ولا تجعل مع الله الهاً آخر ......(39)بنی اسرائیل

یہ وہ ہے جو تمہاری طرف تمہارے رب نے حکمت میں سے وحی فرمایا ہے کہ تم اللہ کے ساتھ کسی دوسرے اللہ کو شریک قرار نہ دو۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ کتاب کیا ہے کہ جس میں سے وحی ہوتی ہے

ارشاد قدرت ہے

☆13 ...... ولقد ارسلنا رسلنا بالبينٰت وانزلنا معهم الكتٰب والميزان ليقوم الناس بالقسط

یقیناً ہم نے رسولوں کو بینات کے ساتھ ارسال فرمایا ہے اور ان کی معیت میں کتاب اور میزان کو بھی نازل فرمایا ہے تاکہ لوگوں کو قسط و عدل پر قائم کیا جا سکے۔

یعنی یہ قانون الٰہی ہے کہ انبیاء علیهم السلام کی معیت میں کتاب کو نازل کیا جاتا ہے یہ ناممکن ہے کہ رسول ہو اور کتاب نہ ہو اگر ایک لمحہ بھی رسول کو کتاب سے سبقت ملے گی تو شرط معیت باقی نہ رہے گی معیت کے معنی ہی یہی ہیں کہ وہ ساتھ ہی ہو اب کتاب کا نزول ہوگا تو رسول بھی نازل ہوگا یہ نہیں ہو سکتا کہ کتاب آسمان سے نازل ہو اور نبی شکم مادر سے پیدا ہو اور اس کے باوجود کوئی دعویٰ کرے کہ یہ ایک دوسرے کی معیت کے حامل ہیں۔

ایک کتاب تو وہ ہوگی جو نبی کے وجود میں آنے سے ہی اس کے ساتھ ہوتی ہے جب بھی کوئی نبی عالم بالا سے عالم ناسوت میں وارد ہوگا کتاب ساتھ لیکر آئے گا جیسا کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا عبد ہوں اور کتاب ساتھ لایا ہوں حالانکہ ان پر نزول انجیل 40 سال بعد ہوا ہے مگر روز اول وہ جس کتاب کا اپنے ساتھ ہونے کا ذکر فرما رہے ہیں وہ انجیل کے علاوہ ہی کچھ ماننا ہوگی۔

کیونکہ اس کا ثبوت ایک اور روایت میں موجود ہے؟

ارشاد قدرت ہے کہ

☆واذ اخذ الله میثاق النبیّن لما اتیتك من كتب وحكمة ......الخ

یعنی اللہ نے روز میثاق تخلیق ارض وسما سے ماقبل عہد و پیمان لیکر ایک کتاب وحکمت ہر نبی کو عطا کر دی تھی۔

یعنی معاملہ جو بھی ہے ازل کا ہے بات رسولوں کی نہیں ہر نبی صاحب کتاب ہے مگر ہر نبی کتاب نزولی کا حامل نہیں ہے۔

ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کو ایک کتاب روزِ میثاق عطا ہوئی جو انبیاء و رسل علیہم السلام کی معیت میں نازل ہوتی ہے۔

دوسری کتابوں کا تذکرہ بھی کلامِ مقدس میں موجود ہے یعنی قرآنِ کریم کو بھی وحی کے متعلق کیا گیا ہے اور قرآن کا روز میثاق ملنا ثابت نہیں بلکہ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے 23 سال تک نازل ہوتا رہا ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے

☆مکث و نزلناہ تنزیلا

یعنی یہ بتدریج نازل ہوا ہے جو کتاب ازل میں تھی وہ وہیں نہیں لے لی گئی تھی کہ پھر

دنیا میں ظہور کے بعد قسطوں میں لوٹائی گئی ہو وہ کتاب اور تھی

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وحی جو" من الکتاب " ہے کیا وہ اسی میثاق والی کتاب سے متعلق ہے یا کسی دیگر کتاب سے؟

☆(14)......ولا تعجل بالقرآن امن قبل ان یقضی الیک وحیه ...... الخ(114)طه

یعنی اے میرے حبیب صلی الله علیه وآله وسلم آپ تکمیلِ وحی سے پہلے قرآن کو نہ پڑھ دیا کریں۔

☆(15)......اوحی الی هذا القرآن لا نذرکم به ومن بلغ ائنکم لتشهدون ان مع الله الهة اخریٰ ......الخ(19) انعام

یعنی یہ قرآن میری طرف وحی ہوا ہے کہ میں تمہیں ڈراؤں اور میرے بعد جس کے پاس یہ قرآن پہنچے وہ بھی تمہیں ڈرائے کیا تم واقعی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔

☆(16)......وکذالك اوحینا الیك قرآنا عربیا لتنذر ام القریٰ ......(7) شوریٰ

جیسا کہ ہم نے تمہاری طرف قرآن کو وحی کیا ہے اور وہ بھی خالص عربی میں تا کہ اہالیان مکہ کو آپ ڈرائیں۔

ثابت ہوا قرآن کا نزول بھی بذریعہ وحی ہے اس طرح دو کتابوں کے وجود کا پتہ چلتا ہے ایک وہ جو روزِ میثاق ملی تھی اور دوسری وہ جو دنیا میں آنے کے بعد قسطوں میں ملی اور یہ قسطوں میں ملنے والی کتاب وحی سے ملی ہے نہ کہ ازل والی کتاب

ایک مرتبہ پھر وحی کے تصاویر مختلف فریموں میں دیکھ لیں
(1) وحیِ سری (2) وحی جہری (3) وحی فطری (4) وحی تکوینی (5) وحی تشریعی (6) وحی قولی (7) وحی فعلی (8) وحی نبوی (9) وحی جنی (10) وحی کتابی (11) وحی قرآنی (12) وحی ذاتی (13) وحی ملکی (14) وحی ابلیسی (15) وحی نبوتی (16) وحی امامی وغیرہ وغیرہ

اب کوئی صاحب وحی کی جامع و مانع تعریف وضع کرنا چاہے بھی تو محال ہے اور جو تعریفیں رائج ہیں وہ تو ہر مقام کیلئے وحی کا مفہوم بدل دیتی ہیں کہیں وحی سے مراد کچھ ہے، کہیں کچھ ہے۔

اگر اس کے ایک معنی نبیِ وقت کیلئے تازہ بہ تازہ احکام کے لئے جائیں تو یہ ایک مضحکہ خیز بات لگتی ہے جو شہد کی مکھی کی سرشت میں ایک قوت بھر دیتا ہے اور اسے ''وحی'' کا نام عطا فرما دیتا ہے وہ اپنے جملہ ہدایات نبی کی سرشت میں داخل کر دے تو کیا وہ اس پہ قادر نہیں یا اس کی توہین ہے؟

یہ قیاس نہیں استدلال ہے کیونکہ اللہ بھی مکھی اور مچھر سے استدلال کرتا ہوا نظر آتا ہے اور اپنے وجود کے اثبات کیلئے جمادات و نباتات سے دلیل لاتا ہے اگر انسان شانِ خاندان اقدس علیھم الصلوات والسلام کیلئے کوئی دلیل لائے تو یہ استخفاف نہیں عین قانون ہے۔

انبیاعلیھم السلام اور خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کی ذات میں اگر ہدایت کا وجود نہ پایا جائے اور تازہ بہ تازہ ٹیلیفون پہ پیغام مل رہے ہوں اور ہر لمحے میں ایک پیادہ دوڑ رہا ہو جو ذرا ذرا سی بات پہ ڈانٹ ڈپٹ بھی کر رہا ہو اور کہنے کی باتیں بھی بتا رہا

ہوتو یہ آنے والے نمائندے کا قصور نہیں بھیجنے والے کا قصور ہے۔

کیونکہ بھیجنے والا اگر اپنے ایسے نمائندے بھیجے کہ جسے ایک لفظ کہنے کا اختیار نہ ہو ادھر ٹیلیفون کان پر ہو اور ہونٹ مائیک پر ہوں تو یہ آنے والے سے زیادہ بھیجنے والے کا قصور ہے۔

ایک عام بادشاہ بھی اپنے سفیر کو بھیجنے کا بنیادی مقصد سمجھا کر باقی معاملہ اس کے صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔

مگر یہاں قدم قدم پہ کہا جا رہا ہے کہ ایسا نہیں کرنا تھا، ایسا نہیں کرنا تھا۔

☆ولئن شئنا نذهبن بالذی اوحینا الیك

یہ تو وہ بات ہے کہا گر تو نے میری بات نہ مانی تو ٹیلیفون کاٹ دیا جائیگا۔

ایسے آیات سے جو تصور پیدا ہوتا ہے وہ توہین آمیز لگتا ہے؟ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ جو کچھ تمہاری جبلت میں داخل کر دیا گیا ہے اگر نہ ہوتا تو بھٹکنے کے امکانات بڑھ جاتے یا یہ کہنے کا مقصد ہو کہ اگر ہم نے جو کچھ تمہاری ذات میں وحی کیا ہے اگر واپس لے لیا جائے تو پھر کہاں سے ملے گا اس طرح کا اندازِ کلام قدرے قابل قبول ہے۔

اس پر بعض لوگوں نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جب بھی نزولِ وحی ہوتا تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیفیت بدل جاتی تھی اور فرماتے تھے ''ذملونی دثرونی'' کہ مجھے کمبل دو، چادر دو یعنی سردی اور کپکپی ظاہر ہوتی تھی اگر وحی کو داخلِ ذات مانا جائے تو اس طرح کے آثار وحی نہ ہوتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ انسان کی جملہ قوتیں جب اظہار پذیر ہوتی ہیں تو جسم میں حرکات وسکون اور کیفی تبدیلی ضرور ہوتی ہے مثلاً انسان کی قوت غضبہ جب اظہارِ

پذیر ہوتی ہے تو انسان غصے سے کانپتا ہے، آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو جاتا ہے، آواز میں گرج پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح جب انسان کا ناطقہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو اس سے بھی جسم متاثر ہوتا ہے ہونٹ کھلتے ہیں، زبان متحرک ہوتی ہے اکثر اوقات زبان کے ساتھ ساتھ ہاتھ بھی چلتے ہیں سر اور جسم میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے پھر نطق کے باطنی کیفیات کے تحت انداز بدلتے ہیں خوف زدہ ہو کر بات کرتا ہے تو اور طرح کی ہوتی ہے رعب ڈالتا ہے تو اندازِ گفتگو بدل جاتا ہے اور جب غم کا اظہار ہو تو آنسو ٹپکتے ہیں خوشی کا اظہار ہو تو قہقہے گونجتے ہیں لالچ کا اظہار ہو تو لہجے میں خوشامد آ جاتی ہے وغیرہ وغیرہ

ان سینکڑوں قوتوں کے اظہار کی بدلتی ہوئی حالتوں سے کسی نے انہیں خارجی چیزیں قرار نہیں دیا تو اگر ہم فرض کر لیں کہ اظہارِ قوت وحی سے کچھ کیفیات ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وحی کو خارجی چیز قرار دینا کہاں کا انصاف ہے؟

آثارِ وحی کی شکل میں جو ظاہر ہوتا تھا وہ آثارِ نطق کے ظہور سے بہت کم تبدیلیاں ہیں ان تبدیلیوں کے باوجود ناطقہ ذاتی بن سکتا ہے وحی ذاتی کیوں نہیں بن سکتی؟

اگر آثارِ وحی کے ضمن میں جو بحثیں کتابوں میں دفن ہیں انہیں دیکھا جائے تو بات اور بھی عجیب ہو جاتی ہے مثلاً سورہ شوریٰ میں ارشاد ہے۔

☆وماكان لبشرا ان يكلمه الله الا وحياً اومن وراىء حجاب اويرسل رسولا فيوحى باذنه ما يشاء انه على حكيم ......(51)

اللہ جل جلالہ جب کسی ''بشر'' سے کلام فرماتا ہے تو اس کے تین ذرائع ہوتے ہیں

نمبر1 ......وحی

نمبر2......پسِ حجاب کلام

نمبر3......کسی رسول کو بھیج کر کہ جو وحی کرتا ہے

رسول سے مراد رسول مطلق یعنی نبی بھی ہوسکتا ہے جیسے جناب زکریا کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے قوم کو وحی کی اور اس سے مراد وہ ملکوت بھی ہو سکتے ہیں کہ جو وحی کرتے ہیں جیسا کہ خالق خود فرماتا ہے۔

☆الله یصطفی من الملائکة رسلا ومن الناس

کہ اللہ ملکوت اور انسانوں میں سے اپنے رسول منتخب فرماتا ہے جیسا کہ جناب جبرائیل علیہ السلام کا امینِ وحی ہونا ثابت ہے۔

اب اس آیت پہ غور کیا جائے تو وحی کا پیغامِ الٰہی ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ ذریعہ کلام ہونا ثابت ہوتا ہے کہ وہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے۔

یہ بات بھی سمجھ لینا چاہیے کہ کلام اور چیز ہے اور ذریعہ کلام اور چیز ہے اب ذرہ ان آثار وحی کے بارے میں بھی کچھ دیکھ لیں تو بات واضح ہوجائیگی مثلاً عمر ابن ثابت سے روایت ہے۔

☆سئل عن الغشیة التی کان تاخذالنبی

یعنی سوال کیا گیا کہ جو غنودگی بوقتِ نزولِ وحی ہوتی تھی کیا وہ ہبوط جبرائیل علیہ السلام کے اثر سے ہوتی تھی؟

امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا

☆ قال لا ان جبرائیل اذا اتا النبی صلی الله علیه وآله وسلم لم یدخل علیه حتی لیستاذن

فرمایا ایسا نہیں بلکہ جبرائیل تو بغیر اجازت کے حاضر بارگاہ بھی نہیں ہو سکتے تھے؟ راوی نے عرض کی آ قا پھر اس کپکپی اور غنودگی کی اصل وجہ کیا تھی؟ اس پر فرمایا

☆ قال انما ذالك كانت عند مخاطبة الله عزوجل اياه بغير واسطة و ترجمان

فرمایا یہ تو صرف اس وقت ہوتا تھا جب اللہ جل جلالہ بلا واسطہ غیر ان سے مخاطب ہوتا تھا یعنی جب محبّ اپنے محبوب سے بلا واسطہ اور ترجمان کے بغیر کلام فرماتا تھا تو یہ کپکپی اور غنودگی طاری ہو جاتی تھی۔

اسی طرح زرارہ ابن اعین شیبانی سے روایت ہے کہ اس نے یہی سوال امام علیہ الصلوات والسلام سے کیا تو حضور نے یہی جواب عطا فرمایا اس نے پھر سوال کیا کہ پھر کپکپی کی اصل وجہ کیا تھی فرمایا؟

☆ ذاك اذالم يكن بين الله وعبده ذالك كل لعظمته تجلية العلوية القدسية

یعنی یہ سب عبد و معبود کے کلام بلا واسطہ کی وجہ سے ہوتا تھا اور یہ سب کچھ تجلیات علویہ وقدسیہ کی عظمت سے ہوتا تھا اور اس کی وجہ یہ فرمائی کہ

☆عدم التحمل لباس الذى يلبسه لتلك التجليه

یہ سب اس وجہ سے ہوتا تھا کہ جو لباسِ بشری حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے زیبِ قامتِ نور تھا وہ لباسِ بشری ان تجلیات کا متحمل نہ ہو سکتا تھا اور کپکپی طاری ہو جاتی تھی یعنی یہ کمزوری حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نہ تھی بلکہ بشری لباس کی تھی اسی طرح بہت سے روایات ہیں جن میں نزولِ وحی کے آثار کے توجیہات بیان ہوئے ہیں اور ان

سے ثابت کیا جا سکتا ہے کہ جو وحی ہے وہ خارجی نہیں جس کے آثار ہیں وہ وحی کے نہیں بلکہ بلاواسطہ کلامِ الٰہی کے ہیں۔

اب محولہ سابقہ آیت پہ نگاہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اللہ کسی بشر سے بلاواسطہ کلام نہیں فرماتا بلکہ اس کے لئے کلام کے تین ذرائع ہیں اور جن ذواتِ پاک سے اس کا بلاواسطہ کلام کرنا ثابت ہو جائیگا وہ بشر ثابت نہ ہوں گے اور کچھ لوگوں نے اس آیت سے پاک ذوات کو بشر ثابت کرنے کی سعی مذموم کی ہے مگر وہ ذواتِ پاک بشر ثابت ہونے کے بجائے اس آیت سے غیر بشر ہو جاتے ہیں۔

میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ میں اثباتی طرز تحریر کی طرف راغب نہیں ہوں بلکہ میری تحریروں کا مقصد یہ ثابت کرنا ہے کہ یہ پاک ذوات عقول وافہام سے ماوریٰ ہیں اس لئے میں ان کے بارے میں کوئی حتمی رائے نہیں دے سکتا میری تحریروں میں آپ کو تناقض وتضاد سے بھی سابقہ پڑے گا وہ دراصل تعدد محمول کا تضاد و تناقض ہے اور جس چیز کے محمول زیادہ ہوں اس کو بطور دلیل پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب احتمالات بڑھ جائیں تو دلیل باطل ہو جاتی ہے اور کسی ایک رائے کو آخری اور فیصلہ کن کہنا جائز نہیں رہتا جس طرح سائنسی تحقیق میں تعصب علمی خودکشی شمار ہوتا ہے اسی طرح معارف میں بھی یہ کہنا کہ میری رائے حتمی اور آخری ہے اور جو بات میں نے کی ہے جو نظریہ میں نے تحقیق کر کے پیش کیا ہے یہی اصل حقیقت ہے یہ کہنا علم وعرفان کی موت ہے اس لیئے میں تو فکر کی راہیں متعین کر کے ان راہوں پر سوچنے کی دعوت دیتا ہوں ان پہلوؤں پہ تحقیق کے امکانات کو اجاگر کرتا ہوں رائے نہیں دیتا فیصلہ نہیں کرتا ہوں اور آنے والوں کیلیئے تحقیق کی راہوں کو پیش کرتا ہوں کہ ان

پر غور و فکر کریں شاید کسی حقیقت کا ادراک کرلیں جو آراء کا ہجوم ہے ان کی نقاب کشائی کر کے بتاتا ہوں کہ ان میں کتنا دم خم ہے۔

اس دور میں ہر شخص جانتا ہے کہ ارتقاء کا سلسلہ کائنات سے لیکر فرد تک محیط ہے اقوام سے لیکر فرد تک ارتقاء کے سفر میں گامزن ہیں اسی طرح 23 سال جو اسلام کی تبلیغ ہوئی ہے اس میں بھی ارتقاء کا عمل واضح نظر آتا ہے یعنی انسانی شعور کو انگلی تھام کر ایک ایک سیڑھی پر چڑھایا گیا ہے ہر پیغام کئی مرتبہ دہرایا گیا ہے اور ہر مرتبہ کچھ ترقی یافتہ شکل میں پیش کیا گیا ہے۔

اسی لئے قرآن کریم میں ناسخ و منسوخ کا پتہ ملتا ہے دراصل یہ ارتقائے شعور کے مراحل سے متعلق تھا جو سیڑھی دی گئی وہ بعد والی سیڑھی پہ قدم رکھتے ہی ترک ہو جاتی ہے یہ متروک و منسوخ آیات شعور کی ابتدائی مراحل میں تو اُتنی ہی اہمیت کے حامل تھے جتنے کہ آخری منزل کی آخری سیڑھیاں مثلاً

کفار کا نظریہ تھا کہ انسان اپنے آپ ہی مرجاتا ہے اور پھر فناہ ہو جاتا ہے جیسے ایک پودا اگتا ہے، بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہو کر مر جاتا ہے، جیسے ایک کلی غنچہ بنتی ہے پھر پھول بن کر، سوکھ کر بکھر جاتی اور فنا ہو جاتی ہے۔

اس وقت ضروری تھا کہ انسان کو بتایا جائے کہ یہ موت صرف کیمیاوی عمل کے مرہونِ منت نہیں ہے بلکہ انسان کو خود اللہ جل جلالہ مارتا ہے انسان تب مرتا ہے

جب یہ عقیدہ راسخ ہو گیا کہ انسان یونہی خود بخود نہیں مرسکتا تو پھر اگلی سیڑھی پہ فرمایا گیا کہ اللہ کے شایان شان نہیں کہ وہ خود موت کا عمل کرے بلکہ اس کے حکم سے ملک الموت مارتا ہے کیونکہ وہ فاعلِ مجازی ہے اس لئے فاعلِ حقیقی تو اللہ ہی رہے گا

پھر اگلی منزل پہ فرمایا کہ اللہ نہیں مارتا اور ملک الموت بھی نہیں مارتا بلکہ اللہ کے رسول مارتے ہیں۔

کیونکہ اللہ انا کی طرح ہے اور رسول اس کے مظہر ہیں اور ملکوت اس کے مقامِ آلیت (آلہ کار) پر فائز ہیں اس لئے آلہ فاعل مجازی ہوتا ہے اور فاعل حقیقی پھر بھی خالق ہی رہے گا۔

(اس کی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام سے جو ابن الکوا کا مکالمہ ہے اس میں موجود ہے یہاں میں نے اجمالی ذکر کیا ہے)۔

آپ یہ سمجھ لیں کہ یہ باتیں انسان کے شعور کے ارتقاء کے نقوشِ قدم ہیں؟ جیسے جیسے شعور ارتقاء کے سفر میں اونچا ہوتا جاتا ہے تعینات بدلتے جاتے ہیں یہ ارتقاء ایک فرد سے اقوام اور اقوام سے کائنات تک محیط ہے۔

اگر اسی طرح ہم کائنات سے فرد تک جو محیط ارتقاء ہے اس کو بالائے طاق رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں گے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آخری ایامِ حیاتِ ظاہری تک کامل نبی نہیں بن سکے کیونکہ پورے 23 سال اللہ کی طرف سے ٹوکنے کا عمل نظر آتا ہے۔

جیسے ایک کاریگر اپنے شاگرد کو سیکھنے کے عمل میں بار بار ٹوکتا ہے استاد شاگرد کے معاملے میں تو یہ ہوتا ہے کہ جیسے جیسے شاگرد کا فن کامل ہوتا جاتا ہے ٹوکنے کا عمل گھٹتا جاتا ہے۔

مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پوری حیات طیبہ میں ٹوکنے کا عمل کم نہیں ہوا بلکہ آخری آیت کا نزول اور بھی سخت قسم کا عمل تھا یعنی اگر آپ نے یہ کام نہیں کیا تو فما

بلغت رسالۃ تو آپ نے رسالت کا کوئی کام کیا ہی نہیں ۔
کبھی کہا جاتا ہے کہ تم نے بدر کے شہداء کے قاتلین کو معاف کیوں کر دیا ہے؟ کبھی کہا جاتا ہے وحی نہ آتی تو تم اس معاملے میں گمراہ ہو جاتے ،کبھی کہا جاتا ہے ہم تم سے وحی چھین لیں تو ہمارا کیا بگاڑ لوگے یہ کیا ہے؟
اتنی دھمکیاں کوئی بھی شریف انسان کسی پر احسان کر کے نہیں دیتا اور کوئی کسی کو مال دینے والا اس پر کوئی احسان نہیں جتلاتا ہاں جب سرکشی کرتا ہے تو پھر کہتا ہے کہ تمہیں جو کچھ دیا ہے یہ نہ دیتا تو تم کہاں ہوتے وغیرہ وغیرہ
اب یا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اظہارِ تشکر پہ شک کرو کہ وہ روزانہ ستر 70 مرتبہ استغفر اللہ اور ستر 70 مرتبہ شکراً للہ پڑھتے تھے وہ کسی اور غرض سے تھا یا پھر مانو کہ یہ سب کچھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے متعلق نہیں بلکہ امت کے ارتقائے شعور سے متعلق ہے اور متشابہات وغیرہ کا وجود بھی اس ارتقاء کے عمل کو مزید واضح کرتا ہے ۔
میں تو اتنا عرض کرونگا کہ وحی کا داخلِ ذات ہونا غیر ممکن نہیں ہے پھر عنوانیہ آیت اور اسکے ہم مزاج دیگر آیات اسلام کے ابتدائی شعور کا پتہ دیتے ہیں ۔
کفارِ مکہ تو شاعر مجنون اور عادی بشر سمجھ رہے ہیں کسی بات کا یقین کرنے کو تیار نہیں ، کسی عہدے کو قبول نہیں کرتے ہر بات پہ ضد کر رہے ہیں اسلام کے خلاف جو سب سے بڑا عقلی استدلال ہو رہا تھا وہ یہ تھا کہ اگر اللہ ایک ہے تو وہ اتنے ڈھیر سارے کام کیسے کر سکتا ہے جبکہ ہمارے 360 خدا ہیں اور ہر خدا اپنی علیحدہ علیحدہ ڈیوٹی سنبھالے ہوئے ہے کوئی بارش برساتا ہے، کوئی نباتات اگاتا ہے ،کوئی انسان کی

نسل میں ترقی دیتا ہے وغیرہ وغیرہ

لہٰذہ اتنے سارے کام تو زیادہ خدا ہی کر سکتے ہیں ایک فرد واحد تو گھر کے پورے کام بھی نہیں کرسکتا اس استدلال سے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے استدلال کے خلاف ہی پیش کی گئی ہے یعنی

☆قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الیّ

یعنی فرما دیں میں تو تمہاری مثل بشر ہوں مگر میں صاحبِ وحی ہوں مجھے حکم ہوا کہ کہہ دوں۔

☆الٰهکم الله واحد

تمہارا اللہ ایک ہے

اللہ کے ایک ہونے کی بات کفار ہی سے ہوسکتی ہے مسلمانوں سے نہیں جو متعدد مانتے ہیں انہیں ایک کا سبق دیا جا رہا ہے جو اسلام کا سب سے پہلا سبق ہے کہ اللہ کو ایک مانو اور مجھے صرف صاحبِ وحی مان لو اور بس۔

یہ اسلام کے ارتقاء کی پہلی سیڑھی ہے

ایک مہربان نے کہا کہ کفار تو پہلے ہی بشر کہہ رہے تھے ان کا ناطقہ یہ کہہ کر کیوں بند نہیں کر دیا گیا کہ ہم بشر نہیں ہیں بشر نما ہیں۔

میں نے عرض کی جناب لفظ ''مثل'' بھی فارسی اردو لفظ ''نما'' ہی کا متبادل ہے جو کہ عربی زبان کا اسلوب اور خاصہ رہا ہے۔

دوسرا جواب یہ کہ اگر انہیں بتا دیا جاتا کہ ہم بشر نہیں ہیں تو وہ فوراً کہتے کہ ہماری ہدایت کیلئے کسی بشری کو آنا چاہیے تھا اس سے بہتر صورت یہی ہے کہ وہ جو کچھ مان

رہے تھے اسی پہ انہیں نبوت کا قائل کیا جائے۔
تیسرا جواب یہ ہے کہ اگر بشر کا یہ مطالبہ درست مان لیا جائے تو پھر ہر نوع تقاضہ کر سکتی ہے کہ رحمت العالمین کو ہماری نوع کا ہونا چاہیے اس طرح جملہ انواع عالم کے علیحدہ علیحدہ انواع میں ہادی پیش کرنا پڑتے۔
اگر یہ کہا جائے کہ ہمارے لئے غیر نوع کا ہدایت کرنا مانع ہدایت ہے تو جنات کیلئے اور دیگر ہزاروں انواع کیلئے ان ذواتِ اقدس کا نوع بشر سے ہونا کیا مانعِ ہدایت قرار نہیں پائے گا۔
آخری جواب یہ ہے کہ
یہ تو اللہ کے راز ہیں جیسا کہ ارشاد ہے
☆نحن الاسرارالالهية
ہم اللہ کے راز ہیں
اگر یہ حقیقت بیان کر دی جاتی تو راز فاش ہو کر راز نہ رہتا اور ان کی عظمت کا راز ان کا سرِ الٰہی ہونا ہی ہے نہ کہ بشر ہونا۔
ماننا پڑے گا کہ یہ اسلام کے ابتدائی اسباق ہیں جو شعور کے دشمنوں کو شعور دلانے کیلئے تھے نہ کہ پوری کائنات کو اپنی ذات کی حیثیت بتانے کیلئے۔
کفار کے سوالات اور خرافات کو جمع کر کے دیکھیں تو ایسی آیات کا جواب مل جاتا ہے مثلاً ہماری طرف کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا گیا جو ہماری ہدایت فرماتا۔
اللہ نے کیا جواب دیا ہے؟ سورہ انعام میں دیکھیں
☆قالوا لولاانزل عليه ملك ولو انزلنا ملكا لقضىَ الامر ثم لاينظرون

(8)ولو جعلنٰہ ملکا لجعلنٰہ رجلًا وللبسنا علیھم ما یلبسون(9)
وہ کہتے ہیں ہمارا ہادی کوئی فرشتہ کیوں نہیں آیا تو خالق نے فرمایا اگر ہم ان پر کوئی فرشتہ نازل فرماتے تو کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا پھر یہ بھی ہے کہ ہم اگر ہادی کسی فرشتے کو بناتے تو اسے بھی مرد بناتے اوراس پر بشری لباس ہوتا جیسا کہ ان کا ہے۔

تو ان جوابات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہادی کا ظاہر بشری ہی ہونا لازم ہے ذات چاہے جو بھی ہے ذات کا بشر ہونا ضروری نہیں، لباس بشری ضروری ہے تاکہ انسان اس ہادی سے مانوس رہے۔

مغربی دنیا اسلام کا یہ احسان آج تک مانتی ہے کہ اسلام نے یہ درس دیا ہے کہ کسی چیز کی تحقیق کرنے سے پہلے کوئی نظریہ قائم نہیں کرنا چاہیے بلکہ تحقیق کے بعد جو حاصل ہو اس سے نظریہ وضع کرنا چاہیے۔

مگر یہاں اسلام کے مفکرین نے اغیار کی اتباع میں پہلے نظریات وضع کر لئے ہیں اوراس کے احسانِ عظیم کو تقلیدِ یونان میں غرق کر کے ایسے کلیات ومسلمات بنا لئے ہیں جو اسلام اور قرآن کی قامت موزوں پر راست ہی نہیں بیٹھتے اور وضع کردہ کلیات ومسلمات سے متناقض آیات کو مروڑ توڑ کر انہی نظریات پر فٹ کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ جملہ علوم مسلسل ترقی کر رہے ہیں مگر اسلام کے مذہبی علوم جہاں کل تھے آج بھی وہیں ہیں بظاہر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے اور حقیقت مسدود ہے دیمک خوردہ فلسفے اور منطق سے استفادہ کر کے خرافات اُگلے

جار ہے ہیں اگر کوئی جدید طرز پر تحقیق کرتا ہے تو تفسیر بالرائے کا لیبل لگا دیا جاتا ہے چاہے وہ تفسیر قرآن بالقرآن ہی کیوں نہ ہو۔

آج تک وہی الفاظ دہرائے جا رہے ہیں جو صدیوں سے کفار کے تلخ و گستاخ لہجے کی زینت رہے ہیں ہم تو ہمہ وقت یہی دعا کرتے ہیں کہ ہمارے آقاء مولا ولی العصر عجل اللہ فرجہ الشریف کا جلد ظہور اجلال ہوتا کہ جملہ فسادات کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہو جائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمؑ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک

باب نمبر 7

مواردِ مثل

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے رہ نوردانِ طریقِ عرفان!

ہم وحدت نوع کے تصور کے مختلف پہلوؤں پہ کچھ نہ کچھ روشنی ڈال چکے ہیں جب میں یہ کتاب لکھ رہا تھا تو میرے ایک بزرگ مہربان نے فرمائش کی کہ ایک اشکال وہ ہے کہ جس پہ انفرادی بحث انتہائی ضروری ہے اور آج تک کسی نے اس پہلو پہ روشنی نہیں ڈالی لہٰذہ تم اس پہ ایک علیحدہ باب ضرور قائم کرنا۔

حالانکہ میں نے لفظ مثل کے بارے میں اس پہ کچھ بحث کی ہے مگر یہاں علیحدہ باب کی حیثیت سے بھی ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

عام اعتراض یہ ہوتا ہے کہ کیا دو مختلف انواع کو کبھی لفظ مثل سے مرتبط کیا گیا ہے جیسے کہیں اور کسی کتاب میں ایسی کوئی صورت موجود ہے کہ ''اسد مثلکم'' یعنی شیر تمہاری مثل ہے۔

اس اشکال کے جواب کی دو صورتیں ہیں

(1) یہ کہ ایسی عبارتیں پیش کی جائیں کہ جن میں ایک ہی نوع کے افراد کو لفظ مثل

سے ایک دوسرے کا غیر بتایا گیا ہو۔

(2) دوسری صورت یہ ہے کہ دو مختلف انواع کو مثلکم سے ایک قرار دیا گیا ہو حقیقت یہ ہے کہ ہر زبان کا ترکیبِ الفاظ کا اپنا اپنا اسلوبِ بیان وترقیم ہوتا ہے۔

ہر قوم کا یا ہر زبان کے جو اہلِ زبان ہوتے ہیں ان کے بارے میں اپنی زبان کے بارے میں جو رویہ ہوتا ہے وہی لسانیات کا اصل ہوتا ہے۔

اسی کلیے کے تحت سبع معلقہ طلباء سے رٹوائے جاتے ہیں اور قرآن کی زبان کو سمجھنے کے لیے قدیم عرب بدو شعراء سے استناد کیا جاتا ہے اگرچہ یہ طرزِ حصول قابلِ قدر نہیں ہے مگر رائج ہے۔

اب ہم بھی دیکھتے ہیں کہ عام عرب اور اہل زبان عرب نے لفظ مثل سے کبھی نوع مراد لیا ہے یا نہیں؟

میں یہ بات سو فیصد یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ لفظ مثل کو ہمیشہ صفاتی اشتراک کیلئے بولا جاتا تھا اور اس سے من حیث الکل کسی نے مثلیت ثابت نہیں کی ہے جیسا کہ عرب شعراء کا اس بارے میں رویہ رہا ہے۔

(1) شہزادہ علی اکبر علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں ایک عرب شاعر نے کہا ہے

☆هل تر عين نظرت مثله من محتف يمشى و لانا على

اس شعر کو سبھی صاحبان مقتل نے اپنی اپنی مقتل میں نقل کیا ہے اس میں شہزادے پاک علیہ الصلوات والسلام کو بے مثل کہا گیا ہے اگر اس شعر میں لفظ مثل سے مراد نوع ہے تو ان کی نوع کے افراد بقولِ دشمنان لاکھوں تھے اور بقولِ دوستاں پورا پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام ان کی نوع سے تھا۔

ان کی انفرادیت کسی صورت میں نہیں رہتی حالانکہ سبھی اہلِ زبان جانتے ہیں کہ لفظ مثل سے کہیں بھی نوع مقصود نہیں ہوتی۔

(2) خطیب خوارمی اور بہت سے لوگوں نے ایک حدیث نقل کی جسے فضائل امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کے ضمن میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے مولا امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام سے فرمایا۔

☆مثلك فی امتی مثل المسیح عیسیٰ ابن مریم

میری امت میں آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مثل ہیں اگر یہاں نوع مراد ہے تو فضیلت نہیں کہ اس کے اور یہ ایک طرح سے تحصیل حاصل بھی ہے عقلمند حضرات بے سود سمجھتے ہیں پوری نوعِ بشر بقول غیراں اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نوع ایک ہے اگر یہاں کوئی اور بات ہے تو مشکلم سے استدلال کرنے والے اپنا استدلال واپس لیں۔

(3) جناب مسلم بن عقیل علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں اکثر کتبِ مقاتل میں ہے

کان مثل الاسد

وہ شیر کی مثل تھے

اگر اس سے نوع مراد ہے تو یہ فضیلت نہیں توہین ہے اگر اس سے صرف ایک صفت کا اشترک مراد لیا گیا ہے تو یہی ہمارا مقصود ہے اگر نوع مراد نہیں ہے تو پھر کسی کا لفظ مثل کو نوع کے طور پر لانا باطل ہوگا۔

(4) یحییٰ بن ضحاک کے بارے میں امام ہشتم مولا علی رضا علیہ الصلوات والسلام کا فرمان ہے۔

☆ ولم یکن فی خراسانِ مثله...... احتجاج ف439

کہ ان کی مثل کوئی خراسان میں نہ تھا

کیا اس فرمان سے کوئی یہ استدلال کرسکتا ہے کہ وہ نوعِ بشر کا فرد ہی نہ تھا جس طرح لفظ مثل سے اسے کوئی نوعِ بشر سے خارج نہیں کرسکتا اسی طرح لفظ مثلکم سے کوئی پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کو داخلِ نوعِ بشر نہیں کرسکتا۔

(5) حضرت سلمان فارسی محمدیؑ کے بارے میں مشہور حدیث ہے

☆ من لکم بمثل لقمان الحکیم ......نہج الاسرار ف190

آپ لوگوں میں سلمانِ فارسی علیہ السلام جناب لقمان کی مثل ہیں۔

اگر لفظ مثل سے مراد نوع ہے تو فضلیت نہیں اگر مثل سے نوع پر قیاس کرنا جائز نہیں تو پھر " مثلکم " سے وحدتِ نوع پہ قیاس کہاں جائز ہے۔

(6) جناب امام صادق علیہ الصلوات والسلام سے جزائے گریہ و بکا علی الحسین علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں فرمان ہے جس کا ایک حصہ ہے۔

☆ دمع ولو مثل جناح البعوضة......الخ

کہ مچھر کے پر کی "مثل" بھی آنسو ہوگا تو بخششِ گناہ ان کا موجب ہوگا۔

یہاں بھی لفظ مثل استعمال ہوا ہے کیا آنسو اور مچھر کا پر بھی کوئی نوع رکھتے ہیں؟ اگر ان کی علیحدہ کوئی نوع ہے تو اس کا تذکرہ کتبِ منطق میں کیوں نہیں اگر کوئی بضد ہوا کہ ان کی بھی کوئی نوع ہے تو پھر جنس، فصل، خاصے بھی بتانا پڑیں گے بصورت دیگر تسلیم کرنا ہوگا کہ عربی زبان میں لفظ مثل سے کسی نے بھی نوع مراد نہیں لی جب لفظ مثل سے استدلال عربی زبان کے اسلوب کے خلاف ہے تو " بشر مثلکم " سے

استدلال کیسے جائز ہے؟

(7) ایک حدیث ہے

☆جزآء سیتة سیئة مثلها

برائی کی جزاء اس کی مثل برائی ہے

یہاں بھی لفظ مثل استعمال ہوا ہے اور ''برائی کی مثل برائی'' سے کسی نے اصطلاحی مثل مراد نہیں لی کیونکہ برائی کی کوئی اصطلاحی نوع ہے ہی نہیں۔

(8) بحر المعارف میں مولائے کل امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا ایک خطبہ ہے جس کا آغاز ان الفاظ سے ہوا ہے۔

☆ایها الناس مثلکم حمار مغموض العین ف288

اے لوگو تم آنکھیں باندھے ہوئے گدھے کی مثل ہو۔

کیا اس خطبے سے انسان کی نوع اور گدھے کی نوع ایک کا نظریہ وضع کیا جا سکتا ہے کیونکہ جملہ منطقی صاحبان نے انسان اور گدھے کی نوع جدا جدا بیان کی ہے کیونکہ مولائے کل شہنشاہِ نجف علیہ الصلوات والسلام جانتے تھے کہ لفظ مثل سے نوع پہ استدلال کوئی شخص نہیں کرسکتا اور یہ لفظ استعارہ اور تشبیہ کیلئے آتا ہے اور تشبیہِ کلی بھی اس سے مراد نہیں ہوتا بلکہ بعض صفات کے اشتراک پر لفظ مثل بولا جاتا ہے یہی عربوں کا اسلوبِ زبان ہے۔

(9) جن صاحبان نے لفظ مثل سے نوع پر قیاس کیا ہے وہی اپنے کتبِ مقاتل میں دھڑا دھڑ لفظ مثل استعمال کر کے بعض صفات کا اشتراک مراد لیتے چلے جاتے ہیں مثلاً شام غریباں کے ضمن میں لکھا ہے کہ ایک شہزادی صلوات اللہ علیہا نے اپنی پھوپھی

پاک صلوات الله علیہا سے سوال کیا کہ کیا آپ کے پاس سر ڈھانپنے کو کوئی کپڑا ہے کہ میں اپنا سر ڈھانپ سکوں تو جواب میں معظّمہ کونین صلوات الله علیہا نے فرمایا

☆یا بنتاه عمتك مثلك ......سعادت الدارین ف435

میری بیٹی تمہاری پھوپھی بھی تمہاری مثل ہے۔

یہاں لفظ مثل صرف ایک صفت کیلئے آیا ہے یا ایک حالت کیلئے یعنی (سر برہنا ہونا) اگر چہ یہ روایت وضعی ہے مگر اس کی عربی عبارت پہ کسی نے انگشتِ تنقید نہیں رکھی ہے کیونکہ عربی زبان کے مزاج شناس لوگ جانتے ہیں کہ لفظ مثل سے نوع پر قیاس کرنا جائز ہے ہی نہیں پھر ان حضرات سے ہم کیا کہیں کہ جنہوں نے ''مثل'' کو بنیاد بنا کر نوعِ خاندن تطہیر علیہم الصلوات والسلام پہ استدلال کیا ہے۔

(10) نہج الاسرار میں امیر کائنات علیہ الصلوات والسلام کا ایک خطبہ ہے جس کا ایک فقرہ یہ ہے۔

☆انا ذا فمن مثلی

میں وہ ہوں کہ جس کی کوئی ''مثل'' نہیں

(11) خطبۃ البیان اور دیگر ایک دو خطبات میں بھی مولائے کل امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے ایک فقرے کا اعادہ فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

☆انا الذی لیس کمثله شیء

میں وہ ہوں کہ جس کی مثل کوئی شئے نہیں ...... نج الاسرار ف126 ،مشارق الانوار

ان دونوں فقروں میں مولائے کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا ہے کہ میری مثل کوئی نہیں حالانکہ'' انا و علی علیہ الصلوات والسلام من نور واحد '' کے تحت اور نہیں

تو جناب رسالت ماب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تو ان کی مثل تھے جن لوگوں نے ان فقرات پہ تنقید کی ہے انہوں نے لفظ مثل پہ اعتراض نہیں کیا یا عربی عبارت کو نشانہ تنقید نہیں بنایا بلکہ مفہوم پہ تنقید کی ہے اگر وہ اس حقیقت کو سمجھ لیتے کہ عربی اسلوبِ زبان میں لفظ مثل سے نوع پہ قیاس جائز نہیں تو صفات میں وہ بھی مان لیتے کہ ان ذوات کی مثل ان کا غیر کوئی نہیں ہے۔

(12)اصول شریعہ میں واقعہ معراج میں مولائے کل امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی عدم موجودگی کے ثبوت میں ایک روایت پیش کی گئی ہے، معراج سے واپسی پہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے برادر بہ جان برابر سے فرمایا کہ جب ہم عرش پہ پہنچے تو

☆قال لی جبرائیل این اخوك

جبرائیل نے مجھ سے کہا کہ آپ کے بھائی کہاں ہیں؟

☆فقلت خلفته ورائی

ہم نے فرمایا ہم انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہیں۔

☆قال ادع الله فلیا تك

اس نے عرض کی کہ اللہ سے دعا کریں وہ آپ کیلئے انہیں یہاں منگوالیں

☆فدعوت الله فاذا مثلك معی

پس میں نے دعا کی تو تمہاری ''مثل'' کو اپنی معیت میں پایا......اصول شریعہ ف402

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر لفظ مثل سے نوع پہ قیاس کرنا جائز ہے تو کیا وہاں عرش پہ کوئی بشر موجود تھا؟ اگر کوئی فرشتہ تھا تو کیا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نوعِ ملکوت

سے تعلق رکھتے ہیں؟

اگر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نوعِ بشر سے تھے اور فرشتہ نوعِ ملکوت سے تو یہ کس منطقی قانون کے تحت ایک دوسرے کی مثل قرار پائے ہیں یہ فلسفہ ہمیں سمجھ نہیں آیا کہ لفظ مثل ذواتِ پاک کو اپنی نوع سے ثابت کرنے کیلیئے اتنا اہم ہو جاتا ہے کہ نوع کے علاوہ کچھ قیاس کرنا جرم ہے جب اسی لفظ مثل سے مولائے کل کا معراج پہ جانا ثابت ہو جاتا ہے تو لفظ مثل کا ترجمہ مثال سے کر دیا جاتا ہے اور لفظ مثال سے شبیہ مراد لی جاتی ہے۔

اگر یہ طریقہء استدلال جائز ہے تو پھر ہمیں بھی کہنے کا حق ہے کہ یہ پاک خاندان مثالِ بشر تھے اور صرف بشر کی شبیہ تھے نہ کہ عین بشر کیونکہ آیت میں بھی یہی الفاظ ہیں ''بشر مثلکم '' تمہاری شبیہ بشر ہوں پھر اسی کتاب میں ہے کہ سات مقامات پہ جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی ''مثل'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نظر آئی یعنی بیت المعمور پہ پردہ وحدت کے قریب بوقت مناجات مختلف سماوات پر وغیرہ وغیرہ

ایک روایت جو انہوں نے درج کی ہے بہت مضحکہ خیز ہے اسے بھی اختصار کے ساتھ لکھتا چلوں کہ ایک آسمان پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک شیر کو دیکھا تو سوال کیا کہ یہاں میرا بھائی کیسے پہنچ گیا ہے جبرائیلؑ نے کہا حضور کو اشتباہ ہوا ہے یہ آپ کے بھائی نہیں ان کی شبیہ اللہ نے آسمان پر بنائی ہے تا کہ فرشتے زیارت کر سکیں دراصل یہ ایک فرشتہ ہے (خلاصہ)

اس روایت کی مختلف شکلیں دیکھ لیں

(1) شیر کی شکل کی شبیہ دیکھی تو سوال کیا کہ میرا بھائی کیسے یہاں آیا ہے؟ کیا مولائے کل کی شکل نعوذ باللہ شیر کی تھی؟

(2) اگر شکل مولائے کل علیہ الصلوات والسلام کی تھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ روایت میں یہ الفاظ کیوں ہیں کہ ایک شیر کو دیکھا۔

(3) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سوال کرتے ہیں یہ میرا بھائی یہاں کیسے آیا ہے جبرائیل وضاحت کرتے ہیں آپ کا بھائی نہیں فرشتہ ہے۔

یہاں یہ فیصلہ بھی کرنا ہے کہ یہاں غلط فہمی کسے ہوئی ہے (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو یا جبرائیل کو (نعوذ باللہ)

(4) یا یہ ماننا پڑے گا کہ لفظ ''شیر'' بطور استعارہ آیا ہے تو جب ان کے بارے میں لفظ مثل کے ماتحت استعمال ہونے والے الفاظ اسد وغیرہ بطور استعارہ آئے ہیں تو لفظ مثل کے ماتحت لفظ بشر کو بطور استعارہ کیونکر نہیں مانا جا سکتا؟

جس دور میں میں کلاسیقی ادب کے مطالعے میں مصروف تھا تو شعریات کے پورشن میں استعارے کے بارے میں مختلف آراء دیکھے بعض کہتے تھے کہ مستعار لہ اور مستعار منہ بہ اعتبار معنی ایک ہیں یعنی مجازی معنی بھی حقیقی ہیں۔

بعض کا قول تھا کہ استعارہ زباں کے رویے کے ماتحت ہوتا ہے اور مستعار لہ اور مستعار منہ میں معنوی اختلاف ہے۔

دلائل الاعجاز میں علامہ جرجانی نے خوب کہا ہے

کہ اگر کوئی کسی جنگ کا تذکرہ کرتا ہے اور کہتا ہے

☆رایت اسدا و ھو خارج من العسکر

تو اس سے مراد کوئی احمق حقیقی شیر کونہیں لیتا بلکہ اگر کوئی اسد سے مراد بہادر جوان کے بجائے جانور شیر سمجھ لے تو کہنے والے کے مقصد سے بعید ترین معنی ہونگے پھر جو شخص اسالیب زبان سے نا آشنا ہوتا ہے وہ قائل کے مقصد سے بعید ترین معنی حاصل کرتا ہے جس سے زبان کا حسن بھی مجروح ہوتا ہے اور کلام کا مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے اسی طرح اگر گاؤ زبان کا مقصد گائے کی زبان مانا جائیگا تو حقیقت کے خلاف ہوگا اسی طرح الفاظ کے اسالیب کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

اب دیکھئے جناب ابوالفضل العباس علیہ الصلوات والسلام کے بارے میں کتب تواریخ و سیر میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

☆وھواسد الھیجاء

وہ میدان جنگ کے شیر تھے

اب لفظ اسد سے کوئی بھی نوع پہ استدلال نہیں کرسکتا۔

حقیقت یہ ہے کہ الفاظ بغیر الفاظ وحروف تشبیہ کے بھی قابل استدلال نہیں ہوتے تو پھر الفاظ تشبیہ کی موجودگی میں کس طرح ہو سکتے ہیں واقعہ معراج میں لفظ ''اسد'' سے اور آیتِ محولہ سابقہ سے لفظ بشر سے نوعیت پہ استدلال کرنا اسالیبِ زبان کے خلاف ہے۔

یہاں ایک وضاحت کرتا چلوں میرا کسی شخص سے ذاتی اختلاف نہیں ہے اس لئے ناگزیر حالات میں کتب کا حوالہ دیتا ہوں ورنہ اتنا سا حوالہ بھی نہ دیتا تاکہ عوامی جارحیت کا رخ کسی فرد کی طرف نہ مڑے اور علم کے میدان میں اختلاف رائے اگر مثبت ہو تو معیوب نہیں ہوتا اگر کوئی شخص وجودِ خدا سے منکر ہے اور اس پہ اپنے آراء

پیش کرتا ہے تو یہ اس کا علمی حق ہے ہمیں اس کی ذات پر حملہ نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس پر اپنی رائے مسلط کرنا چاہیے چھوٹے چھوٹے فقہی مسائل پہ بڑے بڑے مراجع میں اختلاف موجود ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی کی ذات کو نشانہ تنقید بنایا جائے اس لئے چند حوالے پیش کرنے پر بھی ان سے معذرت خواہ ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ جن فاضل حضرات کے کتب کے میں نے حوالے دیئے ہیں ان کا اپنا ایک علمی مقام ہے اور انہیں اپنی رائے پیش کرنے کا بنیادی حق حاصل ہے اور ہمیں بھی اپنے نظریات کے تحفظ کا حق حاصل ہے۔

میں اپنے مطالعاتی برسوں کو کسی نہ کسی ایک نئے علم کیلئے وقف کرتا رہا ہوں یعنی میں اپنے مطالعے کو بے لگام چھوڑنے کی بجائے مروجہ جدید وقدیم علوم کو سپیشلائزیشن کی طرح مرتب کرتا ہوں جس سال میں نے نفسیات (سائیکالوجی) کو پڑھا تھا اس کے بعد سے مجھے اپنے رویوں میں سے جارحیت کو نکالنا پڑا کیونکہ نفسیات کا ایک علیحدہ باب اس پہ قائم ہے کہ انسان فطرتاً جارح ہوتا ہے اور اپنی جارحیت کی پیاس بجھانے کیلئے وہ کسی نہ کسی کو قربانی کا بکرا بناتا ہے یہ قربانی کا بکرا (Scapegoat) والی اصطلاح یہودیوں کے قدیم رسومات سے بنی تھی کہ وہ سال میں ایک مرتبہ ایک بکرا لیکر اس پر پورے گاؤں کے ہاتھ رکھوا کر اقرارِ گناہ کرواتے تھے۔

جب ہر کوئی اس پہ ہاتھ رکھ کر اپنے گناہ بیان کر لیتا تھا تو اس بکرے کو جنگل میں چھوڑ دیا جاتا تھا اور فرض کر لیا جاتا تھا کہ وہ پورے گاؤں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر لے گیا ہے اب سارے گناہ اس کے سر پہ ہیں۔

انسان فطرتاً جارح ہے اسے کسی نہ کسی قربانی کے بکرے کی ضرورت ہوتی ہے جسے وہ گالیاں دے کر اور ہاتھا پائی کر کے، لعنت تبرا کر کے پورا کرتا رہتا ہے اور انسان جتنا زیادہ جہالت کا شکار ہوتا ہے اس کی جارحیت اتنی ہی شدید ہوتی ہے جیسے عیسائی اور مسلمان علماء عوام کی جارحیت کا رخ یہودیوں کی طرف موڑ دیتے تھے اور جاہل عوام ان پر لعنت کر کے اپنی جارحیت کی پیاس بجھا لیتے تھے۔

اس دور میں بھی علماء ایک دوسرے کی طرف جارحیت کا رخ موڑنے کی کوشش کر رہے ہیں عوام کو تو کسی نہ کسی ایسے شخص کی ضرورت ہوتی ہی ہے کہ جس پر لعنت کر سکیں اور اپنی جارحیت نکال سکیں تو وہ فوراً اپنی جملہ جہالت کے باوجود کسی فاضل شخص پہ بھی لعنت کرنے سے نہیں چوکتے یہ علماء کی ذمہ داری ہے کہ بحث کے نتیجے میں پیدا ہونے والی جارحیت کے انتقال میں محتاط رہیں تا کہ اپنی صفوں میں منافرت کی فضا پیدا نہ ہو اس وضاحت کے بعد اپنی منزل کا سفر جاری رکھتے ہوئے عرض کروں گا کہ لفظ ''مثل'' کی بنیاد پر جو نوع پر استدلال کئے جاتے ہیں وہ عرب کی کلاسیکی زبان کے اسالیب ہی کے خلاف ہے اب ایک اور لفظ باقی ہے کہ جس پہ بحث کرنا انتہائی ضروری ہے وہ ہے (من)

من

جن حضرات نے وحدتِ نوع کے نظریے کو قرآنِ مقدس سے اخذ کرنے کی کوشش کی ہے ان لوگوں کا ایک متنازعہ لفظ ''مــن'' بھی ہے کہ جس میں ان سے اشتباہ صادر ہوا ہے۔

کلام الٰہی ہی میں اگر ''مـــــن '' کے استعمال کے مواقع دیکھ لئے جاتے تو شاید یہ جھگڑا پیدا ہی نہ ہوتا کیونکہ کثیر تعداد میں ان ذوات پاک علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں لفظ ''مـن '' استعمال ہوا ہے اور اس ''منیت'' نے اکثر مترجمین کو دھوکا دیا ہے کیونکہ ''منهم، منكم، منك، منها، منه '' وغیرہ کے الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں جن کے عام معنی بالترتیب ''ان میں سے''، ''تم میں سے''، ''تیرے میں سے''، ''اس عورت میں سے''، ''اس مرد میں سے'' کے ہیں اور ''ک، کم، ہ، ہم'' وغیرہ واحد جمع کا اعلان کرتے ہیں اصل متشابہ لفظ ''من '' ہے۔

رسولا ''من'' ہم رسولا ''من'' کم اور ایک بزرگوار نے تو پوری کتاب میں انہی الفاظ کے سہارے پہ وحدتِ نوع کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے میں سمجھتا ہوں کہ انہوں نے کسی بدنیتی کی بنیاد پر ایسا نہیں کیا ہوگا بلکہ سمجھنے میں دھوکا کھایا ہے ورنہ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ کلامِ پاک میں بیسیوں مقامات پر مختلف النوع افراد کو ''من'' سے ایک بتایا گیا ہے اور لفظ ''من'' سے وحدتِ نوع پہ کسی نے استدلال نہیں کیا اور ''منیت'' کے باوجود علیحدہ نوع مسلم ہے مثلاً سورۃ فاطر میں ہے

☆(1)والله خلقكم من تراب...... (11)فاطر

اے انسانو اللہ نے تمہیں مٹی ''میں سے'' خلق فرمایا ہے دیکھئے انسان مٹی سے خلق ہوا ہے حالانکہ مٹی کی نوع اور ہے اور انسان کی نوع اور ہے مگر لفظ ''من'' کے باوجود کسی نے وحدتِ نوع پہ استدلال نہیں کیا اگر منھم اور منکم سے پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کی نوع کا کہا جائے کہ وہ نوعِ بشر سے تھے تو انسان کو نوعِ جمادات سے بھی ماننا پڑے گا جس طرح انسان جمادات سے نہیں اسی طرح پاک ذوات علیہم

الصلوات والسلام نوعِ بشر سے نہیں ہیں۔

☆(2)خلق الانسان" من" علق

انسان کو جمے ہوئے خون ''میں سے'' پیدا کیا گیا ہے

اگر خون ہی سے انسان کی تخلیق کو فرض کرلیا جائے تو تراب والا نظریہ غلط ہو جاتا ہے مگر حقیقتاً ان میں تناقض نہیں ہے لیکن یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کو نوع پہ استدلال کیلئے لفظ ''من'' کافی نہیں ہے۔

☆(3)خلقته " من" صلصال من حماء مسنون ......(33) الحجر

کہ انسان کو کھنکتی ہوئی مٹی ''میں سے'' خلق فرمایا جو گیلے کیچڑ میں سے تھی

اب دیکھئے انسان ''من'' طین ہے یا من تراب ہے یا ''من صلصال'' ہے تو پھر بھی مٹی کی نوع سے تعلق نہیں رکھتا جو ذوات پاک علیہم الصلوات والسلام ''من الناس'' ہیں من بشر ہیں تو وہ کس قانون کے تحت نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں جیسا کہ ''من'' کا لفظ کلیت کیلئے آتا ہی نہیں بلکہ کسی ایک جز کو بھی ''منیت'' میں داخل کیا جاسکتا ہے احتمال یہ بھی تو ہے کہ لفظ من سے روح انسان مراد ہو کیونکہ اصول کافی وغیرہ میں احادیث موجود ہیں کہ جس مادے سے انسان کی روح خلق ہوئی ہے اس مادے سے پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے اجسام وابدان خلق ہوئے ہیں جس کا ثبوت سایہ نہ ہونا وغیرہ ہے۔

تو لفظ منکم یا منھم سے یہی مقصود تو ہوسکتا ہے کہ یہ ذوات تمہاری روح جیسا لطیف بدن رکھتے ہیں اور روح ارکانِ ثلاثہ (بدن،نفس،روح) میں سے سب سے اعلیٰ رکن ہے اب کوئی شخص یہ اعتراض کرسکتا ہے کہ ''خاک'' انسان کے اربعہ عناصر میں

سے تو ہے لہٰذہ اللہ نے ایک عنصر کے حوالے سے کلام فرمایا ہے۔
ہم بھی یہی جواب دیں گے کہ روح بھی ارکان ثلاثہ میں سے ہے ممکن ہے کہ اللہ نے ایک رکن کے حوالے سے ارشاد فرمایا ہو اس سے ایک اور بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ جس طرح روح کی نوع معلوم نہیں اسی طرح ان کی نوع کا معلوم کرنا بھی محال ہے۔

☆(4)خلق الانسان "من" عجل

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انسان کو''جلدی'' میں سے خلق فرمایا گیا ہے اب صاحبانِ منطق سے گزارش کروں گا کہ وہ''عجلت'' کی نوع بتائیں کہ انسان من عجل ہے سابقہ آیات میں مٹی وغیرہ کا ذکر تھا تو ان کی کوئی نہ کوئی نوع تو تھی مگر''عجلت'' کو تو کوئی شخص مادہ ہی نہیں کہہ سکتا کیونکہ آج تک کسی مفکر نے تعجیل کو مادی چیز قرار ہی نہیں دیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر مادیات میں سے اگر کسی کی''منیت'' وابستہ ہو تو نوع پہ استدلال نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر مادیات سے بھی منیت وابستہ ہو سکتی ہے تو منیت کی حیثیت کیا بچتی ہے؟
جب لفظ''من'' میں اتنی جان بھی نہیں کہ صرف مادہ تخلیق ہی ثابت کر سکے تو اسے بنیاد بنا کر کسی انتہائی اہم عقیدے کو کیسے وضع کیا جا سکتا ہے۔

☆(5)خلقتنی "من" نار و خلقته من طین ......(12) اعراف

یہ ابلیس کا قول تقریباً تین مرتبہ کلام الٰہی میں دہرایا ہوا ہے کہ میں آدم سے بہتر ہوں کیونکہ مجھے تو نے آگ''میں سے'' پیدا فرمایا ہے اور آدم کو طین (مٹی) میں سے خلق فرمایا ہے آدم علیہ السلام کا تذکرہ تو گزر چکا ہے مگر ابلیس جو آگ میں سے خلق ہوا ہے

اس کے بارے میں ذرا ارسطو میاں سے کوئی پوچھ کر بتائے کہ

(1) آگ مادہ بھی ہے یا نہیں

(2) آگ کی نوع کیا ہے جنس وفصل وغیرہ کیا ہیں

آگ کے بارے میں تو معقولات میں لکھا ہے کہ یہ اتنی لطیف ہے کہ قائم بالذات بھی نہیں، قائم بالغیر ہے جب غیر جنس سے ملتی ہے تو قائم ہوتی ہے اپنی ذات پر قائم نہیں رہ سکتی آج تک کسی نے یہ مشاہدہ نہیں کیا کہ آگ جل بھی رہی ہو اور کسی چیز کو لگی ہوئی بھی نہ ہو یعنی لکڑی، کپڑا، پٹرول، تیل وغیرہ کے سہارے پہ اظہار پذیر ہو سکتی ہے وہ بھی آکسیجن کی محتاج ہے کہ اگر آکسیجن نہ ہو تو فنا ہو جاتی ہے جو قائم بالغیر چیز ہے اس سے پیدا ہونے والی چیز یا مخلوق کی نوع کیا ہوگی نور ہے یا نار یہ سب اعراض سے تعلق رکھتے ہیں جو ہر سے نہیں اگر ناری مخلوق کو عرض سے پیدا کر کے قائم بالذات کیا جا سکتا ہے تو نوری مخلوق کو نور سے خلق فرما کر قائم بالذات کیوں نہیں کیا جا سکتا؟

پھر جنات ہیں تو ان کے بارے میں ارشاد ہے

☆ (6) والجان خلقناه من قبل من نارالسموم...... (27) الحجر

جنات بھی آگ سے پیدا ہوئے ہیں وہ بھی زہریلی آگ سے اب اس زہریلی آگ کی نوع کیا ہے؟

کیا آگ اور جنات کی نوع ایک ہے، کیا جنات میں آگ کے صفات موجود ہیں؟ یعنی جلانا اور روشن کرنا

ابلیس بھی جنات میں سے ہے تو کیا ابلیس میں آگ کے صفات موجود ہیں یعنی جس

پر سوار ہو جاتا ہے اسے آگ لگا دیتا ہے یا روشن کر دیتا ہے؟ اگر یہ نہیں ہے تو پھر نوری مخلوق سے صفاتِ نوع کے اظہار کا مطالبہ کیوں؟

کیا ابلیس اور جنات بھی قائم بالغیر ہیں؟

یہ لفظ ''من'' کی منیت کی حیثیت ہے کہ جس کے سارے وحدتِ نوع کے نظریے کی عمارت کھڑی ہے۔

(7) اب کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ نار و خاک سے پیدا ونے والی مخلوق ایک علیحدہ نوع کی حامل ہوتی ہے نار میں سے جنات اور ابلیس ہیں اور مٹی سے انسان خلق ہوا ہے لہٰذہ مٹی میں سے خلق ہونے کے بعد جو اس کی علیحدہ نوع ہوگی اگرچہ خاکی ہوگی مگر ایک علیحدہ نوع ہوگی نہ کہ خاکی اس کا مطلب یہ ہوا کہ خاک سے پیدا ہونے والی مخلوق کی آپس میں تو نوع ایک ہونا چاہیے مگر یہ بھی ثابت نہیں ہے۔

جناب عیسیٰ علیہ السلام اپنی امت سے فرماتے ہیں

☆واذ تخلق " من" الطین کھیئۃ الطیر باذنی......الخ (110) المائدہ

کہ طائر کی ہئیت وشکل میں میں ایک پرندہ کو مٹی ''میں سے'' خلق کرنا چاہتا ہوں

یعنی جناب عیسیٰ علیہ السلام نے مٹی سے چمگادڑ خلق فرمائی یہ خاکی مخلوق ہے صرف شکل جدا ہے مادہ تخلیق وہ ہے جو انسان کا ہے تو کیا اس سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ انسان کی اور چمگادڑ کی نوع ایک ہے؟

کیا چمگادڑ اور مٹی کی نوع ایک ہے؟

اگر غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ مادہ تخلیق اگرچہ ایک ہی کیوں نہ ہو صرف شکل کے بدلنے سے بھی نوع بدل جاتی ہے اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ اگر شکل ایک

ہوتو مادہ تخلیق چاہے جدا ہی کیوں نہ ہوانہیں ایک حکم میں لایا جا سکتا ہے لہٰذہ خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کی شکلی مشارکت تو انسان و بشر سے ثابت ہے تو اس وجہ سے بھی ہوسکتا ہے انہیں لفظ ''من'' اور مثل سے بشر کہا گیا ہو اور ان کا مادہ تخلیق انسان کے مادہ تخلیق سے جدا ہو جیسا کہ متعدد احادیث و فرامین میں موجود ہے جیسا کہ فرمان ہے۔

☆نحن الا سرار الهية فی هیا کل البشریة

کہ ہم بشری لباس میں اللہ کے پوشیدہ راز ہیں اب یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ وحدتِ شکل کے باوجود اختلاف فی النوع کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

(8) دیکھئے قرآنِ کریم میں ابلیس کی نسل کے بارے میں ارشاد ہے

☆یوسوس فی صدورالناس من الجنة و الناس

اس آیت میں انسانی شیاطین کا وجود ثابت ہے جو نطفہ تو ابلیس کا ہیں۔

ان کا مادہ تخلیق ابلیسی ہے اور شکل میں انسان ہیں اور ''الناس'' نوع بشری کیلئے آتا ہے جو شیطان بھی ہیں اور من الناس بھی ہیں جس طرح ''من الناس'' سے ان کی ابلیسیت و ناریت متاثر نہیں ہوتی اسی طرح ومن الناس من یشری سے پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کی نورانیت متاثر نہیں ہوتی کیونکہ جب غیر نوع کیلئے ''من'' وحدتِ نوع کی دلیل نہیں بن سکتا تو اسی طرح پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں اگر لفظ من کم من ھم ''الناس'' وغیرہ سے مرکب ہو تو بھی وحدتِ نوع پہ دلیل کیسے بن سکتا ہے؟

(9) ایک صاحب جو میرے بہت ہی مہربان ہیں انہوں نے فرمایا کہ کوئی ایسی آیت

پیش کرو کہ جس میں لفظ ''من'' بھی ہو اور مثل بھی ہو اور نوع کا جدا ہونا بھی ثابت ہو میں نے عرض کی کہ ہم ایک آیت سے جدید سائنسی ایجادات کو ثابت کرتے ہیں وہ کونسی آیت ہے تو انہوں نے فرمایا۔

☆وخلقنا لهم من مثله ما يركبون......(42) يس

ہم انسانوں کیلئے ان سواریوں کی ''مثل'' میں سے خلق فرمائیں گے جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تھی اس وقت گھوڑے، گدھے، اونٹ ہاتھی وغیرہ کے علاوہ کسی ایسی سواری کا تصور بھی موجود نہ تھا جو اس دور میں ہے یعنی ریل گاڑی، موٹر کار، سائیکل، جیٹ اور بوئنگ راکٹ وغیرہ

وہ لوگ تو جانوروں پر سوار ہو رہے تھے اور خلق ہو گئیں مشینیں آہنی سواریاں، کیا یہ آہنی سواریاں اور جانوروں کی نوع ایک ہے؟

اب خود سوچتے چلے جائیں کیونکہ اس آیت میں لفظ مثل بھی ہے اور ''من'' بھی ہے مگر وحدتِ نوع کا کوئی تصور بھی نہیں ہے۔

ایک اور آیت میں ہے

☆وخلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها

اب اس مقام پہ ایک عجیب سی صورتِ حال سامنے آتی ہے کہ انسان کو نفس ''میں سے'' خلق فرمایا جو ایک ہی تھا اور اسی ''میں سے'' اس کے جوڑے کو بنایا اب اگر ''منیت'' پر شدت سے عقیدہ رکھنا ہے تو پھر نفسِ واحدہ یعنی جنابِ آدم علیہ السلام ہی سے جنابِ حوا کو پیدا شدہ ماننا پڑے گا جیسا کہ زمانہ قدیم میں یہ تصور تھا کہ جناب حوا

آدم علیہ السلام کی ایک پسلی سے پیدا ہوئیں۔

امام صادق علیہ الصلوات والسلام سے زرارہ ابن اعین سے روایت ہے کہ مولا نے فرمایا یہ بات غلط ہے کیونکہ اس سے آدم علیہ السلام کا اپنے ہی ایک حصے سے نکاح کرنا ثابت ہے جو شرعاً حرام ہے۔

میں نے ''اجمالاً'' ذکر کیا ہے تفصیل کیلئے دیکھئے انوار نعمانیہ ج1 ف240

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ لفظ ''من'' پر جتنا زور دیا ہے اس کی اتنی زیادہ اہمیت نہیں ہے پھر اس کے اقسام وضع کر لئے گئے مگر من کے معنی سے ''میں سے'' کو خارج نہ کیا جا سکا اور اس میں بھی نوعیت کی حد تک استدلال کی گنجائش پیدا نہ کی جا سکی اس کی مزید وضاحت منیت کے ضمن میں آئیگی۔

اصل معاملہ یہ ہے کہ انسان نفسیاتی طور پر تشہیر اور پروپیگنڈا سے بہت متاثر ہوتا ہے تشہیر کی نفسیاتی تعریف جو مغربی مفکرین نے دی ہے وہ یہ ہے تشہیر ایک ایسا فن ہے جس کے ذریعے کسی شئے یا نظریے کے بارے میں اس انداز سے معلومات بہم پہنچائے جائیں کہ پیش کرنے والے کے مقصد سے متاثر ہو کر اس پر عمل کیا جائے پروپیگنڈے کی تعریف رش وغیرہ نے اپنی کتاب سیکالوجی اینڈ لائف میں یہ کی ہے فرد یا گروہ کی کوئی بھی ایسی کوشش جس سے خیالات اور رویوں میں تبدیلی لائی جا سکے اور جس سے کوئی مطلوبہ عمل بروئے کار لایا جا سکے (پروفیسر فلائیڈ ایل رش)

پروفیسر ایس ای ایش نے یہ تعریف کی ہے۔

منظّم ذرائع کی وہ شعوری کوشش جس کا مقصد رائے اور رویوں میں تبدیلی لانا ہو اسے پروپیگنڈا کہا جاتا ہے اس پروپیگنڈا میں اہم حصہ استناد کا ہوتا ہے مثلاً فلاں

بڑے شخص نے یہ کہا ہے جیسے فلمی اشتہاروں اور اشیاء کے اشتہاروں میں مشہور لوگوں کا نام استعمال کیا جاتا ہے۔

جبکہ وہ پروپیگنڈا عوام کے رویوں کی ترجمانی بھی کر رہا ہو اس پر جلد یقین کر لیا جاتا ہے اور عوام اس پروپیگنڈے میں اپنے اندرونی اعتقادات اور رویوں کے مطابق ترمیم بھی کر لیتے ہیں۔

اب تاریخ اسلام کو دیکھیں 90 سال بنی امیہ کا پروپیگنڈہ ہوتا رہا جس میں یہ کوشش جاری رہی کہ خاندانِ تطہیر علیہم الصلوات والسلام کو نعوذ باللہ اپنے سے بھی کم تر ثابت کیا جائے اور یہی پروپیگنڈا لے کر محمد بن قاسم ہندوستان میں آیا جس کی بازگشت ہندوستان میں بہت دیر تک سنائی دیتی رہی اس کے بعد بنی عباس کا دور شروع ہوا جو صدیوں تک محیط ہے تا اینکہ ہلاکو خان نے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دیا وہ دور جو بنی عباس اور بنی امیہ کا دور کہلاتا ہے اس میں ایک بات وہ ہے جس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا وہ ہے خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کو اپنے جیسا بنا کر پیش کرنا۔

یونان سے فلاسفہ کے کتب ترجمہ کر کے وحی والہام کے مقابلے میں کھڑے کر دیئے گئے نظام سیار اور اس کی جماعت کو فلاسفہ یونان کی اتباع میں علمِ کلام بنانے کو کہا گیا پھر ابوالحسن اشعری نے اختلاف کر کے علیحدہ علمِ کلام بنایا اور ان دونوں کی اتباع میں محقق طوسی نے علمِ کلام وضع کیا۔

ان ادوار میں مسلسل محمد وآلِ محمد علیہم الصلوات والسلام کے ماورائی پہلوؤں کی نفی کی گئی اور قرآن کریم کو مروڑ کر اس فلسفے پر چسپاں کر دیا گیا۔

خاندان سادات کے خون کو حلال سمجھنے والوں نے یہاں تک ثابت کرنے کی کوشش

کی کہ وہ براق جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم معراج پر تشریف لے گئے تھے وہ حلال تھی اسے حلال کرنے کی بحث کے دوران ہلاکو خان نے ان ملاعین کو حرام کر دیا ان کے مرنے کے بعد بھی نظریات و اعتقادات پر ان کے اثرات کا موجود رہنا ناگزیر تھا جیسے ہندو اگر مسلمان ہو جائے تو تب بھی گائے کا گوشت کھانے سے ڈرتا ہے اور نہیں تو جھجک ضرور محسوس کرتا ہے۔

جب بنی امیہ اور بنی عباس کے نظریاتی اور اعتقادی مرید علمی طور پر دین حق سے شکست کھا گئے تو مجبوراً آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام کی حقانیت اور سچائی پر ایمان لانا پڑا اور انہیں ارفع و اعلیٰ ذات ماننا پڑا مگر اندرونی رجحانات وہی رہے جو حق کے سامنے گردن جھکانے سے دب تو گئے مگر ختم نہ ہو سکے جب فلسفہِ یونان نے تھوڑا سا ساتھ دیا تو انہوں نے من کو تسلی دی کہ ہم ٹھیک کر رہے ہیں کہ انہیں نوعِ بشر کا فرد کہہ رہے ہیں مگر کامل ترین بشر مان رہے ہیں نوعِ بشر ہی سب سے اعلیٰ نوع ہے اور ہم انہیں اعلیٰ نوع کے افراد سمجھ رہے ہیں وغیرہ وغیرہ

دراصل یہ ان رویوں اور رجحانات کا اثر ہے جو صدیوں کے پروپیگنڈے سے تشکیل پا چکا ہے پھر جب اس نظریے پہ تنقید ہوئی تو یہ مسئلہ خالص دینی نہ رہا بلکہ ذاتی فتح و شکست کا مسئلہ بن گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب فری سٹائیل ریسلنگ کا اکھاڑا بن گیا جو لوگ جس مذہب سے منتقل ہو کر اسلام میں داخل ہوئے تھے بنیادی طور پر اس مذہب کا رنگ ان پر غالب رہا۔

اسی طرح جو لوگ بنی امیہ اور بنی عباس کے مذہب سے منتقل ہو کر مذہب اثنا عشریہ میں داخل ہوئے تھے ان پر کئی پشتوں تک اس کا اثر باقی رہنا ناگزیر تھا ابتدائے

اسلام سے دیکھیں کہ کس طرح دیگر مذاہب کے نظریات اسلام کا لبادہ پہنتے رہے ہیں اسی لئے یہ بھی اُس مذہب کی ایک جھلک ہے جو آج کے کتب میں نظر آرہی ہے جنابِ آدم اور حوا کی تخلیق کا جو واقعہ ہے وہ قرآنِ کریم نے بڑے سادہ انداز میں بیان کیا ہے مگر دیکھیں اہلِ اسلام نے اپنے سابقہ مذاہب کے رجحانات کو کس طرح اسلام میں ڈھال دیا ہے جس سیزن میں میں ''انڈالوجی'' پہ تحقیق کر رہا تھا تو مجھے اس واقعے کے راز معلوم ہوئے اجمالاً پیش کرتا چلوں تاکہ سمجھ آسکے کہ کس طرح مذاہب وفرقے رجحانات کے رنگ میں رنگتے چلے جاتے ہیں۔

تین سے پانچ ہزار سال قبل مسیح میں ''سومیری'' قوم کا عروج رہا ہے انہوں نے مونث معبودہ کا تصور پیش کیا جس کے مختلف ادوار میں نام بدلتے رہے شکل تقریب ملتی جلتی رہی اس کے نام ''مادر مدر میٹر ماتا'' وغیرہ رہے اسی طرح ''انا'' ''نن ہرسگ'' بھی معبود تھے اور سب سے بڑا تصور ''نن ہرسگ'' معبودہ کا تھا کہ جس کے معنی ہیں جننے والی یا کوہِ عظیم کی ملکہ جو پیدا کرتی ہے اور اسے ''نن تو'' بھی کہتے تھے یعنی جننے والی۔

سومیریوں اور عشتار کے نظریات کے مطابق ''ان کی'' دیوتا نے آٹھ پودے کھالئے جس سے اس کے آٹھ اعضاء بیمار ہوئے ان میں سے ایک پسلی تھی، نن ہرسگ نے ''ان کی'' سے پوچھا تمہیں کیا ہوا ہے تو یہ مکالمہ ایک قدیم نظم کا حصہ ہے وہ کہتی ہے۔

میرے بھائی میں کیا بتاؤں مجھے کہاں درد ہے میری پسلی دکھتی ہے تیرے لئے میں ''نن تی'' (دیوی) کو پیدا کرتی ہوں ''سومیری'' زبان میں پسلی کو ''تی'' کہتے ہیں اور نن عورت کو یعنی ''ان کی'' دیوتا نے نن ہرسگ کو کہا کہ میری پسلی سے عورت پیدا

ہونے والی ہے جو تمام زندوں کی ماں ہوگی جب یہی سومیری مسلمان ہوئے تو حوا کو آدم کی پسلی سے پیدا ہونے والا تصور پیش کیا اور انہی کے ہم مذہب مسلمانوں نے فوراً تسلیم کرلیا۔

عیسائیت بھی اس سے متاثر ہوئی ہے بائیبل کی فردوسی کہانیوں میں بھی حوا کا آدم کی پسلی سے پیدا ہونا بیان ہوا ہے۔

اب اسلام میں بھی یہی بات موجود ہے اور اسی طرح ہمارے ساتھ بھی ہوا ہے کہ محمد آل محمد علیہم الصلوات والسلام کو بشر کہنے والوں نے جب یہ جرات کی اور بشر کہا تو جو لوگ اموی اور عباسی گروپ سے نکل کر آئے تھے انہوں نے اس نظریے کو سر آنکھوں پہ رکھا اور یہ کہنا شروع کردیا کہ ارسطو کے بقول اعلیٰ نوع انسان ہے اس لئے ان حضرات کو اعلیٰ ثابت کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ان ذوات کو بشر ثابت کیا جائے اور انہیں نوعِ بشر ہی میں داخل سمجھا جائے اور اس پر بہت سے کلیات و مسلمات وضع کر لئے گئے مثلاً

☆الشی اذا تحقق تحقق بآثارہ

جب کوئی چیز وجود میں آتی ہے تو تمام لوازم و آثار کے ساتھ آتی ہے

اب اگر خاندان پاک ملکوت سے اعلیٰ کسی نوری نوع سے تعلق رکھتے تھے تو اس کے آثار و لوازم بھی ضرور ہوتے جیسا کہ ملکوت جامۂ بشر میں آکر بھی کچھ کھاتے پیتے نہیں ہیں کیونکہ وہ ''نوری مخلوق ہیں''

اور اس کے ساتھ ثبوت میں جناب ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملکوت کا لباسِ بشر میں آنا دحیہ کلبی کی شکل میں جناب جبرئیل علیہ السلام کا آنا یا جناب مریم سلام اللہ علیہا کے

پاس جبریل علیہ السلام کا تشریف لانا پیش کیا جاتا ہے کہ انہوں نے کچھ بھی کھایا پیا نہیں تھا حالانکہ انہی لوگوں نے جو ''نور'' کی لفظی تعریف وضع کی ہے جو ہزاروں مفاسد کے باوجود رائج ہے اس میں تو نور کو اس طرح بیان کیا ہے۔

☆ظاھراً لنفسہ و مظھراً لغیرہ

کہ وہ اپنے وجود میں ظاہر ہوتا ہے اور دوسروں کو ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔

اب نور کے آثار ولوازم میں کھانے پینے کا تذکرہ ہے ہی نہیں اگر نور کے شکلِ بشر میں آنے کے باوجود اس کے آثار ولوازم کو ثابت کرنا بھی تھا تو اس طرح کرنا تھا کہ نور جب بھی شکل انسان میں آیا ہے خود بھی روشن ہوتا تھا اور اپنے غیر کو بھی روشن کر دیتا تھا مگر قرآن گواہ ہے کہ نور جب بھی انسانی شکل میں متشکل ہوا ہے اس میں یہ صفات وآثار بالکل نہیں تھے تبھی تو نہ ابراہیم علیہ السلام نے پہچانا اور نہ جناب مریم سلام اللہ علیہا نے پہچانا اگر وہ اپنی نوری چمک دمک کے ساتھ آتے تو جنابِ مریم سلام اللہ علیہا ان سے پناہ نہ مانگتیں اور نہ ہی ان سے ڈرتیں اسی طرح جنابِ ابراہیم علیہ السلام انہیں اپنا دشمن سمجھ کر خوف زدہ نہ ہوتے کیونکہ ملکوتِ سما کو تو جنابِ ابراہیم علیہ السلام پہلے ہی دیکھ چکے تھے جیسا کہ قرآنِ کریم سے ثابت ہے۔

جناب مریم سلام اللہ علیہا بھی اپنی پرورش کرنے والوں کو پہچانتی تھیں کیونکہ شب وروز مشاہدہِ ملکوت فرما رہی تھیں اس لئے ان کے لئے پہچاننا مشکل نہ تھا مگر وہ نہ پہچان سکیں تو ثابت ہوا جب نور بشریِ لباس میں آتا ہے تو اپنے آثارِ حقیقی کو اس طرح غائب کر دیتا ہے کہ نہ کوئی نبی پہچان سکتا ہے اور نہ ہی کسی نبی کی ماں پہچان سکتی ہے۔

اس طرح کوئی عام آدمی کسی ارفع واعلیٰ نوع کے افراد کو لباسِ بشر میں آنے پر کیونکر

پہچان سکتا ہے جبکہ اس نوع کا اپنے آثار ولوازم کے ساتھ آنا ضروری بھی نہ ہو۔
اسی طرح انسان کا خاک سے پیدا ہونا ثابت ہے مگر جمادات کے آثار ولوازم کا اس میں ظہور صرف ابعاد ثلاثہ تک ہے اس سے آثار ولوازمِ خاک کا ثابت کرنا خود محال ہے۔
نور کی تعریف میں کہا تو یہ گیا تھا کہ وہ خود بھی ظاہر ہوتا ہے اور اپنے غیر کو بھی ظاہر کرتا ہے مگر عرش کے حجابات کے بارے میں ہے کہ وہ نوری ہیں مگر وہ ظاہر کرنے کے بجائے چھپانے کا کام کر رہے ہیں اور خود بھی ظاہر نہیں ہو رہے ورنہ ان کا نام حجاب ہی نہ ہوتا
بات وہی ہے کہ جو حضرات بنی امیہ اور بنی عباس کے پیروکاروں کی صفوں سے نکل کر دائرۂ تشیع میں آئے ہیں وہ اپنے آثار ولوازم کے ساتھ آئے ہیں اور اپنے قدیم عقائد کی چھاپ ان کے بعد والے عقائد پر ظاہر و واضح ہے کیونکہ خوارج ہوں یا یزیدی واموی گماشتے ان میں ایک صفت مشترک رہی ہے وہ یہ ہے کہ ان کے نظریات میں یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی فاعلِ حقیقی نہیں اور اللہ کے سوا کوئی قابلِ تعظیم نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں دے سکتا، اسلام صرف اللہ اللہ ہے۔
جناب رسول خدا ہوں یا آلِ رسول علیہم الصلوات والسلام کی کوئی حیثیت نہیں ہے انہیں قتل کرنے والوں اور توہین کرنے والوں کو بھی اللہ جنت دے سکتا ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے اعجاز وکرامات میں کسی کی کوئی اہمیت نہیں یہی کام اللہ مکھی اور مچھر سے کروا سکتا ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی فضیلت ہی نہیں بلکہ اللہ ہی ان سے کروا رہا ہے وغیرہ وغیرہ
خوارج، بنی امیہ اور بنی عباس کے محمدؐ وآل محمد علیہم الصلوات والسلام کے بارے جو عقائد

ہیں آپ ان کی فہرست بنالیں ادھراس دور کے مقصر علماء کے عقائد کی فہرست بنالیں ان دونوں کو سامنے رکھ کر موازنہ کرتے چلے جائیں پتہ چلے گا کہ ان ظالمین کے عقائد کا واضح عکس یہاں کے علماء کے عقائد میں موجود ہوگا ان لوگوں کا مقصد یہ تھا کہ ثلاثہ صحابیت کے لباس کی وجہ سے سزاوار خلافت بن جائیں اور ثابت ہو جائیں اگر وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بشر ثابت نہ کرتے تو کسی بشر کو خلیفہ کیسے بنایا جاسکتا تھا کیونکہ اہل سنت میں سے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نور مانتے ہیں وہ بھی اصحابِ کرام کو نور نہیں مانتے انہوں نے ''منکم'' سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ہر ظالم و فاسق کو اولی الامر بنادیا اور یہاں بھی منکم سے بشریت پہ استدلال ہورہا ہے میں نے پہلے بھی کئی مرتبہ اس بات کا اعادہ کیا ہے کہ میں اپنی تحریر میں ایجابیت و عصبیت کی کسی طرزِ فکر کی طرف راغب نہیں ہوں بلکہ میں تو صرف اتنا چاہتا ہوں کہ جن کلیات و مسلمات کی رو سے پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کو مفکرین بزعمِ خویش نوعِ بشر سے ثابت کرنا چاہتے ہیں ان مسلمات اور پیمانوں کی کیا حقیقت ہے یہی واضح کردوں آگے سب کی اپنی مرضی ، میں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جن الفاظ کے سہارے اس نظریے کی عمارت کھڑی ہے وہ کتنی جان رکھتے ہیں۔

دو صاحب آپس میں گفتگو کررہے تھے ایک پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کو نور ثابت کررہا تھا اور ایک بشر، اس بشر کہنے والے صاحب نے کہا کہ قرآن میں لفظ نور کی اصلیت معلوم کرنی ہو تو چاند کے بارے میں دیکھو ارشاد ہے۔

☆ والشمس ضیاء والقمر نورا

سورج روشنی ہے اور چاند نور ہے

اس کی نورانیت کا پول نیل آرم سٹرانگ نے کھول دیا ہے کہ چاند خود مٹی کا بنا ہوا ہے لہٰذہ قرآن میں لفظ نور سے نوع پہ استدلال جائز ہی نہیں۔

میں نے کہا کہ اس طرح تو ہر لفظ مشکوک ہو جائیگا کہ حقیقت معلوم ہونے سے حقیقت بدل جائیگی اسی طرح پورے کلامِ الٰہی میں ہر لفظ کی نئی تعریف وضع کرنا پڑیگی پھر جس طرح لفظ نور سے محمد آل محمد علیہم الصلوات والسلام کا نور ہونا ثابت نہ ہوگا اسی طرح لفظ بشر بھی تو مشکوک ہو جائیگا تو پھر لفظ بشر سے نوع بشر پہ استدلال کرنا بھی تو جائز نہ ہوگا اور اللہ نور کے معنی بھی یہ ہونگے کہ اللہ زمین اور آسمانوں کی مٹی خراب کرنے والا ہے یا وہ نعوذ باللہ ارض وسما کی خاک ہے۔

یہی تو ان کے علم کا کارنامہ ہے جس چیز کو چاہیں جس معنی میں قبول کریں یا تاویل کریں کون روک سکتا ہے۔

ہاں انشا اللہ اس مظلوم خاندان علیہم الصلوات والسلام کا مظلوم وارث عجل اللہ فرجہ الشریف آئیگا اور ہر اس ظالم کو برباد کریگا اور ابدی جہنم کے حوالے کریگا جس نے تیغِ عمد سے یا قلمِ عمد سے اس مظلوم خاندان علیہم الصلوات والسلام پہ ظلم کا وار کیا ہے

دعا ہے کہ مظلومین کا وارث جلدی آئے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمّ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشریف
وَ صَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَیهِ وَ عَلٰی آلِهِ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللہ فرجک

باب نمبر 8

مثیت

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے ہمسفرانِ رموز و اسرار!

اس سے قبل مسئلہ نوع پہ کچھ نہ کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے مگر ایسے موضوعات پہ کئی پہلوؤں پہ سوالات ذہنوں میں ابھرتے ہیں اس لئے میں کوشش کر رہا ہوں کہ تائیدِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف سے ہر ممکنہ سوال کا اجمالی طور پر جواب دے دوں۔

بعض مہربانوں کی طرف سے اکثر یہ سوال ہوا ہے کہ حججِ خدا (انبیاء اور آئمہ ھدیٰ علیھم السلام) کیلئے ضروری ہے کہ ان کی اور جن پر وہ حجت بن کر آتے ہیں ان کی نوع ایک ہونا واجب ہے ورنہ وہ ان پر حجت قرار نہ پائیں گے لہٰذہ اس کلیے سے پاک ذوات علیھم السلام کی نوع بشر تسلیم کرنا ضروری ہوگا۔

اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اس کلیے کو وضع کرنے والا کوئی سطحی علم کا مالک ہوسکتا ہے کیونکہ یہ کلیہ ہی باطل و ناقص ہے ہاں بعض لوگوں کو لفظ منکم منھم وغیرہ سے اشتباہ ضرور ہوا ہے مگر یہ اشتباہ ہی ہے کیونکہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ لفظ منکم منھم وغیرہ وحدتِ نوع پر استدلال میں کفایت نہیں کرتے کیونکہ کلامِ مقدس سے

ثابت ہے کہ منکم ،مثلکم ،منھم جیسے الفاظ ایسے ایسے مقامات پر بھی وارد ہوتے ہیں جو منطقی بشریت کے تصور کے منافی ہیں مثلاً منکم ''تم میں سے'' کے الفاظ میں بعض جگہوں پر ایک ہی نوع کے افراد کو ایک دوسرے کا غیر بتایا گیا ہے اور بعض جگہوں پر غیر انواع کو ایک ہی ثابت کیا گیا ہے ذرا کلام الٰہی میں دیکھئے منافقین کے بارے میں ارشاد قدرت ہے۔

☆ يحلفون بالله انهم "لمنكم" وما هم منكم

یعنی منافقین اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ ''تم میں سے'' ہیں

اللہ فرماتا ہے وہ ہرگز ''تم میں سے'' نہیں ہیں یعنی انسان چاہے مومن ہے یا منافق نوعی لحاظ سے تو ایک جیسا ہے مگر اللہ نے لفظ منکم کا استعمال دو مرتبہ فرما کر ثابت کیا ہے کہ اس لفظ سے نوع پہ استدلال مت کریں کیونکہ یہ الفاظ تشخیص نوع کیلئے ہیں ہی نہیں۔

ایک اور مقام پہ ارشاد ہے

☆ والذين امنوا من بعد وهاجروا وجاهدوا معكم فاولئك منكم

جو لوگ ایمان لائے اور اس کے بعد آپ کے ساتھ ہجرت میں شریک ہوئے اور جہاد میں حصہ لیا وہی ''تم میں سے'' ہیں۔

کیا کوئی شخص جو منطق کا طالبعلم ہے وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ منافقین نوعِ بشر کے افراد نہ تھے یا مومنین کی نوع کوئی اور تھی؟

جب ان آیات سے یہ ثابت ہے کہ لفظ'' منکم '' سے نوع پہ استدلال کرنا باطل و علم دشمنی ہے تو پھر پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کو لفظ'' منکم '' سے داخلِ نوعِ

بشر کرنا کیسے درست ہوگا؟

اسی طرح لفظ مثلکم و امثالکم سے بعض حضرات کواشتباہ ہوا ہے تو انہیں بھی دیکھنا چاہیئے کہ خالقِ کائنات نے تو بتوں کو بھی ''عباد امثالکم'' فرمایا ہے کہ وہ بھی تمہاری مثل عبد ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔

☆ان الذین تدعون من دون اللہ "عباد امثالکم" فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صادقین

جو جمادات سے تعلق رکھنے والے بت ہیں اگر وہ مثلِ بشر فرمادینے سے داخلِ نوعِ بشر نہیں ہوجاتے تو نورِ الٰہی مثلکم سے کیسے داخلِ نوعِ بشر ہوسکتا ہے؟

لہٰذہ یہ سب اشتباہات ہیں جو ناقص مطالعہ کی وجہ سے پیدا ہوئے ہیں۔

اب رہا یہ سوال کہ حجت اور امت کی نوع ایک ہونا واجب ہے تو یہ بھی غلط نظریہ ہے جس کا رد کلامِ الٰہی میں وارد ہو چکا ہے جیسا کہ روزِ حشر وحساب کے ضمن میں آیا ہے کہ جب جملہ مخلوق عرصہ محشر میں جمع ہوگی تو ارشادِ قدرت ہوگا۔

☆ یا معشر الجن والانس الم یا تکم "رسل منکم" یقصون علیکم آیاتی و ینذرونکم لقاء یومکم ھذا قالوا شھدنا علیٰ انفسا ......الخ

(130) انعام

اے نوعِ جن وانس کیا تمہارے پاس ''تم میں سے'' رسول نہیں آئے تھے؟

کیا انہوں نے تمہیں ہمارے آیات نہیں سنائے تھے؟ کیا تمہیں اس دن کی ملاقات سے نہیں ڈرایا تھا؟ یعنی جنات کو بھی فرمایا جارہا ہے کہ تم میں سے رسول نہیں آئے تھے مگر جنات میں نوع جنات کے رسول کا وجود ہر دور میں ثابت کرنا محال ہے دور

اول میں بعض نوعِ جنات سے کسی رسول (یوسف) کے مبعوث ہونے کا تذکرہ کتب میں ہے لیکن شہنشاہ انبیاء حبیب کبریاصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دور کے جنات تو نوع جنات میں سے کسی رسول کے ماتحت نہیں بلکہ سورہ جن سے ثابت ہے کہ وہ بھی امت سرورکونینصلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہیں کم ازکم یہ جنات تو اعتراض کر سکتے ہیں کہ اے بارالہ ہمارے پاس ''ہم میں سے'' کوئی رسول نہیں آیا مگر صورت حال یہ ہے کہ وہاں جنات اور انسانوں نے جو کچھ کہنا ہے وہ بھی خالق کائنات نے فرمایا ہے کہ وہ کیا جواب دیں گے۔

☆قالوا شھدنا علیٰ انفسا

یعنی سارے اقرار کریں گے ہم اپنے نفسوں پر گواہ ہیں کہ بیشک آئے تھے ثابت ہوا حجت کیلئے محجوج کی نوع ہونا ضروری نہیں اور لفظ منکم سے وحدتِ نوع پہ استدلال بھی باطل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس دور میں ارسطو جیسے قدما کا تصورِنوع ہی باطل ہے کیونکہ ہمارے موجودہ دور کے مذہبی علماء آج سے دو ہزار سال پہلے کے دور میں اٹکے ہوئے ہیں اور فلسفہ وسائنس کے امتزاج سے ان علوم میں جو ترقی ہوئی ہے اس سے نابلد ہیں اس لئے سارے فسادات پیدا ہو رہے ہیں۔

میں 1950ء تک جو تحقیق ہوئی ہے اور تقسیمِ انواع کا نظریہ تسلیم کیا گیا تھا اسے یہاں پیش کرنے کی جسارت کرتا ہوں 1950ء سے بعد میں جو ترقی ہوئی ہے اس کا مجھے علم نہیں کیونکہ علوم میں ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے اس لئے ان علوم میں بھی ترقی ہوتی رہے گی اور حتمی اور آخری نظریہ وہ ہوگا جو ہمارے امام زمانہعجل اللہ فرجہ الشریف

آ کر پیش کریں گے۔

موجودہ دور تک جو ارتقاء ہوا ہے وہ یہ ہے اس دور میں جو علم جانداروں پر محیط و مبنی ہوتا ہے اسے بیالوجی (Biology) کہتے ہیں ان میں جو تنوع ہوتا ہے اسے diversity کہتے ہیں سب سے پہلا عمل جو ہوتا ہے اسے جانداروں کی اقسام اور گروہ بندی کہتے ہیں (Classification of Organisms) اس کرہ ارض پر اس وقت جانداروں کی لاکھوں مختلف اقسام تشخیص میں آ چکے ہیں جن میں ہر قسم کو نوع Species سپیشی کہتے ہیں نوع جانداروں کی اس قسم کو کہتے ہیں یا اس جماعت کو کہتے جو آپس میں نسل کشی Inler legeeding کرنے کے تو اہل ہوتی ہے مگر کسی دوسری نوع سے بریڈنگ کے قابل نہیں ہوتی ایک نوع کے افراد میں جسمانی مطابقت و مناسبت بہت زیادہ ہوتی ہے اور اختلاف بہت کم مگر اختلاف نوع سے یہ مطابقت و مناسبت کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے اسی جسمانی ساخت کی مناسبت و مطابقت کو سامنے رکھ کر جانداروں کو بڑے اور چھوٹے گروہوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اس گروہ بندی کو کلاسیفیکیشن Classification کہتے ہیں بیالوجیکل ٹرمز میں ہر جاندار کے دو نام ہوتے ہیں پہلا نام جینس Genus ہوتا ہے دوسرا نام نوع Species ہوتا ہے مثلاً انسان کا بیالوجیکل نام ہوموسپی انز(Homo Supienz) ہے اسی میں ہوموجنس اور سپی انز نوع کا نام ہے ایک جنس میں بہت سے انواع ہوتے ہیں۔

جاندار

سائنسی طور پر حیوانات اور نباتات کو اس طرح پہچانا جاتا ہے

پہلے فائیلم fhylum دیکھا جاتا ہے جیسے عالم حیوانات اینمل کنگڈم ، پلانٹ کنگڈم

عالم نباتات فائیلم Fhylum

پھر کلاس Class

پھر آرڈر Order

پھر فیملی جینس Family Genas

پھر نوع Species

مثال کیلیئے آپ انسان ہی کو دیکھ لیں اسکا کنگڈم اینمل ہے

فائیلم کارڈیٹا Chordata ہے

کلاس میمیلیا Mamalia ہے

آرڈر پرائی میٹس Primates ہے

جینس ہومو Homo ہے

نوع Sapiens ہے

اب تو خورد بینی جانداروں میں وائرس کو تلاش کر لیا گیا ہے یہ ذی حیات میں سے سب سے چھوٹی سائز کا گروہ ہے ان میں ابھی تک کلاسی فیکیشن واضح طور پر نہیں ہو سکی کیونکہ ان میں بھی لاکھوں اقسام ہیں جو عام مائیکروسکوپ سے بھی نظر نہیں آ سکتے بلکہ الیکٹرون مائیکروسکوپ یا بائیوکیمیکل ٹیسٹ سے نظر آتے ہیں ماضی قریب تک ان کا کوئی تصور موجود ہی نہ تھا ارسطو بیچارہ کیا کرتا

یہاں ان پہ کچھ کہنا بے سود ہے اس لئے ترک کرتا ہوں ذرا عالم حیوانات کی درجہ

بندی دیکھئے عالم حیوانات کو دس عدد فائیلاPhylaاور ر فائیلم میں بہت سے سب فائیلا ہوتے ہیں۔

نمبر1 ...... فائیلم پورٹوزوا Phylum Protozoa

اس میں سب سے چھوٹے خورد بینی ایک خلیے کے جانور آتے ہیں ان میں سے بعض آزادانہ زندگی گزارتے ہیں اور بعض طفیلیےParasitesہوتے ہیں جو بعض بیماریوں کی وجہ بھی بنتے ہیں مثلا ملیریل پیرا سائیٹ اور انٹا میبا ان میں بعض سمندر میں رہتے ہیں اور اپنے گرد کیلشیم کا غلاف بنا لیتے ہیں آزاد پروٹوزوا کی مثال ہیں یوگلینا پیرامیشیم امیبا وغیرہ اس میں سب فئیلا بہت ہیں۔

نمبر2 ...... فائیلم پوریفرا Phulum Porifera

یہ اسفنجی جانور ہوتے ہیں ان کے جسم میں سوراخ ہوتے یہ کثیرالخلوی Multicellular ان کے جسم بہت سے سیلزCellsسے بنتے ہیں لیکن خلیے ایک دوسرے سے قدرے آزاد ہوتے ہیں اسفنجی جسم کے اندر سوراخوں میں پانی گردش کرتا ہے پانی میں خوراک اور آکسیجن ہوتی ہے جس سے یہ زندہ رہتے ہیں اور یہ سمندروں میں پتھروں، چٹانوں سے چمٹے رہتے ہیں ان کا ڈھانچہ کیلشیم یا سیلیکا Silica کا بنا ہوتا ہے۔

نمبر3 ...... فائیلم سیلنٹریٹا Coelenterata

یہ بھی اکثر سمندری جانوروں کا فائیلم ہے بعض تازہ پانی جھیلوں ندیوں میں بھی ہوتے ہیں مثلا ہائیڈراHydraان کے خلیے دوتہوں میں مرتب ہوتے ہیں باہر والی تہہ ایکٹوڈرم کہلاتی ہے اور اندر والی تہہ اینڈوڈرم کہلاتی ہے ان دونوں تہوں کے

درمیان لیس دار مادے کی تہہ ہوتی ہے جیسے میزوگلیا کہا جاتا ہے اس فائیلم کے قابل ذکر جانور یہ ہیں۔

اوبیلیا، جیلی فش، سی اینی مون، کورل وغیرہ وغیرہ

نمبر 4......فائیلم پلیٹی ہلمن تھیس Phylum Platy Helminthes

اس فائیلم کے جانور پتلے چپٹے فیتے نما ہوتے ہیں یہ انسان اور دیگر جانوروں کے پیٹ انتڑیوں وغیرہ میں رہتے ہیں ان میں سے بعض آزاد اور بعض طفیلیئے ہوتے ہیں اس کے ایک طرف تو فلیٹ وارم کا گروہ ہے جو پتے نما ہوتے ہیں دوسری طرف ٹیپ وارجو فیتے نما جانور ہوتے ہیں پہلی قسم میں آزاد جانور ہیں جیسے پلینیر یا Planaria ایسے طفیلیے ہیں جسے لیورفلوک یہ اپنے چپکنے والے اعضا کے ذریعے میزبان کے اعضاء سے چمٹ جاتے یں ان میں صرف آنتیں ہوتی ہیں اینس Anus نہیں ہوتے وغیرہ وغیرہ

نمبر 5......فائیلم نیماٹوڈا PHylum Nematoda

اس میں راونڈ وارم Round Worm گول کیڑے ہوتے ہیں ان میں جسم لمبا مگر سانپ کی طرح گول ہوتا ہے اس کے دونوں سرے نوکیلے ہوتے ہیں ان کا جسم قطع دار نہیں ہوتا ان میں ایک سیدھی ہضمی نالی ہوتی ہے جو اگلی جانب منہ سے اور پچھلے سرے سے تھوڑا سا آگے کی طرف اینس کے ذریعے بار کھلتی ہے اس فائیلم میں شامل جانور عموماً اندرونی طفیلیے ہوتے ہیں بعض آزادانہ زندگی گزارتے ہیں اور سمندروں، دریاوں، نہروں میں رہتے ہیں مثلاً اسکیرس، ہک ورم، فائیلیر یا وغیرہ اسکیرس داخلی طفیلیہ ہے اور ریڑھ کی ہڈی رکھنے والے جانوروں کی انتڑیوں میں

پایا جاتا ہے اور نیم ہضم شدہ غذا سے خوراک حاصل کرتا ہے وغیرہ وغیرہ

نمبر 6 ...... فائیلم انیلیڈا Phylum Amnlida

اس فائیلم میں شامل جانوروں کے جسم اعضاء کی سطح تک قطع دار ہوتے ہیں ان کے جسموں کی دیوار تین پرتوں والی ہوتی ہے یہ جانور بھی آبی ہوتے ہیں مثلاً کیچوا ، جونک ، نیریز وغیرہ کیچوا زمین کے اندر رہتا ہے اس کی جلد سانس لینے میں پھیپھڑے کا کام کرتی ہے اور آکسیجن لیتی ہے یہ مٹی کھاتا ہے جس میں گلے سڑے پودے اور کیڑے اس کی خوراک بنتے ہیں نر و مادہ کے تولیدی اعضاء ایک ہی میں ہوتے ہیں اسی طرح اس فائیلم کے دیگر سب فائیلم کا اپنا اپنا سسٹم ہے۔

نمبر 7 ...... فائیلم آرتھروپوڈا Phylum Arthropoda

اس فائیلم کے جانورں کے جسم بھی قطعہ دار ہوتے ہیں مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ یہ قطعے صرف بیرونی جلد تک ہوتے ہیں جس پر کائٹن Chitin کا بنا ہوا خول ڈھانچے کا کام دیتا ہے اور ہر قطعے کے ساتھ دو ٹانگیں جڑی ہوتی ہیں اور اس کی جوڑ دار ٹانگیں ہوتی ہیں اسی لئے اسے آرتھروپوڈا کہا جاتا ہے دنیا میں ان کی تعداد کل جانوروں کی تین چوتھائی ہے اس فائیلم کے جانور پانی اور خشکی دونوں جگہ پائے جاتے ہیں مثلاً جھینگے کیکڑے کیڑے مکوڑے مکڑی بچھو وغیرہ ان میں کیڑے مکوڑوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے ان کے سب فائیلم میں مکھی ، مچھر ، شہد کی مکھی ، تتلی ، لال بیگ وغیرہ آجاتے ہیں۔

نمبر 8 ...... فائیلم مولسکا Phylum Mollusca

اس فائیلم کے جانوروں کا جسم کیلشیم کے بنے سخت خول میں بند رہتا ہے بعض کا یہ خول ایک ہی ٹکڑے کا ہوتا ہے جیسے گھونگے اور بعض کا خول دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے جیسے

سیپی اس خول کے دونوں حصے بالائی جانب جڑے ہوتے ہیں اس کے مشہور جانور یہ ہیں اوئیسٹر، سنیل، سکوڈر، آکٹوپس، سپیاں وغیرہ بعض کے سر پہ دو ٹینٹیکل ہوتے ہیں جن کے سروں پہ آنکھیں ہوتی ہیں جیسے گھونگا۔

نمبر 9......فائیلم ایکائنوڈرمیٹاPhylum Echinodermata

ایکائنوڈرمیٹا کے معنی خاردار جلد کے ہیں اس فائیلم کے سب جانور خاردار جلد رکھتے ہیں اور ان میں کیلشیم کا بنا ڈھانچہ ہوتا ہے اس فائیلم کے اکثر جانور سمندری ہیں مثلاً سٹارفش، برٹل سٹارسی، ارچن دراصل یہ جانور مچھلی نہیں ہیں۔

نمبر 10......فائیلم کارڈیٹا Phylum Chardata

اس فائیلم کے سبھی جانوروں میں یہ صفات لازماً ہوتی ہیں۔

نمبر 1......نظام اعصابCentral Nervous System ہمیشہ بالائی جانب اور کھوکھلا ہوتا ہے۔

نمبر 2......ان میں سوراخ دار حلقPharynx ضرور ہوتا ہے۔

نمبر 3......ان میں ایک سلاخ نما نوٹو کارڈNotochordہوتا ہے ریڑھ کی ہڈی اسی سلاخ کے گرد بنتی ہے۔

اس فائیلم کے 4 عدد سب فائیلم ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑا سب فائیلم ورٹیبر یٹا ہے۔

نمبر 1......سب فائیلم ورٹیبر یٹاSub Phylum Verteberata

اس سب فائیلم کی سب سے اہم خصوصیت ریڑھ کی ہڈی ہے اور ورٹیبر یٹا کو پانچ کلاسوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1 کلاس مچھلیاں Piseces

2 کلاس ایمفی بیا Amphibeia

3 ریپ ٹیلیا Reptilia

4 اے ویز کلاس Aves

5 کلاس میمے لیا Mammalia

پہلی کلاس مچھلیاں

ان جانوروں کی بناوٹ پانی میں رہنے کیلئے موزوں ہے یہ درمیان میں موٹے اور تقریباً سروں سے پتلے ہوتے ہیں ان میں گلپھڑے Gills ہوتے ہیں جن کے ذریعے یہ سانس لیتے ہیں اور یہ کولڈ بلڈڈ Cold blooded جانور ہوتے ہیں ان کا درجہ حرارت ماحول پانی کے مطابق ہوتا ہے یہ میٹا بولزم کے ذریعے جسمانی حرارت کو کسی مخصوص درجہ پر مقرر نہیں رکھ سکتے ان کے بہت سے اقسام ہیں تفصیل کیلئے بیالوجی کی کتب کی طرف رجوع کریں۔

دوسری کلاس ایمفی بیا

یہ جانور پانی اور خشکی دونوں میں زندگی گزارتے ہیں یہ پانی اور خشکی میں ہوا پھیپھڑوں سے حاصل کرتے ہیں یہ بھی کولڈ بلڈڈ جانور ہیں مگر ان میں پھیپھڑا وغیرہ ترقی یافتہ ہوتا ہے اس کلاس میں سیلے مینڈر مینڈک اور ٹود جیسے جانور شامل ہیں

تیسری کلاس ریپٹیلیا

اس کلاس میں رینگنے والے جانور بہت عام ہیں یہ جانور صحیح معنوں میں خشکی کے جانور ہیں اس کے باوجود بعض پانی میں بھی رہتے ہیں ان کی جلد موٹی کھدری اور خشک ہوتی ہے سانس کیلیئے پھیپھڑے استعمال کرتے ہیں انگلیوں میں چنگل Claus جبڑوں میں دانت بھی رکھتے ہیں اکثر جانور چلنے کیلیئے پاؤں بھی رکھتے ہیں یہ بھی کولڈ بلڈڈ جانور ہیں ماضی کے ڈائنوسار وغیرہ انہی میں سے تھے اور آج کے سانپ چھپکلی کچھوا، مگرمچھ وغیرہ اسی کلاس کے جانور ہیں اس میں بہت سے اقسام ہیں جن میں اختلاف موجود ہے۔

چوتھی کلاس اے ویز

یہ پرندوں پہ مشتمل جانور ہیں ان کی خصوصیات یہ ہیں منہ میں دانت نہیں، چونچ ہوتی ہے ان کی بے شمار اقسام ہیں یہ وارم بلڈڈ یعنی گرم خون والے جانور شمار ہوتے ہیں اور مخصوص درجہ حرارت رکھنے کی اہلیت رکھتے ہیں پرندوں کے دو گروہ ہوتے ہیں دوڑنے والے جیسے شتر مرغ، کیوی وغیرہ اڑنے والے ان کی ہڈیوں میں موٹی نالیاں ہوتی ہیں ان میں پھیپھڑے اور دل کا نظام بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے۔

پانچویں کلاس میمیلیا

اس کلاس کے جانوروں کے جسم پر بال اور دودھ پلانے کی صفت ہوتی ہے یہ وارم بلڈڈ جانور ہیں ان کے پھیپھڑے اور دل کا نظام بہت ترقی یافتہ ہوتا ہے اسی کے کئی اقسام ہیں مثلاً

نمبر 1 ......انڈوں والے میمل Egg laying

یہ وہ قسم ہے جو انڈے دیتی ہے مگر بچوں کو دودھ پلاتی ہے جیسے ڈک بل سپائنی اینٹ ایڑ یہ ایسے جانور ہیں جو آسٹریلیا نیوگنی وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

نمبر2......تھیلی والے میمل Pouched

ان کے پیٹ کے سامنے تھیلی ہوتی ہے اور بچوں کو اس میں ڈال لیتے ہیں دودھ پلاتے ہیں مثلاً کینگر و اپوسم وغیرہ

نمبر3 ......عام میمل Typical

ان میں بچہ ماں کے پیٹ میں مکمل نمو پاتا ہے اور پیدا ہو کر دودھ پیتا ہے اس کے بہت سے چھوٹے چھوٹے گروہ ہیں بیالوجی کی کتب میں تفصیل دیکھیں مثلاً

1......کیڑے مکوڑے کھانے والے جیسے کنڈیلا چوہا چھچھوندر وغیرہ

2......زبان سے اٹھا کر کھانے والے Edentate یہ کیڑے مکوڑوں کو زبان سے اٹھا کر کھاتے ہیں ایسے جانوروں کی مثالیں یہ ہیں آرمیڈنو ینگولین سلاتھ وغیرہ

3......کتر کر کھانے والے میمل Radent

اس کی مثلیں یہ جانور ہیں خرگوش ،گلری ،چوہا سیہہ وغیرہ یہ چیزوں کو کتر کر کھاتے ہیں

4......اڑنے والے میمل Flying

ان کے پر چمڑے کے ہوتے ہیں جیسے چمگادڑ ویمپائر وغیرہ

5......گوشت خور میمل Cornivorous

یہ ایسے جانور ہیں جو شکار کرتے ہیں شیر، چیتا ،بلی ،سی لائن ،والرس ،سیل وغیرہ آخری تین سمندری ہیں۔

6......سم دار میمل Hoofed

یہ تمام سبزی خور جانور ہیں مثلاً گائے ،بھینس گھوڑا ،بکری ،اونٹ ،زرافہ ،گینڈاوغیرہ
ان کی دو بڑی قسمیں ہیں جگالی والے اور جگالی نہ کرنے والے
7......سونڈ والے میمل Trunked
یہ خشکی پہ رہتے ہیں اور سونڈ کے حامل ہوتے ہیں جیسے ہاتھی وغیرہ
8......مچھلی نما میمل Fishlike
یہ پانی میں مچھلی کی طرح رہتے ہیں مگر بچوں کو دودھ پلاتے ہیں مثلاً ویل مچھلی ،ڈالفن وغیرہ
9...... بڑے دماغ والے میمل Primates
یہ وہ جانور ہیں جن کا دماغ جسامت کے لحاظ سے بڑا ہوتا ہے اس لئے سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ان میں زیادہ ہوتی ہے مثلاً بندر، گوریلا، چمپینزی اور انسان یعنی اشرف المخلوقات کہلانے والا جانور۔
بیالوجی کی تقسیمی نظریہ پیش کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ارسطو نے انواع کی جو تقسیم کی تھی وہ ناقص اور غیر سائنسی تھی مگر سائنس نے جو انواع کی تقسیم کی ہے وہ ویژن ایبل ہے باڈی سٹرکچر ،سٹامک سسٹم ،پھیپھڑے اور حلق کا سسٹم انڈے ،بچے دینے کا سسٹم ،بریڈنگ سسٹم یعنی بہت سے مشترک خصوصیات کو سامنے رکھ کر ایک تقسیم کی گئی ہے ذرا منطقی تقسیم پر نظر کر کے بتائیں کہ وہ کونسا کلیہ ہے جو آفاقی ہے اور جامع ہے۔
اب آپ سوچیں خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کا سائنسی تجزیہ کس نے کیا ہے کہ انہیں نوع انسان میں شامل کیا جائے انسان بھی ہوموجنس کا ایک جانور ہی تو ہے اب کوئی آدمی کہتا ہے کہ بریڈنگ کا سلسلہ تو نوعِ انسان سے انسال کی وجہ سے ہوا ہے

مگر وہی لوگ احادیث وقرآن کے حوالے سے شرکت شیطان کو بھی انسان ہی مانتے ہیں اور یہ تسلیم کرتے ہیں کہ انسان سے شیطان کی نسل کا چلنا ثابت ہے۔

جو لوگ صرف نقل کو مانتے ہیں ان سے گزارش ہے کہ آپ لوگ نوعِ جنات کو ایک دیگر نوع مانتے ہیں مگر ان کے بارے میں ایک حدیث بھی دیکھ لیں محدث البحرانی نے اور صاحب قاطع البرہان ف 92 پر یہ حدیث لکھی ہے۔

☆قال ابو عبدالله علیہ السلام لا تنکحوا من الاکراد احدا فانهم جنس من الجن کشف عنهم الغطا...... الخ

یعنی کرد قبائل سے نکاح نہ کرواں کی جنس جنات سے (اور نوع انسان ہے)

جنس حیوان سے نوع انسان ہوسکتی ہے؟

جنس جنات سے نوع انسان ہوسکتی ہے؟

اور کسی اعلیٰ جنس سے اولاد کا ظہور نہیں ہوسکتا؟

اس پہ مزید بحث ہم اگلے ابواب میں کریں گے

میں اس بحث سے اتنا بتانا چاہتا تھا کہ یہ منطقی نوع کا تصور اس وقت تک درست سمجھا جاتا تھا جب تک سائنس کو کوئی خاص مقام نہ ملا تھا اور اسی منطق کی مہربانیوں نے بیسیوں سائنسدانوں کو سزائیں دلوائیں مگر سچائی تو ایسی طاقت ور چیز ہوتی ہے کہ گردنوں پہ پاؤں رکھ کر خود کو منواتی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ ابھی معلومات کے آنے والے طوفان نے ہمارے ساحل ادراک کو ''ہٹ'' نہیں کیا اور جب اس کا ریلا عوام تک پہنچ جائیگا تو یہ دقیانوسی نظریے اذیت ناک موت سے دوچار ہونگے اور ان نظریات کے پرچارک بھی شاید اسی

ریلے میں بہہ جائیں گے۔

میں تو یہی گزارش کروں گا کہ پورے عالم اسلام کو فی الحال ساری بحثوں کو ملتوی کر دینا چاہیے آنے والا وقت ایک بہترین جج بن کر آئیگا اور سارے فیصلے حقائقِ مطلقہ کے ماتحت ہونگے ہمیں تو یہ دعا کرنا چاہیے کہ وہ ذاتِ اقدس عجل اللہ فرجہ الشریف تشریف لائیں تاکہ انسانیت خالص سچائی کی لذت کا ادراک کرے اور اوہام کا خاتمہ ہو جائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَعَلٰی آلہٖ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 9

قیاس کی منافی

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے رفیقانِ پروازِ عرفان!

میں وحدت نوع کے موضوعہ ومفروضہ نظریے پہ اپنی رائے تو پیش نہیں کر رہا مگر اس کے مختلف پہلو آپ کے سامنے رکھ کر آپ کو سوچنے کی راہیں دے رہا ہوں شاید آپ منزل تک پہنچ سکیں آپ کو میرے ہر سوال میں بہت سے سوال نظر آئے ہونگے میرے ہر استفہامیہ اشارے میں لاتعداد پر از معنی اشارات ملے ہونگے اور میرا مافی الضمیر اور مابین السطور جو آپ کو ملا ہوگا وہ یہ ہے کہ یہ پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام رازِ الٰہی ہیں اور پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کی معرفتِ ذات عقولِ بشر سے اس طرح اوجھل ہے جس طرح ہمارا خالق۔

یہ صرف اس لئے ہے کہ جب صاحبِ راز خود مخفی ہو اور اس نے دعویٰ کیا ہو کہ میرے رازوں کو کوئی نہیں جانتا اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس کا ہر دعویٰ عین حق وصداقت پہ مبنی ہے تو پھر اس راز سے آشنائی کا ہر دعویٰ باطل ہوگا اور وہ قیاسِ محض ہوگا جو فریبِ عقل ونظر تو ہوسکتا ہے مگر اس سے کسی نتیجہ خیزی کی توقع کرنا حماقت وجہالت کے سوا

کچھ نہ ہوگا۔

پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام نے متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ ہم اللہ کے راز ہیں اور مختلف الظرف لوگوں کے سامنے مختلف انداز میں ان دعوؤں کا اعادہ فرمایا ہے جیسا کہ جناب امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کا ارشاد نہج البلاغہ میں ہے۔

☆ لایقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم من ھذہ الامۃ احد ولا یستوی بھم من جرت نعمتھم علیہ ابدا

آل محمد علیہم الصلوات والسلام کو اس امت کے کسی فرد پر قیاس مت کرو کیونکہ جن پر آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے نعمات ہمیشہ جاری ہیں وہ ان کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں یعنی ابدی نعمت کی بھیک عطا فرمانے والے اور نعمت کی بھیک لینے والے بھکاری کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔

اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کو غیر پر قیاس کرنا جائز نہیں سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیاس ہے کیا؟

جواباً عرض کرونگا کہ نامعلوم حقیقتوں کو سمجھ نہ آنے کے بعد کچھ نہ کچھ فرض کر لینا قیاس ہے مثلاً غیر سائنسی دور میں بہت سی حقیقتیں ایسی تھیں جن کا نام وغیرہ تو کسی نہ کسی حوالے سے موجود تھا مگر ان حقیقتوں کی اصلیت و ماہیت کسی کو معلوم نہ تھی اس وقت ہمہ دانی کے دعویدار قسم کے لوگ عام تھے اس لئے وہ ان کے بارے میں ایک رائے بنا لیتے تھے اور اس پر لمبی چوڑی بحثیں لکھ کر جہلاء کو مرعوب کر لیتے تھے اور وہ مفکرِ اعظم بن جاتے تھے جن کی ہر بات کو حرف آخر سمجھا جاتا تھا جیسے روشنی رنگ آواز وغیرہ کی اصلیت اس وقت معلوم نہ تھی اس لئے ایسی چیزوں کیلئے اعراض کا نام وضع

کیا گیا اور ان کیلئے مجہول و مبہم قسم کی تعریفیں وضع کی گئیں اور اس طرح جوہر اور عرض کی بحثوں نے جنم لیا حالانکہ اس جدید دور نے خود انہیں ایک جوہر ثابت کر دیا ہے روشنی اور آواز کی اکائیاں وجود میں آئی ہیں ان چیزوں کے امواج کے طول و عرض (ویو لینتھ) کی پیمائشیں کی جا رہی ہیں اور ان کی حدِ رفتار وغیرہ سے دنیا آشنا ہے۔

اب تو ایسے آلات موجود ہیں جو آواز کی مقدار کو ڈیسی بل کے حساب سے ناپ لیتے ہیں مگر اس کے باوجود اگر کوئی پھر بھی اس پر اصرار کرے کہ یہ اعراض ہیں جو قائم بالذات ہیں وغیرہ وغیرہ تو یہ علمی خودکشی ہے جیسا کہ بعض علماء کرام نے طبائعِ قدما میں نور کو عرض لکھا ہے اور نور بمعنی روشنی یا ضیا کے لیا ہے اور اسے عرض یعنی غیر جوہر فرض کر کے لکھا ہے کہ جو چیز جوہر ہی نہیں ہے اس سے کسی چیز کے خلق ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پہلی بات تو یہ ہے کہ نور عرض ہے ہی نہیں اگر نور کو عرض مان بھی لیا جائے تو پھر بھی اس سے تخلیق کو ناممکن قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ جب اللہ نے صادر اول کو لا شیئ سے پیدا و ایجاد فرمایا تھا تو شیئ کا مادہ ہی نہیں لیا یہ تو پھر بھی کوئی نہ کوئی شیئ ہی ہے جب لا شیئ سے شیئ پیدا ہو سکتی ہے تو شیئ سے کسی چیز کو وجود دینا کیسے ناممکن؟

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب منطق اور علمِ کلام اور دیگر معقولات وغیرہ کے کمالات ہیں کہ ایسے مفروضے وضع فرمائے گئے ہیں کہ جو مکمل طور پر ناقص ہیں اور پھر بھی ان پر کامل ہونے کا یقین دلایا جا رہا ہے۔

اب ذرا ان چیزوں کو دیکھ لیں جنہیں یہ اعراض کہتے ہیں

نمبر1 روشنی

روشنی کو ''عرض'' کہا جاتا ہے اس لئے اس پہ بحث کرنا ضروری ہے مگر پہلے ذرا نور کے بارے میں کچھ مسلمات کو دیکھتے ہیں تا کہ معلوم ہو سکے کہ ماضی کے محققین کیا کہتے ہیں پہلے صاحبان لغت کے آراء دیکھیں۔

(1) نور روشنی ہے اور اس کی ضد ہے ظلمت

(2) ضیا بھی روشنی ہی کو کہتے ہیں مگر تیز روشنی ضیا ہے اور مدھم روشنی نور ہے

(3) ضیا میں ظلمت کو دور کرنے کی زیادہ صلاحیت ہوتی ہے اور نور میں اس سے کم ہوتی ہے۔

(4) نور اور ظلمت کا تعلق صرف بصریات سے ہے یعنی انسان کی قوت بینائی سے اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اس لئے ان کا جمع ہونا محال ہے فخر الدین رازی

☆النور والضیا ھو خلاف الظلمة (مجمع البیان)

☆الضیا اقوی منه واتم ولذالك اضیف الی الشمس۔ النور شعاع فیه ماینا فی الظلام الضیا ابلغ فی کشف الظلمات من النور وفیه صفة زائدة علی النور

باقی حوالہ جات نوری انسان میں دیکھے جا سکتے ہیں

☆اختلاف الناس فی ان الشعاع الفائض من الشمس ھل ھو جسم او عرض ؟

والحق انه عرض وهو کیفیته مخصوصة

یعنی لوگوں میں مختلف آراء ہیں کہ شعاع شمس جسم ہے یا عرض ہے (یعنی غیر جسم) ہے حقیقت یہ ہے کہ روشنی عرض (غیر جسم و جوہر) ہے وہ ایک مخصوص کیفیت ہے۔

صاحب نوری انسان بھی یہی نتیجہ نکالتے ہیں اور فرماتے ہیں نتیجہ بحث یہ ہے کہ نور ایک کیفیت ہے لہٰذہ نور جسم نہیں (جوہر نہیں) اور اس کیفیتِ نور کا مشہور وصف یہ ہے کہ بذات خود ظاہر ہوتا ہے اور دیگر اشیاء کو بھی ظاہر کرنے والا ہوتا ہے۔

یعنی متقدمین کے نزدیک روشنی یا باالفاظ دیگر نور جوہر نہیں عرض ہے اس کا مادی کوئی جسم نہیں اس طرح عرض کے بارے میں یہ وضاحت بھی کی جاتی ہے کہ علم وحکمت کی رو سے عرض اس مخلوق کو کہا جاتا ہے جو خارج میں کسی موضوع سے قائم ہوتا ہے اور اس کے سہارے موجود ہوسکتا ہے بلا احتیاج موضوع وہ موجود نہیں ہوسکتا جو مخلوقِ خدا خارج میں بلا احتیاجِ موضوع موجود ہوا سے علماء حکمت کے ہاں جوہر کہتے ہیں اسی سے استدلال کر کے فرماتے ہیں مخلوق اول خارج میں بغیر احتیاجِ موضوع کے مستقل طور پر موجود ہونے والی شئے ہے اس لئے وہ جوہر کہلائے گی نہ کہ عرض......نوری انسان236

میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ سائنس نے ہزاروں قدیم نظریات کی تردید کر دی ہے میں ماضی کے جملہ مفکرین کو عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ انہوں نے سوچ کو ایک راستہ دکھایا ہے وہ اس لئے قابل قدر ہیں کہ انہوں نے کائنات کے بارے میں غور وفکر کیا ہے اور کچھ نتائج دیئے ہیں اور جدید آلات کے بغیر وہ بہت کچھ کر رہے تھے۔

لیکن ان کی ذات قابل احترام ہے مگر احترام کے معنی یہ بھی نہیں ہوتے کہ ان کے

افکار اگر تحقیق کے بعد غلط ثابت ہو جائیں تو ہم احتراماً ان نظریات کو درست ثابت کرنے میں لگے رہیں یہ احترام نہیں بلکہ ان بزرگوں کے مقصد کے خلاف ایک قدم ہے کیونکہ ان کا مقصد تھا کہ انسان حقیقتِ اشیاء کو سمجھ لے اگر انسان حقیقت اشیاء ہی کو نہ سمجھے تو پھر ان کا مقصد ہی فوت ہو جاتا مثلاً حکیم جالینوس نے صحت انسان کو باقی رکھنے کے لئے اخلاط اربعہ کا نظریہ دیا جو چودہ صدیوں تک درست سمجھا جاتا رہا پھر جدید طب نے بتایا کہ ہر مرض کے اپنے علیحدہ وجوہات ہوتے ہیں اور اس کا نظریہ رد ہو گیا وہ شخص پھر بھی قابل احترام رہا ہے مگر حقیقتِ امراض کا نظریہ بدل گیا ہے۔

اسی طرح جب تک روشنی کے ذرات کا علم نہ تھا اس کی رفتار معلوم نہ تھی تو قدیم مفکرین کا نظریہ درست تسلیم ہوتا رہا اب روشنی ایک لطیف جوہر ثابت ہو چکی ہے اور اس کے چھوٹے چھوٹے ذرات کے فضا میں سفر کرنے کی رفتار بھی معلوم ہو چکی ہے تو پھر وہ اس کے عرض ہونے والا نظریہ تو خود بخود باطل ہو گیا۔

نوری سال کا تصور کیا ہے؟

وہ یہ ہے کہ روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ کے حساب سے سفر کرتی ہے اگر وہ ایک سال مسلسل سفر کرے تو ایک نوری سال بنتا ہے کچھ ستارے ہم سے لاکھوں نوری سال دور ہیں اگر وہ آج اپنے مقام پر فناہ ہو جائیں تو پھر بھی ان کی روشنی ہم تک لاکھوں سال مزید پہنچتی رہے گی کیونکہ روشنی کے لطیف ذرات کو یہاں پہنچتے لاکھوں سال لگے تھے۔

اب خود دیکھئے روشنی کا موضوع فناہ ہو چکا ہے اور روشنی بلا احتیاجِ موضوع خلا میں مستقل ہے اب کون اسے عرض کہہ سکتا ہے کیونکہ وہ بلا سہارے کے اپنے بہاؤ میں

مصروف ہے اسی طرح جب سورج غروب ہو جاتا ہے تو اس کے غروب ہونے کے نو
منٹ بعد تک ہم قرس آفتاب کو اپنے سامنے موجود پاتے ہیں یہ دراصل روشنی کا بہاؤ
ہوتا ہے جو موضوع کے بغیر بھی قائم نظر آتا ہے لہٰذہ قدما کا یہ نظریہ درست نہیں رہا کہ
روشنی عرض ہے اسی طرح روشنی کے سگنل مختلف ویولنتھ میں آتے ہیں اور لاتعداد تو
ہمیں نظر ہی نہیں آتے مثال کے طور پر آپ ٹی وی کو دیکھ لیں کہ وہ روشنی کے ذرات
کو وصول کر کے ہمیں سکرین پہ دکھا رہا ہوتا ہے حالانکہ ہم اس کے انٹینا میں ان
لہروں کو داخل ہوتا دیکھ ہی نہیں سکتے مگر ان کے وجود سے انکار بھی نہیں کر سکتے۔
مختلف سیٹلائٹ سے پاکستان میں بھی کئی چینل آ رہے ہیں کئی شعاعیں آ رہی ہیں مگر ہم
کسی بھی شعاع کا ادراک نہیں کر سکتے مگر ٹی وی پہ دیکھ سکتے ہیں کہ وہ لہریں آ رہی
ہیں روشنی کے باریک ولطیف ذرات پھر عکسوں میں منتقل ہو رہے ہیں اب کون کہہ
سکتا ہے کہ یہ عرض ہے جو ہر یا جسم نہیں ہے اور ان باتوں سے یہ نظریہ بھی باطل ہو
جاتا ہے کہ روشنی خود بھی ظاہر ہوتی ہے اور دیگر اشیاء کو بھی ظاہر کر دیتی ہے حالانکہ
انتہائی تاریک رات میں بھی ڈش انٹینا میں داخل ہوتی ہوئی شعاعوں کو کوئی نہیں دیکھ
سکتا تو اس سے روشنی کے جو دو بنیادی وصف بتائے گئے تھے وہ بھی ثابت نہیں ہوتے
پھر یہ نظریہ کہ نور آئے گا تو ظلمت یعنی تاریکی نہ رہے گی کیونکہ اجتماع ضدین ناممکن
ہے اس ڈش انٹینا والی مثال سے دیکھ لیں کہ روشنی کی لہریں ظلمت اور تاریکی سے
گزر بھی رہی ہیں اور تاریکی بھی باقی ہے اب تو روشنی کے ذرات کو پابندِ سلاسل کر
دیا گیا ہے ویڈیو کیسٹوں میں سب کچھ بھرا ہوا ہے وہ ذرات موجود ہیں اب بھی اگر
کوئی یہ کہے کہ روشنی عرض ہے صاحبِ جسم جو ہر نہیں تو اس کے علم کا جواب کسی کے

پاس نہیں ہے۔
روشنی کے ذرات کو اب تو تولا بھی جا سکتا ہے یعنی روشنی کا ایک وزن بھی ہے اور سورج کی روشنی کا وزن پر مکعب فٹ معلوم کیا جا چکا ہے اب کوئی یہ بھی تو بتائے کہ عرض کیلئے وزن ہوتا ہے یا جوہر کے لئے اگر کسی صاحب کو پھر بھی اطمینان نہ ہو تو نیچر آف لائٹ پہ بیسیوں کیسٹیں مارکیٹ میں موجود ہیں انہی کو دیکھ لیں ان میں روشنی کے بارے میں ہر بات تجربے سے ثابت کر کے دکھائی گئی ہے۔
اور جدید علم البصریات (آپٹیالوجی) کی کتابیں تو مارکیٹ میں موجود ہیں وہی پڑھ لیں

نمبر2 آواز

آواز کو بھی ماضی میں عرض کہا جاتا تھا اس پہ روشنی ڈالنے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کیونکہ اس کی رفتار، وزن، طاقت، ولاسٹی وغیرہ پہ اکثر معلومات عوام تک پہنچ چکے ہیں اور ریڈیو، ٹی وی، ٹیپ ریکارڈر وغیرہ نے آواز کے ساتھ تیسرے نمبر پہ لائے جانے والے ''عرض'' یعنی رنگ کا مسئلہ بھی حل کر دیا ہے اب رنگ، آواز، خوشبو، روشنی، ذائقہ وغیرہ سب چیزیں جوہر ثابت ہو چکی ہیں اب ان چیزوں کے بیان کرنے کے بعد گزارش کرونگا کہ مخلوقِ نور کے نظریے کے موانع تو یہی تھے کہ وہ عرض ہے جوہر نہیں اگر اب روشنی یا نور جوہر ثابت ہو گیا ہے تو اس سے کسی مخلوق کے پیدا ہونے کے تصور کو کیسے رد کیا جا سکتا ہے جبکہ کلام الٰہی میں اس کی تردید بھی موجود نہیں اور اثبات میں مواد بھی ملتا ہے۔

میرے ایک قابل احترام دوست نے لکھا ہے کہ خلقت نوری کیلیئے سب سے بڑا مانع یہ ہے کہ نور کے حقیقی معنی ہیں روشنی اور روشنی بے عقل و بے معرفت و بے شعور سی چیز ہے اس سے کسی صاحب عقل مخلوق کا پیدا ہونا محال ہے مجھے یہ پڑھ کر بہت ہنسی آئی کیونکہ انسان کو خاک سے خلقت فرمایا گیا ہے جو بے عقل و بے شعور و بے معرفت ہے اور موالید کے سب سے ادنیٰ مقام پہ ہے مگر خاک سے باشعور انسان پیدا ہوا انسان کو نطفے کے پانی سے پیدا کیا گیا جو مائعات میں سے سب سے زیادہ نجس ہے اور شعور و معرفت و عقل سے بھی عاری ہے مگر پیدا ہونے والا انسان ہے۔

نار جو نور کی ہم جنس ہے اس میں تو مسجد و مندر کی تمیز نہیں قرآن کریم بھی ہاتھ چڑھ جائے تو لحاظ نہیں کرتی اس سے قوم جنات اور ان کے بڑے چودھری ابلیس کو پیدا کیا گیا وہ باشعور اور عقل مند بن گیا۔

احادیث میں ایک ایسی مخلوق کا ذکر بھی ہے جسے ''ہوا'' سے خلق فرمایا گیا ہے اگر چہ ہوا بذات خود شعور و عقل کے صفات سے عاری ہے مگر اس سے پیدا شدہ ساری مخلوق صاحب عقل و شعور ہے۔

اسی طرح اگر نور سے کسی ذی علم و عقل مخلوق کو ایجاد کرنے کا کام خالق نے فرمایا ہو اور اسے عقل و علم و شعور کی دولت سے مالا مال بھی کیا ہو تو بنیادی مادہ کیسے مانع ہوسکتا ہے؟

اگر بنیادی مادہ مانع ہوتا تو آدم و حوا، ابلیس و ملکوت کے علم و عقل میں بھی حائل ہوتا آج تک کسی نے جناب جبرائیل علیہ السلام کے نور ہونے پر اعتراض نہیں کیا حالانکہ ان کا نوری مخلوق ہونا بھی قرآن پاک میں بیان نہیں ہوا مگر سارے انہیں نوری

مانتے ہیں اور کسی نے ان کے صاحبِ عقل وشعور ہونے پر بھی کبھی اعتراض نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ نور تو بے عقل وشعور چیز ہے اس سے صاحبِ عقل مخلوق کیسے پیدا ہوگئی ؟ اور نہ ہی کسی نے ان کے شعور پہ کبھی شک کیا ہے۔

اس بحث سے ممکن ہے کسی کو یہ گمان ہو کہ میں پھر ایجابی طرز اپنا رہا ہوں ایسا نہیں ہے بلکہ میں یہاں پھر اپنی پہلے والی بات کا یہاں اعادہ کرونگا کہ میں پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کے ذاتیات کے بارے ایجابی واثباتی طرزِ فکر بالکل نہیں رکھتا کیونکہ ان کی ذات کے بارے میں جو کچھ ثابت کیا جاتا رہا ہے یہ صرف قیاسی ہے کیونکہ نور سے بڑا لفظ عربی زبان میں موجود ہی نہیں تو مفکرین انہیں نوری مخلوق ثابت کرتے ہیں حالانکہ ان ذاوات پاک کی حقیقت تو منطقی خرافات سے بہت اعلیٰ وارفع ہے ان کا مادہِ وجود رازِ الٰہی ہے میں نے اس لفظ پہ اس لئے بحث کی ہے کہ منطق وفلسفہ و کلام کے نقائص سامنے آجائیں اور ان پیمانوں سے ذاتِ واجب الوجود کے انوار کو پرکھنا ، تولنا ہی غلط ثابت ہو جائے میں تو اتنا جانتا ہوں کہ مخلوق اول اس وقت تھا جب کچھ نہ تھا اور بغیر احتیاجِ موضوع کے مستقل تھا وہ جیسا بھی تھا اور جس حال میں بھی تھا اس کی کسی ایک صفت و وصف پر بشریت کا اطلاق نہیں ہوسکتا تھا اور وہ بعینہ دنیا میں اترا ہے تو پھر اس پر منطق کے قانون لاگو کرنا حماقت نہیں ہے تو کیا ہے؟

اگر وہ زمین پر اترنے والی ذات مخلوق اول کی غیر ہے تو پھر اسے جو بھی کہہ دیں وہ مخلوق اول نہ ہوگا بلکہ اس کا غیر ہی ہوگا کیونکہ اجتماعِ ضدین ہوسکتا ہے مگر اجتماعِ نقیضین محال ہے۔

یہ کلیات ومسلمات جو بنائے گئے ہیں کہ یہ جوہر ہے ، یہ عرض ہے وغیرہ وغیرہ یہ

چیزیں وجودِ حقیقی نہیں رکھتیں بلکہ صرف اعتباری ہیں فرض کردہ ہیں اگر کچھ ہیں تو وہ جواہر ہیں مثال کیلیئے دیکھئے عرض فارق وغیر فارق کا جو تصور ہے اس میں ایک عرض غیر فارق مقام ولادت کو قرار دیا جاتا ہے کہ انسان جس زمین پر پیدا ہوتا ہے وہ ایسی اٹیچمنٹ ہے جو انسان سے جدا نہیں ہوسکتی اگر اس سے مراد اس زمین کا نام لیا جائے تو شہروں، قصبوں ،قطعات ارض کے نام بدلتے رہتے ہیں کیلہ، مربع ،مستطیل ،نمبر خسرہ وغیرہ بدلتے رہتے ہیں تو اس طرح یہ غیر فارق فارق ہوجاتا ہے پھر شہروں ،قصبوں وغیرہ کے نام اعتباری ہیں کیونکہ اس زمین کو دیکھا جائے تو اس پر حد بندیاں نہیں ہوتیں ہم خود ایک پلاٹ کے خود نمبر لگاتے ہیں اور نام دیتے ہیں ورنہ زمین کے ہر کیلہ اور کنال پہ اپنا نام کندہ نہیں ہوتا یہ انسان نے سہولتِ تشخیص اور پہچان کیلیئے فرض کیئے ہیں جیسا کہ خود انسان نام ہوتا ہے یہ بھی تو عرضِ فارق ہے اسی طرح زمین کے نام بھی عرضِ فارق کی طرح اعتباری ہیں لہٰذہ مقام کا تصور ہی ناقص ہوجاتا ہے دوسری طرف دیکھیں تو انسان کی ہر چیز عرض غیر فارق نظر آئیگی جہاں پیدا ہوا، جہاں چلا، جہاں پروان چڑھا ،جس سکول یا ادارے میں تعلیم حاصل کی غرض کہ ہر وہ قطعہ زمین اس کے ساتھ ہمیشہ کی وابستگی رکھتا ہے کہ جس پر اس نے ایک قدم رکھا تھا اسی طرح صرف مقام پیدائش کی خصوصیت کیا باقی رہتی ہے۔

مذہب و نام وغیرہ بھی مقام پیدائش کی طرح چھوڑنے کے باوجود غیرِ فارق رہتے ہیں اور کبھی جدا نہیں ہوتے اسی طرح اگر ہر ''عرض'' پر غور کریں گے تو ہزاروں نقائص و مفاسد سے بھرا ہوا ہوگا کیونکہ یہ سب قیاسی وظنی و اعتباری وفرضی کلیات وغیرہ ہیں ان میں حقیقت نام کی کوئی چیز نہیں اسی لئے متعدد خطبات میں سرکار

امیر المومنین علیه الصلوات والسلام نے ارشاد فرمایا ہے

☆فلا یقاس بنا احد من الناس فاِنا نحن الاسرار الهية المودعة فی الهياكل البشرية

لوگوں میں سے کسی ایک فرد پر بھی ہمیں قیاس نہ کرو کیونکہ ہم الوہیت کے وہ سربستہ راز ہیں جو ھیاکلِ بشری میں بطور امانت رکھے گئے ہیں آج تک کسی بھی اثناء عشری نے اس فرمان کو ضعیف وغیرہ نہیں کہا بلکہ ہمارے بزرگِ محترم صاحبِ اصول شریعہ نے بھی اسے درست مانا ہے اور قیاس کی نفی کی ہے۔

قیاس کیا ہے؟

ذرا یہ بھی دیکھ لیں کہ قیاس جسے انگریزی میں سیلو جزم کہا جاتا ہے وہ کیا ہوتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قیاس استنتاج سے حاصل ہوتا ہے استنتاج کی دو قسمیں ہیں۔

(1)استنتاج بدیھی (بلا واسطه)

(2)استنتاج نظری (بالواسطه)

استنتاج نظری کم از کم تین قضیوں اور تین حدود سے حاصل (مرکب) ہوتا ہے۔

قضیے کبریٰ صغرا نتیجہ حدود اکبر اوسط اصغر ہوتے ہیں مثلاً انسان فانی ہے، زید انسان ہے زید فانی ہے، فانی اکبر ہے انسان اوسط ہے، زید اصغر ہے

ریاضیاتی شکل یہ ہوگی   1-ف---ز=1

ز =ف

اسی میڈی ایٹ انفرنس کا نام قیاس ہے کیونکہ اس میں درست نتیجہ حاصل کرنے کیلئے

مساواتیں بنائی جاتی ہیں لیکن ایک شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ اس کے کلی کا درست علم ہونا ضروری ہے کیونکہ اگر کلی یہ بنائیں کہ "انسان کتے ہیں" تو نتیجہ بھی غلط ہوگا۔

اب پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ان کا کلی سو فیصد درست معلوم ہے تب نتیجہ درست ہوگا جبکہ ان کے کلی کا علم کوئی رکھتا ہی نہیں اس لئے یہاں قوانینِ منطق لاگو ہو ہی نہیں سکتے کیونکہ منطق کی اکثر باتیں قیاسی ہیں مثلاً منطق کہتی ہے اگر کوئی ایسی نوع ہو جس کے اوپر نہ کوئی نوع ہو نہ اس کے تحت کوئی جنس ہو تو اسے نوعِ مفرد کہنا چاہیے مگر محققین کے نزدیک ایسی کسی نوع کا وجود ہے ہی نہیں حالانکہ روح بھی ایک نوع ہے ملکوت و جنات کی بھی ایک نوع ہے جن کے نیچے نہ جنس ہے نہ اوپر نوع ہے ان مفرد انواع کی موجودگی کے باوجود منطق کہتی ہے کہ ایسی کسی نوع کا وجود ہی نہیں ہے۔

حقیقت یہی ہے کہ یہ سب قیاس کے کارنامے ہیں اسی لئے امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے امام ابوحنیفہ سے فرمایا تھا دین میں قیاس کرنا حرام ہے کیونکہ پہلا قیاس ابلیس نے کیا تھا اور مردود ہو گیا تھا۔

☆من قاس فی الدین قرنه الله مع ابلیس یوم القیامه

جب نماز و روزہ اور دیگر فروعی مسائل میں قیاس حرام ہے تو اصول دین کے معاملے میں قیاس کو کس نے جائز کیا ہے؟

قیاس تو پورے دین میں حرام ہے معرفت محمد آل محمد علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں کس حکم سے جائز ہوا ہے یا معرفت کو دین سے خارج کر دیں یا معرفت کے معاملے میں قیاس کو حرام سمجھیں۔

ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے سے پست بتایا تو ملعون ٹھہرا انہی قیاسی اصولوں سے کوئی پاک خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات والسلام کو اپنے جیسا ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کرے گا تو حاصل ابلیس سے مختلف نہ ہوگا بلکہ اس سے بھی بدتر نتیجہ نکلے گا کیونکہ ابلیس کے پاس نظریِ استنتاج کا ایک جواز تو موجود تھا یعنی ہر لطیف کثیف سے افضل ہے آگ مٹی سے لطیف ہے لہٰذہ اسی کلیے کے پیش نظر اس نے عرض کی۔

☆خلقتنی من نار و خلقته من طین،انا خیر منه

مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے خلق فرمایا ہے لہٰذہ انا خیر منہ میں اس سے افضل ہوں اور تفضیل مفضول علی الفاضل ظلم ہے اور تو خالق ہے عادل ہے ظالم نہیں یہ میرا امتحان ہے تو میں تمہیں عادل سمجھتے ہوئے سجدہ نہیں کرتا۔

لیکن ذاتی قیاس کا انجام کیا ہوا ابلیس کے پاس ایک دلیل تو تھی آج کل کے لوگوں کے پاس تو کوئی دلیل ہی نہیں ہے کیونکہ قیاس کرنے والے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک عالم، دوسرا جاہل عالم کا قیاس منطقی ہوتا ہے اور جاہل تبادر کو حقیقت کی علامت سمجھتا ہے چیز جیسی نظر آئی ویسا نظریہ بہ قیاس قائم کرلیا ابلیس عالم تھا اس نے منطقی استدلال کیا۔

عرب کے کفار جاہل تھے انہوں نے اٹھنے بیٹھنے کھانے پینے سے بشریت کا قیاس کیا انجام دونوں کا ایک ہوا درجات میں شاید کچھ فرق ہوا انجام میں نہیں۔

حقیقت وہی ہے کہ ان پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں قیاس کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں جبکہ ایک حدیث موجود ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

☆ یا علی علیہ الصلوات والسلام ماعرفك الاالله وانا وما عرفنی الاالله وانت وما عرف الله الا انت وانا فکیف یکون مثل الناس هم یدعون معرفة

اے میرے برادر بہ جان برابر تمہیں میرے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا مجھے تمہارے اور اللہ کے سوا کوئی نہیں پہچانتا اور اللہ کو تمہارے اور میرے سوا کوئی نہیں پہچانتا یہ لوگ کیسے معرفت کے دعوے کرتے ہیں؟

جنہیں پہچان کوئی نہیں سکتا انہیں قیاس کی زنجیریں کیسے ڈال سکتا ہے؟

ایک مہربان نے سوال کیا کہ جب کسی آیت قرآن اوراس کی تائید میں کوئی حدیث بھی مل جائے تو پھر وہ نظریہ قیاسی نہیں ہوسکتا میں نے گزارش کی کہ کلام الٰہی میں اللہ کے ہاتھ، پاؤں، چہرہ، پنڈلی وغیرہ کا ذکر ہے اوراس کی تائید میں احادیث بھی موجود ہیں جو اللہ کو مجسم ثابت کرتی ہیں اور اتنی تعداد میں وہ احادیث ہیں کہ عالمِ اسلام کا ایک مسلک ہی مجسمہ کے نام سے مشہور ہو گیا ہے جو اللہ تعالی کو صاحبِ جسمِ مرئی سمجھتے ہیں مثلاً حضرت ابو ہریرہ نے ایک آیت یوم یکشف عن ساق...... الخ کے ضمن میں فرمایا کہ ایک دن اللہ اپنی پنڈلی سے پائجامہ کھینچے گا اور سب کو سجدے کیلئے بلائے گا مگر بعض لوگ سجدہ نہ کرسکیں گے اس آیت کی تفسیر میں حدیث پیش کی جس میں اللہ کی پنڈلی کو جہنم میں ڈالنا لکھا ہے اور جہنم کہے گی قط قط (بس بس)

اب فرمائیے آیت اور حدیث دونوں موجود ہیں مگر یہ نظریہ قیاسی اور غلط بھی مانا جاتا ہے آخر کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاں جہاں بھی آیاتِ کلامِ الٰہی ذات واحد کی الوہیت کی عظمت سے متصادم نظر آئیں وہاں تاویل کرنا واجب ہو جاتا ہے چاہے لاکھوں

احادیث کی تائید ہی کیوں نہ حاصل ہو اسی طرح جو آیات و احادیث نبوت و امامت کو اپنے مرتبہ عظیم سے گرا رہے ہوں وہاں بھی تاویل واجب ہو جاتی ہے ورنہ انبیاء علیھم السلام نعوذ باللہ ظالم گمراہ وغیرہ ثابت ہو جائیں گے جیسے جناب یونس اور جناب موسیٰ علیھما السلام کے اقوال کلام الٰہی میں موجود ہیں۔

لٰہذہ عظمتِ خاندان تطہیر علیھم الصلوات والسلام کے پیش نظر آیات کی تاویل کرنا جائز ہے کیونکہ اس بات کو عالمِ اسلام کے جملہ مکاتیب فکر نے جائز قرار دیا ہے جب عظمت خاصانِ الٰہی کے پیشِ نظر آیات کی تاویل واجب ہے تو عظمت کے منافی کسی قیاسی رائے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے؟

ہمارے مولا و آقا شہنشاہ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف جانتے ہیں میں کسی فرد سے ذاتی عداوت نہیں بلکہ عظمتِ خاندانِ تطہیر علیھم الصلوات والسلام کے پیش نظر چند سطور لکھ رہا ہوں اور ہمہ وقت مصروف دعا ہیں کہ رازہائے الٰہی کو منکشف فرمانے والی ذات اقدس جلدی آئے اور ان مفروضہ بحثوں اور نظریوں سے مومنین کو نجات حاصل ہو

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمّ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہِ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 10

اجرائے نسل

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے ہمنشینان خلوت اسرار!

میں نے وحدت نوع کے تصور کے خدوخال واضح کرنے کی کوشش اس لئے نہیں کی ہے کہ میں یہ راز جانتا ہوں کہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کی نوع کیا ہے؟

یہ راز مجھے قطعی معلوم نہیں کہ جنہیں اللہ جل جلالہ نے اپنے نور سے ایجادو انشاء فرمایا ہے وہ کیا ہیں ان کی حقیقت ذات کیا ہے، ان کا خالق سے کیا رشتہ ہے اور ان کا دائرہ اختیار کتنا وسیع ہے ان باتوں کا جواب میرے پاس نہیں ہے مگر اتنا ضرور جانتا ہوں کہ انہیں جو کچھ سمجھا جارہا ہے وہ بھی غلط ہے۔

احادیث وفرامین کی ایک دنیا بسی ہوئی ہے ایک دوسرے سے متناقض فرامین و احادیث موجود ہیں جو ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں اپوزٹ ہیں۔

میرے دوستو میری ایک نصیحت کو یادرکھنا جو تمہیں ہلاکت دینی سے بچائے گی وہ یہ ہے کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے جتنے بھی فرامین واحادیث ہوں ضعیف و احادتک وضعی اور غیر وضعی تک سبھی کے سامنے سرتسلیم جھکا دینا ہم پر لازم ہے اور کسی فرمان سے یا کسی حدیث سے قطعاً انکار نہ کرنا کیونکہ یہ حدیث کی توہین نہیں بلکہ اس

نام پاک کی توہین ہے جن سے یہ کلمات منسوب ہیں۔
ہاں جو فرامین تمہیں بعید از عقل اور خلاف واقعہ لگیں تو ان کا انکار مت کرنا بلکہ یہ کہہ دینا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے ہم اس کے مکلّف نہیں ہیں اب اس کی ایک حسی مثال دیتا ہوں۔
ایک عالم متبحر ہو اسے چند مقامات پر تقاریر کرنا ہوں اور سامعین کی ہر مقام پہ جداگانہ سوچ ہو مثلاً پہلے مقام پہ ایک مخلوط مجمع ہو جہاں شیعہ، سنی، ہندو، مسلم، سکھ عیسائی سب موجود ہوں۔
دوسرے مقام پہ صرف مسلمانوں کے جملہ مکاتیب فکر کا ملا جلا مجمع ہو۔
تیسرے مقام پہ صرف اثنا عشری مجمع ہو اور کوئی غیر شامل نہ ہو مگر اس میں شیعہ کے سبھی مسلک شامل ہوں۔
چوتھے مقام پہ علماء و عرفاء کا مجمع ہو جہاں کوئی شخص ایسا نہ ہو جس کی علمی حیثیت نہ ہو
پانچواں مقام وہ ہو کہ جہاں صرف اور صرف اس عالم کے معتمدین اور معتقدین ہوں کہ جن کے بارے میں اسے معلوم ہو کہ یہ میری ہر بات کو قرآن کریم کا درجہ دیں گے اور اللہ کا فرمان سمجھیں گے اب فرمایئے ان مختلف مجالس میں اس عالم کا انداز بیان اور اظہار حقائق کا انداز کیا ایک جیسا ہو سکتا ہے؟
اس مثال سے ثابت ہوتا ہے کہ محفل اور سامعین کے ساتھ ساتھ ایک صاحب فہم و فراست کے بیان میں واضح اختلاف ہو جاتا ہے جب کہ یہ پابندی بھی عائد ہو کہ
☆کلموا الناس علیٰ قدر عقولھم
لوگوں کے عقول کے مطابق ہی کلام کریں۔

اب خود سوچیں وہ عرب جو تازہ مسلم ہیں کچھ دوست ہیں، کچھ دشمن ہیں برسر اقتدار طبقہ کوئی موقعہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہتا ایسے حالات میں کھل کر کلام فرمانے کا آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کو موقعہ ہی کب ملا ہے پھر مختلف ظرف کے لوگوں کے سامنے مختلف انداز میں کلام فرمانا لازم و واجب تھا اور یہی سامعین کا اختلاف ذوق سماعت اور قوت برداشت کا اختلاف ہے جو احادیث و فرامین میں موجود ہے خود شیعہ حضرات قدم قدم پہ آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام پہ نکتہ چینیاں کر رہے تھے اس کے پیش نظر جو صاحبان راز و اسرار آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام تھے انہیں سختی سے حکم تھا کہ عقائد و معارف کا اظہار نہ کریں دشمن ویسے فضائل چھپا رہا تھا دوست تقیتاً فضائل چھپا رہے تھے ان حالات میں جو کچھ نشر ہو رہا تھا وہ کیا تھا؟

دوست دشمن کے چھپانے کے باوجود پھر بھی اتنے فضائل منظر عام پر آئے ہیں کہ بعض لوگوں کو یقین ہونے لگا کہ یہی ذوات پاک خود اللہ جل جلالہ ہیں۔

پھر فطرت انسان ہے کہ وہ کسی چیز کے جملہ پہلوؤں سے جو قریب ترین پہلو ہوتا ہے اسی کو قبول کرتا ہے اور اس سے پہچانتا ہے میرا اپنا مشاہدہ ہے کہ میں نے ایک چھوٹے سے بچے کو ایک اجنبی آدمی کی تصویر دکھائی پوچھا یہ کون ہے؟ تو اس نے کہا یہ انسان ہے اب دوسری تصویر خود اس کے والد کی دکھائی پوچھا یہ کون ہے؟

اس نے کہا یہ بابا جان ہیں

کیونکہ انسان کے تضمن و تعبیر کے عمل میں اس بچے کا سب سے قریبی پہلو اس کا رشتہ تھا اس لئے اس نے لفظ انسان استعمال نہیں کیا بلکہ رشتہ بنایا ہے یعنی انسان ہمیشہ قریبی رشتے اور ناطے کے حوالے سے کسی کو پہچانتا ہے جانوروں میں انسانیت کے

ناطے سے نوع کی حیثیت سے بات کرتا ہے پھر نوع میں صنف کو پہچانتا ہے پھر صنف سے رشتے وغیرہ کا پہلو زیادہ قریب ہوتا ہے اسی کلیے کے تحت لباس بشر میں جب بھی کوئی ذات تشریف لائی تو اس نے اسے بشریت کے رشتے سے پہچانا کیونکہ اس ذات کا جو انسان کے قریب ترین پہلو تھا اور ان میں ایک پراسراریت بھی تھی لیکن انسان نے اس پراسراریت پر سوچنے کے بجائے بشریت ہی کو سامنے رکھا اور اسی پر محدود ہو کر رہ گیا۔

مثلاً ملا محسن فیض کے حوالے سے ایک صاحب نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ نبی و امام کا انسان ہونا ضروری ہے۔

☆یجب ان یکون انسان لان مباشرة الملك لتعليم الانسان علیٰ هذا الوجه مستحيل...... اصول شريعه ف 93

امام و نبی کا انسان ہونا واجب ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی فرشتے کا انسان کو تعلیم دے سکنا محال ہے۔

اب غور کریں ایک طرف یہ کہا جاتا ہے کہ نبی کو فرشتے تعلیم دیتے ہیں اور اگر فرشتے علم نہ دیں تو اس کے پاس کچھ نہیں ہوتا اگر ایک لمحہ بھی فرشتہ غائب ہو جائے اور انہیں کچھ نہ بتائے تو یہ زہر بھی کھا لیتے ہیں دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ انسان کو فرشتوں کا تعلیم دینا محال ہے۔

اب فرمایئے اس کا منطقی نتیجہ کیا نکلتا ہے

(1) یہ کہ نبی انسان نہیں ہے؟

(2) یا یہ کہ نبی انسان ہے؟

(1) فرشتہ انسان کو تعلیم نہیں دیتا

(2) نبی فرشتے سے تعلیم حاصل کرتا ہے نتیجہ کیونکہ نبی کو فرشتہ تعلیم دیتا ہے اور انسان فرشتے سے تعلیم حاصل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا لہٰذہ نبی انسان نہیں ہے مگر نتیجہ یہ نکالا گیا ہے کہ نبی انسان ہے۔

یہ وہی قریب و بعید والے پہلو کا مسئلہ ہے جو پہلو قریب ہوتا ہے اسے پکڑ لیا جاتا ہے چاہے وہ اپنے ہی قوانین کے خلاف کیوں نہ ہو اسی طرح بشریت پہ دلائل جمع کرتے کرتے جارحیت پہ اتر آئے تو کہہ دیا کہ کیا نبی کھانا، پینا، سونا، مباشرت، بول و براز سے مستثنیٰ نہ تھے حالانکہ ہر نبی اور امام کھاتا، پیتا تھا، مباشرت کرتا تھا، بول و براز کرتا تھا وغیرہ وغیرہ تو اس سے ثابت ہے کہ وہ نوع بشر ہی کے فرد تھے ان دلائل وشواہد کے پیش کرنے والوں کا مقصد پتہ نہیں کیا تھا ظاہر یہ کر رہے تھے کہ وہ انہیں انسان ثابت کر رہے ہیں اور ثبوت دے رہے تھے جس سے وہ حیوان ثابت ہو رہے ہیں (نعوذ باللہ) کیونکہ جتنے خاصے انہوں نے بیان کئے ہیں نوعی خاصے ہیں ہی نہیں جنسی خاصے ہیں اور ان سے استدلال علی النوع درست ہی نہیں کیونکہ ان چیزوں کو ثبوت اور دلیل بنا کر تو کتا و خنزیر بھی خود انہی کی نوع سے ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے کہ جس طرح یہ کھاتے ہیں، پیتے ہیں، اختلاج زوجین سے لطف اندوز ہوتے ہیں اسی طرح ہر جانور ہوتا ہے۔

اس طرح تو کتے اور خنزیر کو بھی استحقاق مل جاتا ہے کہ وہ بھی کہہ دیں کہ ہماری اور فلاسفہ و مناطقہ کی نوع ایک ہے اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں سے جس طرح استدلال کیا گیا ہے ان سے خود انہی کے نظریات کی تردید ہو جاتی ہے۔

ایک اور استدلال بھی دیکھ لیں کہنے والے کہتے ہیں آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام نے فرمایا ہے ہم جس طینت طیبہ سے خلق ہوئے ہیں۔

☆لیس لاحد فیھا نصیب

وہ کسی ایک کو میسر نہیں ہے اس کے معنی یہ کیسے ہیں کہ غیروں کو جو کفار و مشرکین ہیں انہیں اس طینت طیبہ میں سے کسی کو کچھ میسر نہیں ہے۔

تو کیا ہمیں سوال کرنے کا حق ہے کہ آپ تو کہتے ہیں نوعی زاویہ نگاہ سے ایک کافر سے لے کر نبی تک سبھی انسان ہیں کیا کفار کو اس طینت سے کچھ نہیں ملا یعنی ان کا مادہ تخلیق جدا ہے؟

اگر مادہ جدا ہے تو کیا ان کی نوع بھی جدا ہے؟

اگر نوع بھی جدا ہے تو کیا یہ بشر نہیں یا کفار بشر نہیں؟ کیونکہ ان سے ان کی نوع جدا ہے جب مادہ تخلیق ہی جدا ہے تو نوع کس طرح ایک ہے مگر ضد کا برا ہو کچھ بھی سمجھنے نہیں دیتی جب وحدت نوع کا نظریہ پیش کرتے ہیں تو لفظ مثل کو بنیاد بنا لیا جاتا ہے جب انسان کو اشرف المخلوقات ثابت کرنا چاہتے ہیں تو لفظ مثل کی ساری اہمیتیں بھول کر لکھ دیتے ہیں کہ جبرائیل فخریہ کہتے ہیں۔

☆من "مثلی" انا خادم محمدؐ و آل محمدؐ...... اصول شریعه ف 85

کہ میری ''مثل' کون ہوسکتا ہے کہ میں خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کا خادم ہوں یہ لفظ مثل کا دہرا معیار بتا رہا ہے کہ یا تو نیت فاسد ہے یا پھر عقل سے ہاتھ تنگ ہے یہ ہے ان مفکرین کا طرز استدلال کہ کہیں کچھ ہے کہیں کچھ ہے کوئی قانون نہیں کوئی اصول نہیں بات کرتے چلے جاؤ کون پوچھتا ہے اسی طرح ایک اور طرح سے بزعم

خویش وحدت نوع کے نظریے کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ وہ بہت ہی سطحی قسم کا ہے مگر اس کا جواب دینا بھی ضروری ہے کیونکہ اس میں نفسیات کا ایک کامیاب حربہ استعمال کیا گیا ہے پہلے اس حربے کی وضاحت کرتا چلوں۔

انسان چاہے بچہ ہو یا بوڑھا جب اسے کسی چیز کے برے پہلو کو سامنے رکھ کر احساس دلایا جائے تو انسان برائی کے لیبل لگنے کے ڈر سے اچھی چیز سے بھی بیزاری کا اعلان کر دیتا ہے مثلاً میرے دو دوست آپس میں گفتگو کر رہے تھے ایک صاحب شیعہ تھے اور ایک کیمونسٹ تھے عزاداری پہ دوستانہ انداز میں گفتگو ہو رہی تھی تو کیمونسٹ صاحب نے کہا بھائی صاحب یہ گریہ وزاری سے نجات کا جو تصور وابستہ ہے کیا یہ عیسائیت کی طرح کا کوئی تصور تو نہیں ہے کہ رو لینے سے نجات حاصل ہو جاتی ہے یہ رونے کی رسم کہیں ان سے منتقل ہو کر تو اسلام میں نہیں آئی ؟

تو دوسرے دوست نے کہا نہیں بھائی ایسا ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی ہمارے مذہب میں رونے سے نجات کا کوئی تصور موجود ہے۔

وہ صاحب عیسائیت کے لیبل کے ڈر سے بڑی سختی سے اس تصور کی نفی کر رہے تھے تو میں نے مداخلت کی اور کہا کہ حضور اگر کوئی بات جو حقیقت میں اچھی ہو چاہے وہ جس مذہب میں رائج ہو وہ دین حق کا حصہ ہے مثلاً ''سچ بولنا''

اب کون کہہ سکتا ہے کہ سچ بولنے کا تصور یہود سے مسلمانوں نے لیا ہے اسی طرح جناب موسیٰ کے بنیادی دس احکام مکمل طور پر دین اسلام کا حصہ ہیں تو کیا کوئی احمق انہیں صرف اس وجہ سے برا کہہ سکتا ہے کہ وہ ہمارے مخالفین یہودیوں کے دین کا حصہ ہیں۔

اسی طرح اگر گریہ و بکا کی اہمیت عیسائیت میں بھی ہو اور اسلام میں بھی ہو تو اسے عیسائیت کی تقلید تو نہیں کہا جا سکتا سچائیاں تو کسی کی پراپرٹی نہیں ہوتیں۔

بالکل اسی طرح اسی حربے کو استعمال کرتے ہوئے بعض ماہرین معقول نے کہا ہے کہ سادات کرام کے اجداد یعنی آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام اگر انسان نہ تھے تو ان کی نسل سے پیدا ہونے والے خدانخواستہ کیا کسی غیر کی اولاد ہیں کیونکہ یہ انسان ہیں اور یہ سلسلہ نسل در نسل چل رہا ہے اس سے ثابت یہ کیا جاتا ہے کہ پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام بھی نعوذ باللہ مباشرت وغیرہ کرتے تھے جس کا نتیجہ یہ اولاد ہے۔

اسی طرح پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کے اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں بھی خرافات بکے گئے ہیں اجداد طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے بارے میں ہم اپنے سوال نامے میں وضاحت کریں گے مگر اولاد کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور عرض کرتے ہیں۔

اس سوال کے در پردہ بنیادی دو سوالات ہیں

(1) غیر جنسی طریقے سے اولاد کا ہونا محال ہے

(2) انواع مختلف سے اولاد کا ہونا محال ہے

باقی سوالات انہی کے ضمن میں آ جاتے ہیں مثلاً کیا پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کو بھی جنسی بھوک محسوس ہوتی ہے؟ یا جنسی خواہش کا انسانیت سے کیا تعلق ہے کیا جنسی خاصے نوع کے لئے باعث افتخار ہو سکتے ہیں؟ وغیرہ وغیرہ

اب ذرا پہلے سوال کا جائزہ لے لیں جدید سائنس اور قرآن کریم یہ دو ایسے ذرائع ہیں جو جہاں واضح ثبوت کے ساتھ ایک بات پر متفق نظر آئیں تو دنیا کا کوئی مسلمان

بھی انکار نہیں کرسکتا اور جو خدا کا منکر ہے وہ بھی سائنس سے انکار نہیں کرسکتا اور یہ دونوں ذرائع اس مسئلے پر متفق ہیں کہ غیر جنسی طریقے سے اولا کا پیدا ہونا ممکن ہے باٹنی اور بیالوجی کی سٹڈی کے دوران مجھ پر منکشف ہوا کہ نباتات کی ایک کثیر تعداد غیر جنسی طریقے سے بارآور ہوتی ہے اور بعض پودوں کے ایک ہی پھول میں میل فی میل کا مادہ منویہ موجود ہوتا ہے کیونکہ نباتات ہمارا موضوع نہیں اس پہ تفصیل پیش کرنا مناسب نہیں۔

حیوانات میں بھی بہت زیادہ تعداد میں ایسے جاندار ہیں جن کا تولید وتناسل کا سلسلہ غیر جنسی ہوتا ہے مثلاً ایمبیا اور اس کی طرح کے یک خلیاتی جاندار اور ایسے ہی کثیر الخلیاتی جاندار بھی ہیں جن کی تفصیل ''افکار المنتظرین'' میں بیان کی گئی ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ ان کا اپنا دعویٰ ہے کہ انسان کی جنس حیوان ہے اور اس منطقی کلیے سے بھی ثابت ہے کہ جنس کے خاصے ہر نوع میں موجود ہوتے ہیں اگر جنس میں یہ خاصے موجود ہیں تو نوع سے انہیں خارج سمجھنا بھی منطقی اصول کے خلاف ہے لہٰذہ اگر افراد بشر میں بھی یہ خاصے کہیں نہ کہیں نظر آئیں تو تعجب نہیں ہونا چاہیے۔

اس کے بعد ہیں مصنوعی طریقے کہ جن سے مادہ کو حاملہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ پاکستان میں بھی جانوروں کو انجکشن سے حاملہ کیا جاتا ہے یعنی کسی نہ کسی طرح مادہ کے رحم میں مادہ منویہ منتقل کر دیا جائے تو وہ حاملہ ہوسکتی ہے اب تو مصنوعی طریقہ ''بے بی ٹیسٹ ٹیوب'' کا استعمال بھی کیا جا رہا ہے جس میں شکم مادر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی اس کے ساتھ ہی ''جینیٹک سرجری'' کی ایجاد بھی دنیا کے سامنے متعارف کروائی جا چکی ہے جس کے امکانات لامحدود ہیں جینز کے انتقال اور توڑ

پھوڑ سے مختلف النوع جانداروں کی پیدائش وغیرہ اب کسی بھی شخص سے مخفی نہیں ہے کیونکہ یہ انفارمیشن کا دور ہے اور معلومات دن بہ دن پہنچ رہی ہیں جو سائنس پہ بیلیو (یقین) رکھتے ہیں انہیں صرف اشارے کی ضرورت تھی کیونکہ یہ باتیں انہیں ''آل ریڈی'' معلوم ہیں۔

اب تو بات بہت آگے جا چکی ہے اولاد کے لئے کسی مرد کے مادہ منویہ کی بھی ضرورت نہیں رہی ایمبر یو میں کیمیاوی عمل کر کے عورت کو مرد سے بے نیاز کر دیا گیا جو آدمی سائنس میگزینز کا مطالعہ کرتا ہے اس سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

دوسری طرف ''کنزرویٹو'' قدامت پرست طبقہ ہے تو ان کے لئے مذہب کے حوالے سے بات کرنا پڑتی ہے دنیا کا سب سے بڑا مذہب عیسائی ہے اور پھر بدھ مت اور پھر اسلام ہے ان تینوں مذاہب کے پاس غیر جنسی تولید کا تصور موجود ہے اسلام اور عیسائیت کے پاس جناب عیسیٰ کی ولادت کا تصور موجود ہے اور زرطشت کی کتاب ماجاسپ نامہ میں بھی یہ پیشگوئی موجود ہے کہ ایک دور ایسا آئے گا جب ایک کنواری شہزادی ایک پاک اور مقدس بیٹے کو جنم دے گی حالانکہ اس شہزادی کو کسی مرد نے چھوا تک نہ ہوگا یعنی بڑے بڑے مذاہب میں غیر جنسی سلسلہ تولید کا تصور موجود ہے ایک مشہور حدیث ہے کہ بنی اسرائیل سے امت مرحومہ کی اس طرح مشابہت ہے جیسے ایک جوتا دوسرے سے مشابہ ہوتا ہے حذو النعل بالنعل اب اگر وہاں ایک تصور موجود ہے تو کیا یہاں اس کا امکان نہیں ہے؟

اگر ہے تو کہاں ہے؟

اب کوئی کہہ سکتا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت بوجہ روح القدس ہے اور اس

نے غیر جنسی طریقہ اختیار کیا ہے یعنی روح پھونکی ہے اب آیت دیکھیں جناب مریم سلام اللہ علیہا کے بارے میں ہے۔

☆احصنت فرجه و نفخنا فيه من روحى ......(مریم)

لفظی ترجمہ کرنا توہین واستخفاف کا موجب ہے اس لئے ترک کرتا ہوں اب لفظ فیہ کی ضمیر کی طرف دیکھ کر بتائیں روح کو کس راستے سے پھونکا گیا ہے؟ اس وضاحت الٰہی کے باوجود احترام روح القدس میں کوئی شخص مباشرت کا تصور تک نہیں کرسکتا جن کی خدمت پہ روح القدس فخر کرتا ہے ان کے بارے میں خرافات بکتے ہوئے احترام مانع نہیں ہوتا ہے میں اس طریقہ کار کی وضاحت نہیں کرسکتا کہ کس طرح سلسلہ اولاد جاری ہوا ہے مگر یہ ضرور کہہ سکتا ہوں کہ وہ حیوانی وجنسی طریقہ نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ شہوات انسانیت کا نہیں حیوانیت کا تقاضہ ہیں اور حیوانی تقاضے باعث فضیلت نہیں ہوسکتے۔

اسی طرح کھانا پینا وغیرہ ہے کہ کسی کی آج تک کسی نے یہ فضیلت بیان نہیں کی کہ وہ کھاتا ہے، پیتا ہے اور زیادہ کھانے پینے والے کو آج تک اچھا نہیں سمجھا جاتا کیونکہ انسان جتنا جتنا اپنے کمال کی طرف بڑھتا ہے حیوانیت کم سے کم ہوتی جاتی ہے کھانا پینا سونا وغیرہ یہ چیزیں نوعی ترقی کے ساتھ کم ہوکر مفقود بھی ہوسکتی ہیں جن لوگوں نے تزکیہ نفس کیا ہے روحانیت میں کسی بنیادی مقام تک پہنچے ہیں تو ان لوگوں کا مشاہدہ کرکے دیکھیں وہ قلت طعام قلت منام قلت کلام پر ضرور کاربند ہونگے۔

جب تک شہوات کو ترک نہ کیا جائے تزکیہ نفس کے مراحل طے نہیں ہوتے ریاضت نفس کرنے والوں کے حالات زندگی پڑھ کر دیکھ لیں یا ان کتب عملیات کا مشاہدہ و

مطالعہ کر کے دیکھ لیں جو تربیت نفس و اخلاق پر مبنی ہیں سب میں یہی موجود ہوگا کہ کم سے کم کھائیں ''قوت لا یموت'' کم سوئیں کم بولیں کم مباشرت کریں جملہ مذاہب کے اعمال و ریاضات کو دیکھیں دوران عمل جماع ممنوع ہوتا ہے ''ترک جلالی'' کا جو تصور ہے وہ جدید علوم میں بھی مانا گیا ہے یعنی ٹیلی پیتھی اور پیرا سائیکالوجی وغیرہ میں بھی اسے اہمیت دی گئی ہے ثابت ہوا انسان جب روح کو ریفائین کرتا ہے تو حیوانیت کم سے کم تر ہوتی جاتی ہے اور لذات جنسی و حیوانی غیر اہم ہو جاتے ہیں تا اینکہ معدوم ہو جاتے ہیں۔

اگر پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کو صرف ایک کامل ترین انسان ہی تصور کر لیا جائے تو کیا پھر ان میں حیوانیت و جنسیت کا تصور بھی جائز ہوگا؟ جو چیزیں مستحسن ہوتی ہیں ان میں افراط کو خوبی سمجھا جاتا ہے جیسے عبادات و علم و فہم و فراست تقویٰ وغیرہ یہ سب چیزیں جتنی زیادہ ہونگی شخصیت کے لئے اتنی ہی فضیلت کا باعث ہونگی کیا کبھی کسی مفکر نے کھانا پینا اور مباشرت کی افراط کو باعث اکرام و فضیلت قرار دیا ہے؟

جن لوگوں کا مقصد تھا کہ بشریت ثابت ہو تا کہ وہ بھی خلافت و نیابت کے دعویدار بن سکیں ان لوگوں نے تو لکھ دیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں تیس جوانوں جتنی قوت مردمی تھی اور ایک ہی رات میں سبھی ازواج کے ہاں چکر لگاتے تھے (نعوذ باللہ)

ان لوگوں نے تو قرآن کے بالکل خلاف روایات گھڑی ہیں کیونکہ انہیں اپنے مفاد سے غرض تھی کہ قرآن فرماتا ہے اے میرے محبوب پوری پوری رات عبادت نہ کیا کرو پاؤں متورم ہو جاتے ہیں چلو آدھی رات تو آرام کر لیا کرو ادھر یہ لوگ بیویوں

کے ہاں چکر لگوا رہے ہیں پھر بھی ان روایت ساز اداروں کے ان روایات سے کچھ نہ کچھ مفادات تو وابستہ تھے مگر آج کے لوگوں کے ایسی روایات سے تمسک کرنے سے کون سے مفادات وابستہ ہیں؟

اگر کثرت جماع باعث فضیلت ہے تو پھر گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں ایک شخص کی 91 بیویوں کو رکھنے کا ریکارڈ بھی موجود ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی پھر بھی زیادہ سے زیادہ تعداد جو لکھی گئی ہے وہ 22 ازواج کی ہے اس طرح (نعوذ باللہ) یہ ریکارڈ ہولڈر عیسائی ان سے افضل ہے۔

دوستو آج تک کسی بھی مذہبی راہنما نے خواہشات حیوانی اور شہوات جنسی کو باعث فضیلت انسان قرار نہیں دیا پھر جتنے بھی جنسی خاصے ہیں ان میں سے سب سے ادنیٰ خاصہ حیوانی یہی خواہش جماع ہے اس لئے اسے چھپا کے کرنے کا حکم ہے اگر کوئی اپنی شرعی بیوی سے مجمعہ عام میں بوس و کنار کی حد تک پیار کر لے تو عالم اسلام اسے بے حیائی کا نام دیتا ہے چہ جائیکہ جماع کیا جائے۔

جب یہ حیوانی خواہش اس قدر ادنیٰ ہے تو اسے باعث افتخار کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ بھی ہے کہ اگر یہ واقعی مذہبی یا اخلاقی اعتبار سے اتنی اعلیٰ چیز تھی تو پھر جو نبی غیر جنسی طریقے سے پیدا ہوئے ہیں انہیں نبی تو نبی انسان بھی نہ کہا جا سکے گا جیسے جناب آدم و حوا و جناب عیسی علیہ السلام مگر اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ جناب مریم سلام اللہ علیہا کو قوم نساء سے فضیلت حاصل ہے تو صرف اس لئے کہ انہوں نے غیر جنسی طریقے سے ایک فرزند پیدا کیا ہے اور جناب عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا اعزاز بھی یہی غیر جنسی طریقے سے ولادت ہے۔

خاندان پاک علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں اس موضوع پہ گفتگو کرتے ہوئے شرم بھی آتی ہے اور ادب بھی مانع ہے اس لئے کوئی اثباتی و ایجابی نقطہ نظر تو میں پیش نہیں کر سکتا مگر اتنا ثابت کر سکتا ہوں کہ غیر جنسی طریقے سے سلسلہ اولاد کے جاری ہونے کے امکان کو کوئی رد ہی نہیں کر سکتا جب کہ قرآن اور سائنس دونوں اسے ثابت کر چکے ہیں

اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کے بارے میں کوئی ایسی روایت بھی ہے کہ جو اس قسم کی ہو اور اس مسئلے کی تائید کر سکے؟

اس کے بارے میں صرف ایک روایت پیش کر کے آگے بڑھنا چاہتا ہوں جناب محمد حنفیہ علیہ الصلوات والسلام کی ولادت کے بارے میں کئی کتب میں روایت ہے کہ ان کی والدہ گرامی صلوات اللہ علیھا نے مولا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے سامنے اپنی اولاد کی خواہش کی امام علیہ الصلوات والسلام نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر ایک حکم فرمایا جس کے اثر سے بہت کم وقت میں جناب محمد حنفیہ علیہ الصلوات والسلام کی ولادت باسعادت ہوئی ایسے بہت سے روایات ہمارے نظریات کے خلاف نظریہ رکھنے والے لوگوں کی نظر سے گزر چکے ہیں۔

آثار حمل کا نہ ہونا اور پہلوئے راست سے ظہور اجلال وغیرہ پہ بہت سے روایات موجود ہیں جن کا اعادہ کرنا بات کو طول دینے کے برابر ہے مختصراً یہ کہوں گا کہ جب غیر جنسی طریقے ولادتیں ثابت ہیں سلسلہ نسل کا جاری ہونا ثابت ہے اور باعث فضیلت بھی ہے نہ کہ باعث توہین تو پھر اس نظریے کو تسلیم کرنے میں کون سا امر مانع ہے جن کی نوع وہ خود بشر بتاتے ہیں وہ بھی تو غیر جنسی طریقے سے پیدا ہوئے ہیں یعنی جناب عیسی و جناب آدم علیھما السلام یہ تو جناب آدم ہی کو ابوالبشر مانتے یعنی دنیا کا

پہلا بشر جناب آدم ہی کو کہا جاتا ہے اور یہ نہیں سوچتے کہ بشریت کی بنیاد ہی غیر جنسیت پر رکھی گئی ہے۔

اگر چند اور افراد کا اسی طریقے کے ماتحت پیدا ہونا مان بھی لیں تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی۔

ایک بریلوی عالم کا فتویٰ میں نے دیکھا انہوں نے فرمایا ''کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے بول و براز کا مجمعہ میں عام ذکر کرنا کفر ہے''

مجھے دلی خوشی ہوئی کہ کوئی تو ہے جو درس ادب واحترام دے رہا ہے جو لوگ روایت سازی سے اپنی دکان چمکانا چاہتے تھے تو انہوں نے بھانت بھانت کی بولیاں بولی ہیں مثلاً

کسی نے کہا کہ ان کا بول و براز زمین نگل لیتی تھی

کسی نے کہا آپ کے بول بو براز سے مشک وعنبر کی خوشبو آتی تھی

کسی نے کہا وہ جو کچھ نوش فرماتے تھے وہی بعینہ خارج ہو جاتا تھا

اب کوئی شخص بتائے کہ ان باتوں کے بیان کرنے سے کونسا دینی مذہبی اخلاقی شرعی مسئلہ حل ہو رہا ہے سوائے اس کے کہ بنی عباس و بنی امیہ سزاوار خلافت بن رہے ہیں وہ لوگ یہی بکواس کرتے تھے ہم ان جیسے بشر وہ ہم جیسے بشر تو ہم ان کی مسند ومنبر پہ کیوں نہیں بیٹھ سکتے اگر آج کوئی ان کی نیابت کو اپنے اوپر فٹ کرنا چاہتا ہے تو بیشک یہ روایات بیان کرے مگر انجام بنی امیہ سے مختلف نہ ہوگا۔

میں ان علماء کرام سے ایک گزارش کرتا ہوں ذرا ٹھنڈے دل سے غور کریں کبھی خلوت میں جب مصلہ نماز پہ خلوص کے ساتھ مصروف عبادت ہوں تو صرف ایک لمحہ

اپنے خدا کو حاضر و ناظر جان کر اپنے ضمیر کو جگا کر کیا وہ ان باتوں کو اپنے آقاء کے سامنے موضوع گفتگو بنا سکیں گے؟

خدا کے لئے ضد برائے ضد یا ذاتیات نہ بنائیں اپنے ضمیر سے تنہائی میں فیصلہ لیں کہ خاندان تطہیر علیہم الصلوات والسلام کے کسی فرد کے سامنے خاص طور یہ اپنے امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے سامنے یہ بکواس قسم کی گفتگو کی جا سکتی ہے؟

میں یقین سے کہتا ہوں کہ اگر آپ کے ضمیر میں ذرا بھر جان ہے تو آپ بھی یہی کہیں گے کہ ایسی گفتگو دربار رسالت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و دربار امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف میں کرنا سوئے ادبی ہے، بے حیائی ہے۔

یہ تو تھی میری گزارش اب پھر ہم اپنی گفتگو کی طرف آتے ہیں ادب و احترام کے پیش نظر میں اس موضوع پہ زیادہ تفصیل پیش نہیں کرسکوں گا

اب اس موضوع کی دوسری جزو بھی دیکھ لیں

اس سوال کی دوسری جز یہ ہے کہ

کیا دو مختلف النوع افراد سے سلسلہ نسل جاری ہوسکتا ہے؟

کیونکہ خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام کو اگر کسی اعلیٰ نوع کا فرد تسلیم کرلیا جائے تو جن مخدرات عصمت کو امہات آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام ہونے کا اعزاز حاصل ہے وہ تو نوع انسان کی اعلیٰ ترین ہستیاں تھیں سوال یہ ہے کہ کیا نوع بشر سے کسی اعلیٰ و ادنیٰ نوع کے اختلاط سے سلسلہ اولاد جاری ہوسکتا ہے؟

دوستو!

یہ ان مفکرین کی لاعلمی ہے یا تجاہل عارفانہ ہے میں کچھ نہیں کہہ سکتا مگر یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ دو مختلف النوع افراد سے نسل جاری ہوسکتی ہے اس نظریے سے نہ سائنس نے انکار کیا ہے نہ مذہب نے

مثالیں اجمالی صورتیں بتانا ضروری ہے

(1) حیوان سے انسان کی نسل ......یعنی مادہ حیوان نر انسان

(2) انسان سے حیوان کی نسل ......یعنی مادہ انسان نر حیوان

(3) انسان سے جناب کی نسل ......یعنی مادہ انسان نر جن

(4) جنات سے انسان کی نسل ......یعنی مادہ جن نر انسان

(5) انسان سے نوری مخلوق کی نسل ......یعنی نر انسان مادہ نوری مخلوق

(6) نوری مخلوق سے انسان کی نسل ......یعنی مادہ انسان نر نوری مخلوق

(7) بغیر باپ صرف ہی مادہ سے اولاد کا پیدا ہونا

اب اس پہ نمبر وائز گفتگو کرتے ہیں

(1) پہلی صورت

یعنی مادہ حیوان اور نر انسان یہ تو سائنس کا کارنامہ ہے ایمسٹرڈم میں انسانی نطفے کو گھوڑی میں منتقل کر کے اس سے ایک بچہ لیا گیا ہے جس کا جسم گھوڑے کا اور سر انسان کا ہے پاکستان کے کئی اخباروں میں اس پہ بہت کچھ لکھا جا گیا ہے اور اس کی تصویر بھی چھپی تھی۔

(2) دوسری صورت

یہ بھی سائنس کا کارنامہ ہے اس کے متعدد واقعات ہیں جو گزشتہ اوراق میں میم نے لکھے ہیں مثلاً گوریلے سے عورت نے ایک بچہ پیدا کیا ہے، مچھلی ڈالفن سے عورت نے بچہ پیدا کیا ہے دیگر بہت سے واقعات ہیں آئے دن اخبارات اور دیگر ذرائع پہ ایسی خبریں سننے کو ملتی رہتی ہیں۔

(3) تیسری صورت

یہ تھی کہ مادہ انسان ہو اور نر جن ہو

آپ لوگوں نے اوج بن عناق کا نام سنا ہوگا اس کی ماں کا نام عناق تھا باپ کا نام سجان یا سحبان تھا اور وہ ایک ''جن'' تھا اور نوع جنات سے تعلق رکھتا تھا عناق جناب آدم کی نواسی تھی اور عناق کا والد بھی قوم جنات سے تعلق رکھتا تھا عوج بن عناق کا نام طویل القامت اور معمرین میں شامل ہے کیونکہ یہ جناب شیث کے دور سے جناب موسیٰ کے دور تک زندہ رہا اس کے حالات زندگی کتب تاریخ و احادیث میں موجود ہیں تفصیل کے لئے ان کتب کا مطالعہ کریں۔

(4) چوتھی صورت

اس کے شواہد تو بہت زیادہ ہیں یعنی قوم جنات کی عورتوں سے عقد و نکاح و نسل کے واقعات زیادہ ہیں اور بعض کتب میں تو ہابیل کے قتل کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ان کے لئے حور آئی اور قابیل کے لئے جننی عورت آئی تھی اسی وجہ سے قابیل کو رقابت محسوس ہوئی اس واقعہ کی حقیقت نمبر 5 میں دیکھئے۔

(5) پانچویں صورت

اہم ترین دو حصے ہیں یعنی یہ کہ کیا خاکی انسان کی نسل کسی نوری مخلوق سے جاری ہو سکتی ہے اس کے لئے کوئی سائنسی ثبوت تو ممکن نہیں ہے کیونکہ سائنس کسی نوری مخلوق کے تصور سے بھی خالی ہے یعنی ملکوت و حوران جناں کا کوئی سائنسی ثبوت تو پیش نہیں کیا جا سکتا ہاں مذہب کے حوالے سے ان کے وجود پہ بحث کی جا سکتی ہے کیونکہ مذہب میں ان کا ذکر موجود ہے اس لئے مذہبی روایات میں کسی نوری مستور سے خاکی انسان کی نسل کا جاری ہونا ثابت ہے۔

(1) بعد از قیامت انسان جو جنت میں حوران جناں کو حاصل کرے گا وہاں اس کے بطن سے اولاد بھی پیدا ہوگی اس تصور سے کسی نے انکار نہیں کیا شیعہ سنی جنت میں حوران سے اولاد آدم کی ولادت کو تسلیم کرتے ہیں۔

(2) قبل از قیامت کسی نوری مخلوق سے اولاد آدم کی ولادت کا تصور ہے تو اس کے بارے میں اہل تشیع کے کتب میں بکثرت روایات موجود ہیں بلکہ غیر مذہب کے لوگوں سے بحث میں خود آئمہ اطہار علیہم الصلوات والسلام نے ایسی روایات سے استدلال کر کے غیر کے مذہب کو باطل ثابت کیا ہے اور نعمانیہ اور اس جیسے دیگر کتب میں اور تفاسیر میں ان روایات و احادیث کو بیان کیا گیا ہے اور آج تک کسی نے انکار بھی نہیں کیا زرارا بن اعین سے روایت ہے کہ۔

امام صادق علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہ میں بات یہ کی کہ کچھ مسلمان یہ کہتے ہیں کہ پوری نسل انسان بھائی کے بہن سے عقد کرنے سے پیدا ہوئی ہے کیونکہ جناب آدم کی بیٹیاں اور بیٹے پیدا ہو گئے تو ان کے عقد کا مسئلہ پیدا ہوا اور سلسلہ نسل بڑھانا ضروری تھا اس وقت جبرائیل نازل ہوئے اور جناب آدم کو اجازت دی کہ بہن

بھائیوں کا عقد کردو جس پر عمل کر کے جناب آدم نے نکاح کر دیئے اس طرح پوری اولاد آدم دراصل بہن بھائیوں کے عقد سے پیدا ہوئی ہے امام علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا جو لوگ یہ کہتے ہیں وہ مجوس کے شبہ کو تقویت دیتے ہیں اور یہ بات قطعاً غلط ہے زرارہ نے عرض کی اصل معاملہ کیا ہے؟ تو فرمایا ہابیل و قابیل کے بعد جناب آدم کے دو بیٹے پیدا ہوئے شیث ہبۃ اللہ اور یافث

☆انزل الله حوراء من الجنة لسمها نزلة فامره الله آدم يزو جهامن شيث ......انوار نعمانیه ف 263 ج1

اللہ نے دو حوریں جنت سے بھیجیں، پہلی کا نام نزلہ تھا اور دوسری کا منزلہ، اللہ نے حکم دیا کہ نزلہ کو شیث علیہ السلام سے اور یافث کو منزلہ سے بیاہ دیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا کچھ عرصہ بعد شیث علیہ السلام کا لڑکا پیدا ہوا اور یافث کے ہاں لڑکی ہوئی پھر ان دونوں کا آپس میں عقد ہوا جس سے اولاد آدم کا سلسلہ جاری ہوا ہے۔

دیکھئے دوستو ایک نوری مخلوق سے خاکی مخلوق پیدا ہو رہی ہے اور پوری بنی نوع انسان اسی سلسلے سے پیدا ہوئی ہے اور اس سے کسی شیعہ نے تو کبھی بھی انکار نہیں کیا اگر پوری نوع بشر کے بارے میں موجود ہو کہ یہ ایک نوری ماں کی اولاد ہے تو کوئی انکار نہیں کرتا اگر کوئی یہ کہہ دے کہ سادات عظام نوری باپ کے بیٹے ہیں تو فوراً کچھ لوگ بھڑک جاتے ہیں آخر کیوں؟ اب کہنے والے کہتے ہیں کہ جب والد نوری تھا تو بیٹے خاکی کیوں ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ۔

(1) نوری ماں کی اولاد خاکی ہو سکتی ہے تو کیا نوری باپ کی اولاد خاکی نہیں ہو سکتی؟

(2) غیر خا کی ماں کی اولاد خا کی ہوسکتی ہے

(3) غیر نوعی ماں کی اولاد نوع بشر سے ہوسکتی ہے تو کیا غیر نوع کے والد کی اولاد نوع بشر سے نہیں ہوسکتی ؟

اگر خوف انکار نہ ہوتا تو میں چند ایک واقعات ضرور لکھتا کہ جو کتب میں ہیں کہ پچھ لوگوں نے دعا کر کے حوران جناں سے حیات دنیا میں عقد کیا ہے اور نسل کا سلسلہ بھی جاری ہوا ہے۔

کیوں ان کے پاس دوہی حربے ہیں تاویل یا انکار اور ایسے روایات سے انکار کرنا آسان تھا اس لئے صرف قلم کرتا ہوں ورنہ پڑھے ہوئے انہوں نے بھی ہونگے۔

اور قرآن کے نظریہ تحقیق اور نظریہ اجراء اولاد سے کوئی انکار نہیں کرسکتا تھا اس لئے اسی پہ اکتفا کرتا ہوں جو لوگ تفاسیر و کتب احادیث سے رابطہ رکھتے ہیں وہ لوگ جانتے ہیں کہ اس موضوع پہ بہت سے روایات واحادیث موجود ہیں کہ اولاد آدم کا سلسلہ حوروں سے چلا ہے اور بعض نے ایک کو حور اور ایک کو جنی عورت کہا ہے میں نے اس پہ تفصیل اس لئے درج نہیں کی کہ یہ عام اور مشہور روایات واحادیث میں سے ہیں اس لئے مختصر ترجمہ کر دیا ہے۔

(6) چھٹی صورت

ایک پہلو یہ ہے کہ کیا بغیر باپ کے صرف فی میل (عورت یا کسی مادہ) سے اولاد پیدا کی جاسکتی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے موجودہ دور میں جینٹک سرجری اور کلوننگ سسٹم کو متعارف کروایا

گیا ہے اس سے عورت کے سپرم پر کیمیاوی عمل کے ذریعے مرد کے مادہ منویہ کے انجکشن کے بغیر اولاد پیدا کی جا چکی ہے یہ بھی حقیقت ہے کہ اب پاکستان میں بھیڑوں پر اس کا تجربہ کیا جا چکا ہے اور ایک بھیڑ کی میمنی پیدا کی جا چکی ہے جس کا نام ''ڈولی'' رکھا گیا ہے اب یہ بات عام ہو چکی ہے اور اسے اب کوئی عجیب چیز نہیں مانتا اس سے قبل عورتوں کو انجکشن سے حاملہ کیا جاتا تھا اب معاملہ اور بھی آگے جا چکا ہے اس لئے اس کا صرف امکان ہے نہیں مظاہرہ ہو چکا ہے اس لئے کسی کو اس سے انکار کی کوئی گنجائش ہے ہی نہیں۔

کلوننگ سے تو ایک ہی شکل وصورت اور ذہین ورنگ وقد وقامت کی کروڑوں جاندار پیدا کئے جا سکتے ہیں امریکہ میں تو یہ بات سینٹ میں پیش ہوئی تھی کہ امریکی نسل کو اسی طرح پھیلانا چاہیے اس پہ صدر کلنٹن نے اعتراض کر کے بحث کا خاتمہ کروایا تھا۔

(7) ساتویں صورت

اس کے بعد ہے خاکی عورت سے نوری باپ کی نسل کا سلسلہ جاری ہونا اس پہ تفصیل لکھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ جناب جبرائیل نے جناب مریم سلام اللہ علیہا کو بچہ دیا ہے مگر والد کی حیثیت سے نہیں ذریعے کی حیثیت سے اور حقیقتاً والد بھی ایک ذریعہ ہی ہوتا ہے اسی لئے انجیل مقدس میں روح القدس کو جناب عیسی علیہ السلام نے آسمانی باپ کے نام سے پکارا ہے اور ان کی ولادت کے بارے میں کوئی بھی شخص حتمی رائے نہیں دے سکتا کہ اس کی کیا حقیقت تھی جو بھی اس راز کو سمجھنے کا دعویٰ کرے گا وہ دعویٰ باطل ہے کیونکہ ایسی چیزوں پر اجمالی ایمان کافی ہے جب کوئی ان کی ولادت

کی حقیقت و کیفیت کا منطقی و سائنسی تجزیہ کرے گا تو نتیجتاً کسی حقیقت کا ادراک نہیں کر سکے گا بلکہ خود اپنی ہلاکت دینی کا سامان کرے گا مثلاً میں کچھ سوالات سامنے رکھتا ہوں ان پر غور کرنے ہی سے کچھ حقائق سامنے آ سکتے ہیں مگر ان سوالات کے کوئی بھی عالم حتمی جوابات دینے کا داعی نہیں ہو سکتا قرآن کریم میں ہے۔

☆نفخنا فيه من روحی

پہلا سوال

روح مادی تھی یا غیر مادی!

یعنی اگر روح کو مادی قرار دیا جائے گا تو نفخ کا عمل غلط ثابت ہو گا۔

دوسرا سوال

اگر روح جو جناب مریم کے بطن میں ڈالی گئی وہ عمل تجسیم میں کس طرح آئی یعنی اگر وہ غیر مادی تھی تو اس کا جسم کیسے وجود میں آیا۔

تیسرا سوال

اگر روح مادی تھی تو مادے کی بنیادی تعریف کے اندر تھی یا باہر؟ اندر تھی تو طول، عرض، عمق، حجم وغیرہ کے صفات کی حامل ہو گی اگر روح اس صفات سے متصف نہ تھی تو تجسیم کے عمل کے بعد کیسے ان صفات سے متصف ہو گی۔

چوتھا سوال

اگر روح مادی تھی تو اس کا بطن جناب مریم سلام اللہ علیہا میں داخل ہونا کس حیثیت سے

تھا کیا وہ انداز نطفیاتی تھا؟ اگر نطفیاتی انداز میں تھا تو پھر روح کو نطفہ کہنا بھی جائز ہو گا یا نہیں؟

پانچواں سوال

اگر روح مادی نطفیاتی انداز میں عمل پذیر ہوتی تو پھر جبرائیل علیہ السلام کی کیا حیثیت ہے والد کی یا ایک ذریعہ حمل کی؟

اگر والد کی حیثیت تھی تو نوری مخلوق سے بشری اولاد کا صدور ثابت اگر ایک ذریعہ حمل کی تھی جیسا کہ جدید دور میں انجکشن بھی جانداروں کا ایک ذریعہ حمل ہے مگر اس تصور سے روح اللہ کا تصور چند سپرمز کے علاوہ کچھ نہیں رہتا نہ توحید کی فضیلت رہتی ہے نہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کی۔

چھٹا سوال

اگر روح جو پھونکی گئی غیر نطفیاتی تھی تو اس کی دو صورتیں ہیں جناب آدم کے انداز میں یا اس کے خلاف کوئی معجزاتی طریقہ۔

اگر روح جناب آدم کی طرح ان مخدرہ کی بطن میں داخل کر دی گئی ہے تو اس سے پہلے کسی جسم کا ہونا ضروری ہے جیسے جناب آدم کا پتلہ پہلے موجود تھا پھر روح داخل ہوئی اگر یہ طریقہ مان لیا جائے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ اسی طرح کے عمل سے گزرتا ہے جیسا کہ قرآن پاک سے ثابت ہے کہ پہلے جنین بنتا ہے پھر روح داخل کی جاتی ہے اور یہ طریقہ باعث افتخار نہیں عادی فعل ہے اگر معجزاتی طور پر جناب جبرائیل علیہ السلام نے آکر پھونک مار کر ایک بچہ شکم میں پیدا کر دیا جو پوری تکمیلی حالت میں خلق

ہوااور زندہ ہی وجود میں آیا تو اس طرح کسی بھی نوری مخلوق کا اس طرح مظاہرہ کرنا عادی ہوگا نہ کہ غیر عادی گر جسم پہلے بطن میں موجود نہ تھا جبرائیل نے اسے تیار کیا پھر پھونک مار کے زندہ کر دیا ہے تو پھر یہ اعجاز تو خود جناب عیسیٰ کا بھی ہے اور چمگادڑ یا کوئی بھی پرندہ جو جناب عیسیٰ نے خلق فرمایا تھا اس پرندے اور جناب عیسیٰ کی تخلیق میں کیا فرق رہا۔

اس کے بعد مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کا جو مرئی وجود تھا جو ظاہراً دنیا میں چلتا پھرتا تھا اس کا اس داخل ہونے والی روح سے کیا تعلق ہے۔

( ) اگر عین روح تھا یعنی روح مجسم تھے تو پھر مادی نہیں ہو سکتے اگر غیر مادی تھے تو بشر نہیں ہو سکتے۔

روح الٰہی ان کے بدن کی رکن تھی یا غیر رکن اگر تھی تو پھر ہر انسان کے بدن کی روح ایک رکنیت کی حامل ہے جناب عیسیٰ کی فضیلت کیا رہی اگر بدن سے اس کی حیثیت رکنی تھی تو پھر جملہ تعلقات کے منطقع ہونے سے بدن کی فضیلت نہ رہے گی۔

سب سے بڑا مسئلہ تو ہے کہ چاہے وہ عام انسان ہی کی روح کیوں نہ ہو وہ اپنے نقطہ کمال پہ پیدا ہوتی ہے نہ کہ بتدریج عمل استکمال سے گزرتی ہے مگر جو روح الٰہی کے حامل ہوتے تھے شکم مادر میں نو ساعات میں استکمال کو پہنچے مگر ولادت کے بعد بچپن لڑکپن جوانی ضعیفی وغیرہ کے عمل سے گزرتے گئے یہ کیسی روح ہے جو وقت کے ساتھ بڑھ گھٹ رہی ہے۔

اگر اسی طرح سوالات کی تہہ میں اترتے جائیں گے تو کبھی سطح ادراک حقائق پہ نمودار نہ ہو سکیں گے لہٰذہ پاک ذوات کی ولادت کے رازوں کو نہ چھیڑنا بہتر ہے

اوران کے ظہور اجلال اور اجراء نسل سے استدلال کرنا یا ان کی ولادت کے بارے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنا گمراہی کی طرف لے جائے گا۔

جن روایات میں پاک ذوات کی ولادت باسعادت کی ایسی تفصیل موجود ہے کہ جن سے ان کی ولادت بشریت سے ہمکنار نظر آتی ہے ان کے راوی خود کسی نہ کسی درایتی حساب سے نقص کے شکار ہو جاتے ہیں جیسے پاک حسنین علیہما الصلوات و السلام کے ظہور اجلال کے بارے میں وہ روایات جو بظاہر فضائل اور درپردہ توہین پہ مبنی روایات ہیں ان کی راوی بی بی اسماء بنت عمیس ہیں اور جملہ کتب سیر و تاریخ نے انہی سے زیادہ تر روایات نقل کیے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ پاک حسنین علیہما الصلوات و السلام کی ظاہراً ولادت بعد از ہجرت ہے اور معظّمہ کونین صلوات اللہ علیہا کا سلسلہ اولاد 5 ہجری تک ہے جب کہ بی بی اسماء بنت عمیس قبل از ہجرت جناب جعفر طیار علیہ الصلوات والسلام کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کر گئی تھیں اور ان کی واپسی 7 ہجری میں بروز فتح خیبر ہوئی ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو بی بی ان ذوات علیہما الصلوات والسلام کے ظہور اجلال کے وقت مدینہ تو کجا عرب کی سرزمین ہی میں موجود نہ تھیں ان کے روایات کی کیا حیثیت باقی رہتی ہے پھر ان روایات سے استدلال کر کے بشر ثابت کرنا یا کوئی ایسی رائے قائم کرنا جو عقائد میں اہم مقام کو متعین کرتی ہو سراسر غلط ہے۔

یہ تو وہ راز ہیں جو گھر اطہر میں رہنے والی کنیزوں کو بھی معلوم نہیں جیسا کہ میرے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے دنیا پہ ظہور اجلال کے حالات سے ظاہر ہے جملہ کتب نے جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آثار ولادت نہیں خود والدہ پاک

صلوات اللہ علیہا کو بھی احساس نہیں ہے کہ کچھ ہونے والا ہے گھر اطہر کی معزز ترین ہستی مولا امام حسن عسکری علیہ الصلوات والسلام کی پھوپھی صاحبہ صلوات اللہ علیہا کو بھی بشری انداز کے آثار والدہ امام علیہ الصلوات والسلام میں نظر نہیں آتے جب ظہور اجلال کا عین وقت آتا ہے تو پردہ درمیان میں حائل ہو جاتا ہے اور مولود مسعود کے بارے میں پاک والدہ صلوات اللہ علیہا سمیت پوری کائنات کو لاعلم کر دیا جاتا ہے۔

جب ایسی صورت حال ہو تو ولادت باسعادت پر یا اجرائے نسل طیبہ کے بارے میں کچھ کہنا کوئی رائے قائم کرنا حقائق اور علم سے دشمنی کے مترادف ہے جب ہزاروں امکان واحتمال موجود ہوں تو پھر تاریخ اور طلباء تاریخ پر اپنی رائے مسلط کرنا سراسر علمی جارحیت ہے اور علمی جارحیت جہالت پہ مبنی ہوتی ہے۔

دوستو دیکھو!

جس طرح جناب عیسیٰ اور اس طرح کے دوسرے لوگوں پر اعتراض کرنا ہرگز مناسب نہیں ہے اسی طرح سادات پر بھی اعتراض کرنا مناسب نہیں ہے۔

یہودیوں نے جناب عیسیٰ کے نسب میں شک کیا اس دور کے یہود نے سادات عظام پہ شک پیدا کیا اور دونوں کے اعتراض میں ایک قدر مشترک موجود ہے کہ وہ بھی کسی غیر جنسی طریقے سے اولاد کی پیدائش کو ناممکن سمجھتے تھے اور یہ بھی غیر جنسی طریقے پر اولاد کے پیدا ہونے کو ناممکن سمجھ کر سادات کے نسب کو مشکوک کرنا چاہتے ہیں اس دور میں سادات کرام کو اپنی عظمت کو سمجھتے ہوئے ایسے اعتراضات پہ نگاہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہی لوگ تو سادات اور غیر سادات میں فرق مٹانا چاہتے ہیں اللہ جل جلالہ

انہیں کامیاب نہ کرے۔

میں جب اس قسم کی توہین خاندان پاک علیہم الصلوات والسلام دیکھتا ہوں تو بہت دکھ ہوتا ہے اس قابل نہیں ہوں کہ اس کا سد باب کرسکوں یا کسی کو روک سکوں ہاں چند دوستوں کو اس سے بچانے کی سعی کر رہا ہوں شاید میرے آقا و مولا حجت ابن الحسن المہدی عجل اللہ فرجہ الشریف اس چھوٹی سی کوشش کو منظور فرمائیں اور مجھے اپنے پاک اجداد کے دفاع کی طاقت عطا فرمائیں اور اپنے اجداد مظلومین و طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے منتقمین میں شامل فرما کر نصرت کا موقعہ عطا فرمائیں۔

یہی ہر وقت دعا ہے کہ ان مظلومین کا انتقام جلدی ہو کہ جن کی ذات صدیاں گزرنے کے باوجود آماجگاہ ظلم وستم ہے اور کوئی ان پر رحم نہیں کرتا انہی کے نام پہ دنیا و آخرت کے امیدوار بھی ہیں اور انہی کی عظمت کے درپئے انہدام بھی ہیں پرروردگار عالم ہمیں ان کے اشیاع و انصار میں شامل فرمائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجھُم بِقَائِمِھِمّ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف
وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلیٰ آلِہٖ اَجمَعِین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 11

نورِ اول

قل انما انا بشر مثلکم

اے میرے رفیقانِ منزلِ عرفان!

وہ لوگ جو کہ تفاسیر کا مطالعہ کر چکے ہیں اور قرآن کریم کے اسلوبِ بیان کو سمجھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کلام الٰہی اور احادیث وفرامین میں لفظ نور کے کئی معنی و مرادات ہیں آج تک کسی بھی صاحبِ علمِ معقول نے کوئی ایسی تعریف وضع نہیں کی کہ جو نور کے لفظ کی جامع ترین و مانع ترین تعریف ہو۔

جو تعریف عام طور پر رائج ہے کہ نور اسے کہتے ہیں جو اپنے نفس میں ظاہر ہو اور اپنے غیر کو ظاہر و روشن کرنے والا ہو اگر لفظ ظاہر سے مراد روشن لیا جائے تو اس تعریف میں نور اور نار میں کوئی فرق نہیں رہتا آگ کی بھی یہی تعریف ہو گی اگر لفظ ظاہر سے غلبہ مراد ہو تو ظاہرٌ لنفسہ میں نفس پر غالب ہونے کا مطلب کوئی حاصل نہیں ہوتا۔

قرآن کریم میں لفظ نور اپنی جملہ حالتوں میں صرف 53 مرتبہ استعمال ہوا ہے نہج البلاغۃ بمعہ شرح ابن حدید میں جملہ حالتوں میں یہ لفظ 168 مرتبہ استعمال ہوا ہے کتب اربعہ میں لفظ نور جملہ حالتوں میں تقریباً 400 مرتبہ آیا ہے لہٰذہ سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ لفظ نور کن کن معنی میں استعمال ہوا ہے

(1) ایمان کونور کہا گیا ہے اور کفر کو ظلمت (257) بقرہ

(2) قرآن کریم کو نور کہا گیا ہے (1) انعام، (16) مائدہ، (40) نور، (20) لقمان

(3) ہدایت کو نور کہا گیا ہے (35) النور

(4) ³ زادی فکر کو نور کہا گیا ہے (5) ابراہیم

(5) تورات کو ہدایت و نور قرار دیا گیا ہے (44) مائدہ

(6) انجیل کو ہدایت و نور قرار دیا گیا ہے (46) مائدہ

(7) اسلام کو نور کہا گیا ہے (22) الزمر

(8) چاند کو نور کہا گیا ہے (16) نوح، (5) یونس

(9) جملہ صحف و زبور کو نور کہا گیا ہے جو انبیاء علیھم السلام پر نازل ہوئے (20) لقمان

(10) مومنین کو جنت میں صاحب نور کہا گیا ہے (8)، (12) حدید

(11) اللہ کو نور کہا گیا ہے (35) نور

(12) ³ ئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کو نور کہا گیا ہے (15) مائدہ، (8) تغابن

(13) امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو نور کہا گیا ہے (57) اعراف

(14) امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام کو نور کہا گیا ہے (32) توبہ، (69) الزمر

(15) علم کو نور کہا گیا ہے (122) انعام

کلام الٰہی میں تقریباً انہی چیزوں پہ لفظ نور استعمال ہوا ہے 53 آیات میں تقریباً انہی چیزوں کو متعدد آیات میں تکرار کے ساتھ دہرایا گیا ہے ان چیزوں میں سے کسی

بھی عالمِ علمِ تفسیر نے ایک کا انکار بھی نہیں کیا تقریباً سبھی علماء اہل تشیع نے نور کے ان مرادات کو تسلیم کیا ہے۔

ہاں کچھ چیزیں ایسی ہیں جنہیں کلام الٰہی میں تو نور نہیں کہا گیا لیکن ان کی نورانیت کا تصور جملہ مذاہب اسلام میں موجود ہے اور ان کے لئے اس طرح کے الفاظ کتب میں موجود ہیں اور صاحبانِ مطالعہ کے لئے یہ الفاظ اجنبی نہیں مثلاً

من نورالعرش، من نورالكرسى، من نورالحجاب، من نورالستر ،من نورالعبرة ، من نورالسماوات، من نورالله، من نورالرب، من نورالعظمت، من نورالتفكر، من نورالتوبه، من نورالاسلام، من نورالخيفة ، من نورالرجاء ، من نورالبصر، من نورالنار، عموداًمن النور ،منبراً من النور، منابرالنور،محملاً من نور ، نورالليل ، نورالنهار،نورالتقوىٰ، نورالكوكب، نورالصبح ، نورالحج ، نورالقلب ، مرقاة النور، نورالانبياء ، ملائكة من نور، نورالاخيار، كلام النور، اشباح النور، ظل النور، ناقة النور، الله عزوجل کے بارے میں ہے یانور یاقدوس

ان کتب میں اس طرح کے فقرے بھی موجود ہیں

☆ الامامة هى النور والامام هوالنور وغیرہ

(1) روح القدس وملکوت وکروبیان حوران وغلمان وجنت

(2) اشباح نور اظلہ نور صبح کوکب

(3) لوح وقلم

(4) عرش وکرسی

(5) حجابات وصرادقات عرش

(6) روح ایمان وتقویٰ عبرت وتفکر اسلام خوف ورجا بصارت وبصیرت کلام حکمت ونصیحت ۔

یہ وہ چیزیں ہیں جن کے بارے میں نور ہونے کا تصور کلام الٰہی میں موجود ہے ہی نہیں ہاں تفاسیر واحادیث میں بہ اختلافاتِ روایات کسی نہ کسی طرح ان کا نور ہونا ثابت ہے۔

افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ جن چیزوں کے بارے میں کلام الٰہی میں نوری ہونے کا کوئی تصور موجود نہیں ان کے نور ہونے پر کسی کو اختلاف نہیں اور جن کے بارے میں آیاتِ قرآن سے ثابت ہے کہ وہ نوری ہیں انہی کے بارے امت مسلمہ میں اختلاف ہے۔

حالانکہ ملکوت وعرش وکرسی کے نور ہونے پر جو احادیث وارد ہوئے ہیں ان میں بھی یہی ہے کہ انہیں اس پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے انوار سے خلق فرمایا گیا ہے جیسا کہ اصولِ کافی اور دیگر کتبِ مآخذ میں ہے کہ جب اللہ عزوجل نے عرش وکرسی وغیرہ کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس کے بارے میں ہی الفاظ ہیں جن کا خلاصہ لکھ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ اللہ نے جب تخلیق کا ارادہ کیا تو میرے نور کو فتق کیا اس سے عرش کو خلق کیا۔

☆ والعرش من نوری و نوری من نوراللہ ونوری افضل من العرش ثم فتق نور اخی علی علیہ الصلوات والسلام فخلق منہ الملائکۃ فالملائکۃ من نورعلی علیہ الصلوات والسلام ونور علی علیہ الصلوات والسلام من نور اللہ وعلی علیہ

الصلوات والسلام افضل من الملائكة ثم فتق نور ابنتی صلوات الله علیہا فخلق منه
السموات والارض ، فالسموات والارض من نور ابنتی صلوات الله علیہا
وابنتی صلوات الله علیہا من نورالله وابنتی صلوات الله علیہا افضل من السموات
والارض ثم فتق نور ولدی الحسن علیہ الصلوات والسلام فخلق منه الشمس
والقمر

شمس وقمران کے نور سے ہیں اور ان کا نور اللہ کے نور سے ہے، اور ان کا نور شمس
وقمر سے افضل ہے۔

☆ثم فتق نورولدی الحسین علیہ الصلوات والسلام فخلق منه الجنة
والحورالعین

یہ چیزیں ان کے نور سے ہیں اور ان کا نور اللہ کا نور ہے ان چیزوں سے ان
کا نور افضل ہے یعنی جن کے نور سے ملکوت وعرش وکرسی حورانِ جناں پیدا ہوئے ہیں
وہ بشر ہیں اور ان کی ''مخلوق'' نور ہے یہ بھی دہرا معیار ہے جس پہ ہر صاحب عقل خود
سوچ سکتا ہے کہ ملکوت تو اس لئے نوری ہیں کہ ان کے پاک نور سے پیدا ہوئے مگر یہ
بشری رہے اب ہم اپنی بات پہ واپس آتے ہیں کہ نور کیا ہے؟

اس پہ ہم نے کچھ روایات دیئے ہیں نور کے بارے میں جتنے روایات دیئے ہیں ان
سے صفاتِ نور کا تعین آسانی سے کیا جا سکتا ہے کیونکہ اس میں کوئی زیادہ روایات نہیں
ہیں۔

روایات سے نور کے یہ صفات ثابت ہوئے ہیں

(1) روشنی

(2) سرعت

(3) طاقت

(4) تقدس

(5) جلانے کی قوت

(6) عقل وفہم وعلم، مجرد اور شہوات سے خالی ہونا

(7) جلنے کی صلاحیت (واقعہ معراج میں جبرائیل کا کہنا کہ میرے پر جل جائینگے)

(8) خورد ونوش سے ارفع ہونا

(9) برقیت

(10) ریڈی ایشن (اس کا متبال لفظ تابکاری ہے مگر ناکافی ہے)

(11) اپنے غیر کو ظاہر کرنا

(12) متشکل بہ غیر ہونا یعنی کتے اور خنزیر کے علاوہ ہر شکل اختیار کر لینا

(13) عمل تخلیق کی صلاحیت

(14) وجود کے لئے اللہ کے سوا کسی کا محتاج نہ ہونا

(15) اللہ جل جلالہ کے جملہ افعال کا آلہ کار بننے کی صلاحیت

(16) کسی مخلوق کا مادہ تخلیق ہونے کی صلاحیت

ان صفات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ان صفات کی حامل چیز کیا ہے؟

کیونکہ بعض برقی صفات ہیں بعض ناری صفات ہیں بعض جوہر کے اور بعض عرض کے صفات ہیں لہٰذہ ان سے کسی حتمی فیصلے تک پہنچنا محال ہے کیونکہ یہ ایک متناقضات کا پلندہ ہے جس سے امرِ محتوم کا حصول محال ہے لیکن یہ وہ صفات ہیں جو خواص وعوام

کے عقائد کا حصہ بھی ہیں اور کسی نہ کسی طرح نور کے حوالے سے ظاہر ہوئے ہیں ہاں کچھ چیزوں میں تھوڑا سا اختلاف ہے جو علیحدہ پیش کر رہا ہوں مثلاً نور کا جوہر یا عرض ہونا ایک متنازعہ مسئلہ ہے کیونکہ بعض کہتے ہیں نور جوہر ہے کچھ کہتے ہیں عرض ہے اور بعض کہتے ہیں جوہر بمعنی مادہ ہے کہ جس کی مدد سے کچھ نہ کچھ بنایا جا سکتا ہے بعض کی رائے یہ ہے کہ نور مادہ نہیں اللہ جل جلالہ نے قدرت کاملہ کے مظاہرے کے طور پر عرض کے مادہ سے مخلوقِ نور کو خلق فرمایا ہے وغیرہ وغیرہ

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ نور کیا چیز ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟

صاحب اصول شریعہ نے اس کے بارے بڑی سچی بات کہی ہے وہ کہتے ہیں نور ان بعض اشیاء میں سے ایک ہے جن کی ماہیت وحقیقت کے چہرہ سے آج تک کوئی نقاب کشائی نہیں کر سکا اور نہ ہی آئندہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس لاینحل معمہ کو کوئی حل کر سکے گا......اصول شریعہ 140

اس کے بعد متعدد علماء کرام کے کتب سے وہ عبارتیں نقل کی ہیں جن کا مقصد یہ ہے کہ حقیقت نور کو سمجھنا ناممکن ہے اور بڑے بڑے علمائے اعلام ومحققینِ عظام اس مقام پہ سپر انداز نظر آتے ہیں اس کے بعد ایک اور پہلو پہ روشنی ڈالی ہے کہ آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کی خلقت نوری کے بارے میں جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی حقیقت کو سمجھنا بھی محال ہے۔

کیونکہ روایات میں (1) اشباح، (2) اظلہ، (3) ابدان، (4) ارواح، (5) انوار کے الفاظ موجود ہیں۔

لکھتے ہیں ''ان کا سمجھنا انسانی طاقت سے باہر ہے'' ......(اصول شریعہ)

پھر لکھتے ہیں ''اس سلسلے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے بنا بر احتمال ہے ان کا حقیقی علم خدا ہی کے سپرد کیا جاتا ہے (یعنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا)......(اصول شریعہ 141)

اب ان باتوں سے واضح ہو جاتا ہے کہ ''نور'' ایک ایسا لفظ ہے جو نا قابل فہم حقیقت کیلئے بولا جاتا ہے اور آئمہ اطہار علیھم الصلوات والسلام کی خلقت اول ونوری کے بارے میں کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟

اب ان اعترافات کے ساتھ ذرا ابن سینا کے فلسفے کو ملا کر نتیجہ اخذ کیا جائے تو ایک نئی صورت سامنے آتی ہے ابن سینا نے انسان کے تین ارکان بتائے ہیں۔

بدن، نفس، روح

ہر انسان ان تین ارکان کا مرکب ہے ہر انسان صاحب بدن وجسم ہے، صاحب نفس ہے اور صاحب روح ریحی ہے ادھر مذکوہ کتاب میں 144 پر ہے کہ ''نور سے ان حضرات اقدس کے بدن وجسم مبارک مراد نہیں بلکہ ارواح مقدسہ مراد ہیں ......(اصول شریعہ 144)

یعنی ان کا رکن اعلیٰ یعنی روح نوری ہے اور وہی سب سے اول خلق ہوئی اور اول ما خلق اللہ نوری کی مصداق ان کی روح ہے۔

اب کوئی شخص یہ بتا سکتا ہے کہ پوری نوع انسان سے ان کی روح علیحدہ ہے یعنی کسی بشر کو اس نوع کی روح میسر نہیں تو پھر انہیں داخلِ نوع بشر کیسے کر سکتے ہیں؟

کیونکہ رکن اعلیٰ ان کا انسانوں جیسا نہیں ہے اب نوعِ بشر سے انہیں تب ثابت کیا جا سکتا ہے کہ پوری نوعِ انسان کی روح کو نورِ الٰہی کے مادے سے تخلیق شدہ ثابت کیا جائے اور نور بھی ایسا کہ جس کے بارے میں مراۃ العقول 292 پر ہے

☆ای من النور یدل علی کمال عظمته و قدرته
اپنے ایسے نور عظمت سے خلق فرمایا جو اللہ کے کمالِ عظمت و قدرت کیلئے دلیل ہے اور کمالِ عظمت پہ دلالت کرتا ہے اور وہ رازِ الٰہی ہے اور اسی روح نوری نے ملکوت کو تسبیح و تہلیل کا درس عطا فرمایا ہے اس لئے وہ لکھتے ہیں کہ انہیں بشریت کی ذلت سے دور رکھا جائے تو بہتر ہے۔

علماء حضرات کہتے ہیں کہ ان کے دو جنبہ ہیں یعنی پاک ذوات علیھم الصلوات والسلام ذوالجنبتین ہیں مگر یہ نہیں بتاتے کہ کیا پوری نوع انسان ''ذوالجنبتین'' ہے؟

اگر پوری نوعِ بشر کا صرف ایک ہی پہلو ہے اور وہ بھی صرف بشری اور جن کا ایک پہلو ایسا بھی ہے جو نورِ الٰہی سے متصل ہے تو کیا یہ دونوں ایک ہی نوع کے فرد ہو سکتے ہیں۔

منطق مہربان ہو تو صرف نطق کو علیحدہ پا کر علیحدہ نوع کا تصور قائم کر دیتی ہے اگر نامہرباں ہو تو پورہ جنبہ نوری دیکھ کر بھی دوسری نوع تسلیم نہیں کرتی ان شاہانہ بے نیازیوں کا کون گلہ کر سکتا ہے؟

ہم تو یہی کہیں گے منطق مہربان تو گدھا بھی انسان۔

افلاطون نے عقولِ عشرہ کا تصور کیا پیش کیا کہ وہ دن گیا کہ آج تک نورِ اول کو عقلِ اول بنانے کی کوشش جاری ہے مگر حالت یہ ہے کہ فلسفے کی چادر اتنی چھوٹی ہے کہ پاؤں نہ بھی پھیلائیں تو پھر بھی تن نہیں ڈھانپتی اب کون کچھ عرض کرنے کی جسارت کر سکتا ہے؟

ہم نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کی نوع کا معلوم کرنا ہی

محال ہے کبھی نورانیت کو متشابہ کہہ دیا جاتا ہے اور کئی مہربان ان کی بشریت کو متشابہ فرما دیتے ہیں ہمیں خود معلوم نہیں کہ کیا متشابہ ہے اور کیا محکم ہے۔

ہماری نگاہ میں تو یہی محکم ہے کہ جس طرح اللہ جل جلالہ کا ہر پہلوئے صفات ایک مخفی راز ہے اسی طرح ان پاک ذوات علیہم الصلوات والسلام کا ہر پہلو رازِ الٰہی ہے اور ان کی نوع کے معلوم نہ ہونے سے عقیدہ فاسد بھی نہیں ہوتا اگر انہیں اللہ کا راز سمجھ کر یہ اقرار کرلیا جائے کہ ان کے فضائلِ ذات وصفات و نوع اور جنس وفصل سب رازِ الٰہی ہیں ہم ان کی معرفتِ کلی حاصل کرنے سے عاجز و قاصر ہیں تو یہی اجمالی سا عقیدہ ہی ان کی معرفت کہلائے گا۔

حقیقت میں تو ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم ان کی اطاعت کس طرح کر سکتے ہیں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ ان کے حقوق ہماری گردن پر کیا ہیں؟ ہم ان کی محبت کا دعوئے بلا دلیل کرتے تو ہیں مگر خود کو محبّ کس طرح ثابت کر سکتے ہیں؟ ہم ان کے عبدِ مملوک ہیں کیا ہم عبدیت سے تجاوز تو نہیں کر رہے؟

ہم نے تو اس پہلو پہ سوچنا تھا مگر ہم کٹ مر رہے ہیں ان پہلوؤں پہ کہ جن کا نتیجہ اخروی ہلاکت کے سوا کچھ نہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ تزکیہ نفس کے بغیر حقیقی معرفت کا حصول ناممکن ہے اگر ہم تزکیہ نفس اور زہد و تقویٰ کو اختیار کرلیں تو یہ بحثیں خود بخود معدوم ہو جاتی ہیں اور نورِ علم جب قلوب میں پرتو فگن ہوتا ہے تو انسان کھوکھلی بحثوں سے اور فساد فی الارض سے خود بخود بچ جاتا ہے ورنہ پوری زندگی ''خون تیرہ'' اور ''وشیی یشبہ البرق '' کے چکر سے نہیں نکل سکتا، اگر انسان صرف ''خلقتِ نوری'' ہی پہ

غور کرنا شروع کر دے تو انسان کا دماغ چکرا جائے۔
پھر اس میں بشریت کو بھی شامل سمجھ لے تو پاگل ہو جائے مکمل طور پر تو کوئی نتیجہ حاصل کرنا ہے ہی محال اگر کسی کو ان رازوں پر غور وفکر کرنے کا شوق ہو اور اپنے عقل وعلم پر ناز ہو تو پھر میں چند سوالات درج کرتا ہوں ان پر غور وفکر کر کے کوشش کرے کہ کوئی نتیجہ حاصل کر لے۔
مگر یاد رہے کہ اول ما خلق اللہ نوری کے موضوع پہ بیسیوں احادیث موجود ہیں اور ان سے کسی بھی شیعہ عالم ومفکر نے انکار نہیں کیا یہ علیحدہ بات ہے کہ اس کے مختلف تاویلات کر کے اسے مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی گئی ہو ورنہ جملہ کتب معتبرہ میں ایسے روایات موجود ہیں کہ جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور ان کے اہل بیت علیہم الصلوات والسلام کو اول المخلوقات کہا گیا ہے اور نور اول قرار دیا گیا ہے ان کی اولیت بمعہ نورانیت کا تذکرہ کتب مآخذ میں موجود ہے۔
تحصیل کیلئے انوار نعمانیہ جلد (1) صفحہ 12 سے 24 تک دیکھ لیں، اصول کافی، مراۃ العقول، بحار الانوار وغیرہ سبھی کتب میں ایسے روایات موجود ہیں اہل سنت حضرات نے بھی ایسے روایات جمع کئے ہیں کیونکہ ان سے کسی نے انکار نہیں کیا اس لئے زیادہ ثبوت وحوالہ جات لکھ کر کتاب کی ضخامت نہیں بڑھانا چاہتا۔
صرف سوچنے کیلئے زاویے پیش کرتا ہوں شاید کوئی عقلمند ان زاویوں کو حل کر لے یہ مجھ سے تو حل نہیں ہو سکے۔
پہلے ذرا بنیادی نظریئے کو غور سے دیکھ لیں
1 ......صادرِ اول حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے انوار

یا ارواح ہیں باقی جملہ مخلوقات ان سے بعد میں خلق ہوئے۔

2...... پہلے ایک نور صادر ہوا پھر اسے دو نصف کر کے نبی و ولی کے نور بنائے پھر ان دو سے پانچ پھر پانچ سے چودہ انوار وقوع پزیر ہوئے جبکہ اس وقت کوئی بھی دوسری مخلوق نہ تھی۔

3......اسی صادر اول کے بعد ملکوت، عرش وکرسی، لوح وقلم، حوران وغلمان، موت و حیات وغیرہ خلق ہوئے اور صادر اول نے بعد والی مخلوق کو درسِ تسبیح وتہلیل، تمجید و تحمید دیا۔

4......ہم یہ نہیں کہتے کہ وہ صادر اول (اول مخلوق) کون تھا، کس حال میں تھا، نور تھا، روح تھا، ظل تھا یا جو کچھ بھی تھا ہمیں اس سے سروکار نہیں آپ اسے صرف صادر اول سمجھ کر سوچیں اور کوشش کریں کہ کچھ حقیقت حاصل ہو جائے اب دیکھئے سوالات

پہلا سوال

صادر اول چاہے روح تھا یا نور جو بھی تھا جس شکل میں بھی تھا اُسے تخلیق کے عمل سے گزرنے کے بعد اپنے خالق کی معرفت کی ضرورت تھی فرمایئے اسے ہدایت و معرفتِ الٰہی کس طرح حاصل ہوئی؟

بلا واسطہ یا بالواسطہ

اگر بالواسطہ ہدایت ہوئی ہے تو وہ واسطہ کون تھا؟

روح القدس یا دیگر کوئی ذریعہ؟

اگر روح القدس یا کسی دیگر مخلوق نے اسے ہدایت سے نوازا ہے تو کیا وہ ان سے پہلے تھا یا بعد میں خلق کیا گیا؟

اگر ان سے پہلے تھا تو ان کے بجائے وہ واسطہ ہی صادر اول قرار پائے گا نہ کہ ان ذوات کا نور اگر وہ بعد میں خلق ہوا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ نے پہلے روح القدس یا کسی دیگر واسطے کو پہلے خلق فرمایا پھر اسے بلا واسطہ ہدایت فرمائی اور پھر اس نے ان ذوات کی ہدایت فرمائی اب اس صادر اول کو اللہ نے بلا واسطہ ہدایت نہیں فرمائی تو ان کی ہدایت میں کونسی چیز مانع (رکاوٹ) تھی کہ اللہ نے انہیں تو بلا واسطہ ہدایت نہیں دی بعد والے کو بلا واسطہ دی ہے؟

کیا ان میں بلا واسطہ ہدایت پانے کی صلاحیت نہ تھی یا خالق کائنات میں انہیں بلا واسطہ ہدایت فرمانے کی صلاحیت نہ تھی اگر ان میں بلا واسطہ ہدایت پانے کی صلاحیت نہ تھی تو روح القدس یا اس دیگر ذریعے کو ان پر فضیلت حاصل ہو گی یا نہیں؟

دوسرا سوال

اگر صادر اول کو سب کچھ بلا واسطہ عطا ہوا ہے اور اسی سے انہوں نے تسبیح وتہلیل کر کے ملکوت کو درسِ عبادات وعرفان، حمد وتسبیح دیا ہے تو کیا روح القدس یا جبرائیل بمہ جملہ روحانیین کے کوئی ایسی مخلوق بھی پائی جائے گی کہ جن کی ہدایت ان ذوات نے نہ کی ہو بلکہ انہوں نے بلا واسطہ ہدایت پائی ہو اگر روح القدس یا جبرائیل جو بھی کہیں اسے تخلیق کے لمحہ اولین میں تو ان ذوات نے ہدایت ومعرفت عطا کی پھر یہاں دنیا

میں آ کر اس کے مرہونِ کرم کیسے ہو گئے؟ کہ جب تک جبرائیل یا روح القدس نہ آئیں انہیں بات تک کرنے کی اجازت نہیں یہی تو اس کی ہدایت ومعرفت کا ذریعہ بنے تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ جو کل ان کا محتاج تھا یہ آج اس کے کیسے محتاج ہو گئے؟ کیا اللہ جل جلالہ بوقتِ تخلیقِ اول اس پہ قادر تھا کہ انہیں بلا واسطہ ہدایت کرے؟ مگر ان کے دنیا میں آنے سے اللہ میں بلا واسطہ دینے کی صلاحیت مفقود ہو گئی یا ان کے بلا واسطہ لینے کی؟ کیونکہ یہی صادرِ اول ازل میں ارواح وملکوت کا ہادی رہ چکا تھا اب انہی کا محتاج ہدایت کیسے ہو گیا؟

تیسرا سوال

وہ صادرِ اول جوہر تھا یا عرض تھا؟ عرض تھا تو قائمِ بالغیر ہو گا؟

اب یہ بھی سوچنا ہو گا کہ وہ غیر کون تھا جس پر یہ قائم تھا؟ اگر قائم بالذات تھا تو پھر اس کا مادہ کیا تھا؟ اگر کوئی مادہ تھا تو وہ مادے کی تین حالتوں میں سے کونسی حالت میں تھا یعنی ٹھوس تھا، مائع تھا یا گیس تھا؟ صادر اول مرکب تھا یا غیر مرکب؟ اگر مرکب تھا تو اس کے اجزائے ترکیبی کیا کیا تھے؟ کیا وہ ترکیبی اجزاء صادر اول سے پہلے تھے یا بعد میں خلق ہوئے تھے؟ اگر وہ صادر اول سے پہلے تھے تو پھر وہی اجزاء ہی صادر اول ہونگے نہ یہ ذوات اگر بعد میں وہ اجزاء خلق ہوئے ہیں تو صادرِ اول کا حصہ کس طرح بن گئے؟

چوتھا سوال

یہ سب سے اہم سوال ہے کہ کیا جو مادہ صادرِ اول کا روزِ اول تھا کیا عین وہی مادہ بلا

کم و کاست دنیا میں نازل ہوا یا کچھ کم و بیشی کے ساتھ؟
اگر کمی بیشی یا تبدیلی تھی تو وہ صرف صوری تھی یا تخلیقی و حقیقی و مادی تبدیلی تھی؟ اگر صرف صوری تبدیلی تھی تو یہ غیر حقیقی ہوگی اگر مادی و حقیقی تبدیلی تھی تو وہ کونسی چیز ہے جو اضافی طور پر شامل ہوئی یا کم ہوئی؟
کیا اس تبدیلی سے اس صادرِ اول کی حقیقت بدل گئی یا حقیقتِ اولیہ باقی رہی؟ اگر حقیقت اولیہ بدل گئی ہے تو بعد والی حقیقت پہلے والی حقیقت کی غیر ہوگی جو اسے ناقص ثابت کرے گی کیونکہ حقیقتِ اولیہ بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں جیسے انگور کا پانی سرکہ بنے یا شراب بنے تو اس طرح تینوں حالتوں کے علیحدہ علیحدہ احکام ہوتے ہیں؟ انگور کے سرکے کے اور شراب کے احکام جدا جدا ہیں سرکہ طاہر ہے ،شراب نجس ہے اگر اسی طرح صادرِ اول کی حقیقت بدلی ہے تو کون سے احکام بدلے ہیں اگر حقیقتِ اولیہ نہیں بدلی تو اسے عالمِ شہود میں آنے کے باوجود اپنی حقیقتِ اولیہ کے خصائص کو باقی رکھنا ضروری ہوگا اس طرح حقیقت اولیہ کو اپنے جملہ صفات و خصائص کے ساتھ آنا لازم ہوگا کہ جس طرح وہاں جسمِ لطیف تھا یہاں بھی ہو اور وہاں تخلیقِ حیات سے قبل جس طرح زندہ تھا یہاں بھی اسی طرح ہو اور وہاں جس طرح بغیر رزقِ ظاہر کے حیات کے مراحل سے گزر رہا تھا یہاں بھی اسے ضروریاتِ حیاتِ دنیوی سے ارفع و اجل ہو کر آنا لازم ہوگا۔
وہ جس طرح ازل میں کسی چیز کا محتاج نہ تھا اسی طرح یہاں بھی محتاج غیر نہیں ہونا چاہئے اگر وہ یہاں محتاجِ خورد و نوش ہے اور دیگر ضروریاتِ حیاتِ ظاہری کا محتاج ہے تو پھر اس کے وہ ازلی خصائص کس وجہ سے ختم ہو گئے ہیں؟ اگر ختم ہو گئے ہیں تو

کیا پھر بھی یہ حقیقت اس ازلی حقیقت کی عین قرار دی جا سکے گی؟
اگر یہ اس کی غیر ہے تو اس اولیت کی فضیلت کا اعزاز اسے کیسے دیا جا سکتا ہے؟
کیوں کہ اس کی ایک بات بھی اس میں موجود نہیں ہے۔

پانچواں سوال

وہ صادرِ اول (نور اول) کس سے پیدا ہوا تھا؟ یعنی یہ وہاں کیا کسی کی اولاد کی حیثیت سے پیدا ہوا تھا؟ جب دوسرا نور یا دوسری حقیقت اس اول صادر سے جدا ہوئی تھی تو کس حیثیت سے جدا ہوئی تھی؟ کیا بحیثیت اولاد کے پیدا ہوئی تھی یا تقسیمی عمل سے؟
اگر تقسیمی عمل تھا تو مادیاتی (جیسے موم کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے) طریقے پر تھی یا غیر مادیاتی طریقے سے جیسے چراغ سے چراغ جلتا ہے؟
اگر مادیاتی عمل سے جدا ہوئی تھی تو کیا تقسیم کے عمل سے گزرنے سے حقیقت اولیہ کی مقدار و کمیت میں کوئی کمی بھی ہوئی یا نہیں؟ جیسے موم کے ایک کلو کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے تو دو حصوں کا حجم طول و عرض و عمق و وزن میں کمی ضرور واقع ہوتی ہے؟
اگر کمی واقع ہوئی تھی تو اس کا تناسب کیا تھا نصف نصف کی تقسیم تھی یا ایک بٹہ تین یا چار کے حساب سے یعنی اس کا جدا ہونے والے مادے کا اصل سے کتنے فی صد کا بٹوارا تھا؟ اگر چراغاتی عمل سے تقسیم ہوئی جیسے ایک چراغ سے دوسرا جلتا ہے تو وہ دونوں حقیقتیں قائم بالغیر تھیں یا قائم بالذات؟

چھٹا سوال

جب حقیقت اولیہ ایک سے دو ہوئی، دو سے پانچ اور پانچ سے چودہ ہوئی تو ان کا آپس میں کیا رشتہ تھا؟ اس عالم میں جب یہ جدا ہوئے تھے تو کیا یہ ایک دوسرے سے انسانی طرز کے رشتوں سے بھی منسلک تھے؟ یعنی باپ، بیٹا، بیٹی، پوتا، نواسہ وغیرہ اگر وہاں ان کا آپس میں کوئی ایسا رشتہ نہ تھا تو کیا اس وقت میں انہیں لم یلد ولم یولد کہنا درست ہوگا یا نہیں؟ اگر ان کا وہاں آپس میں کوئی انسانی طرز کا رشتہ نہ تھا تو اس دنیا میں آنے سے یہ رشتہ کیسے پیدا ہو گیا اور جو رشتہ ان کا آپس میں اس دنیا میں ظہور پذیر ہوا ہے وہ ظاہری ہے یا حقیقی ہے؟ اگر یہ رشتہ صرف ظاہری ہے اور اظہاری ہے کہ جو حقیقت سے تعلق نہیں رکھتا۔

انہیں آپس میں جو نسبت ہے غیر حقیقی ہوگی، اگر حقیقی ہے تو عالمِ اول میں بھی یہی رشتہ ہونا چاہیے اگر وہاں ان رشتوں کا نہ ہونا حقیقی ہو اور یہاں رشتوں کا ہونا حقیقی ہو تو اس تناقض و تضاد کے وجوہات کیا ہیں؟ کہ کس اصول سے وہاں رشتہ نہ تھا اور کس قانون سے ان رشتوں کو حقیقی مانا جائے تناقض کے مقام پر صرف ایک ہی بات درست ہوتی ہے نہ کہ دونوں۔

ساتواں سوال

جب اولیت میں یہ کسی آباؤ واولاد کے ناطے میں منسلک نہ تھے اور یہاں دنیا میں آ کر ایسے رشتے پیدا کر لئے ہیں تو اس بات کو ماننے کیلئے دو صورتیں ہیں۔

(1) یا ان کی اولیت والی حقیقت دنیا میں آ کر معدوم ہو گئی ہے اور یہ نئے سرے سے پیدا ہوئے اور یہاں نئے رشتوں کے ماتحت جنم لیا۔

اگران کی سابقہ واولین حقیقت وحیثیت اب کی اس دنیا میں ظہوراجلال کے ساتھ باقی ہے تو پھر ماننا پڑے گا یہ رشتے صرف اورصرف اظہاری ہیں ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں اگران کی اولین حقیقت وحیثیت دنیا میں آنے سے معدوم ہوگئی ہوتو پھر یہ اپنی اولین حقیقت کے غیر ہونگے اوراس طرح یہ اپنے غیر سے ادنیٰ ثابت ہونگے اگر حقیقت اولیہ معدوم ہوگئی ہے اور یہ ذوات یہاں کسی دوسری حیثیت سے آئے ہیں تو پہلے والی حیثیت وحقیقت کہاں گئی؟ اورکس طرح معدوم ہوگئی؟ اور کیوں معدوم کردی گئی؟ کیا اسے دنیا میں اظہار کی اجازت نہ تھی یا خوداس میں صلاحیتِ اظہار نہ تھی؟ یا پھر خالق میں انہیں ظاہر کرنے کی قدرت نہ تھی؟ اگراس میں ہدایتِ خلق کی صلاحیت نہ تھی توکس غرض سے اسے پیدا کیا گیا تھا؟

آٹھواں سوال

اگر یہ تسلیم کرلیا جائے کہ وہ پہلے والی حقیقت اپنے مقام پر باقی رہی اور یہ دوسری حیثیت سے دنیا میں ظہور پذیر ہوئے تو سوچنا پڑے گا کہ وہ کس حیثیت سے اپنے مقام پر باقی رہی ان کی عین بن کر یاان کی غیر بن کر؟

اگروہ ان کی غیر بن کراپنے مقام پر باقی رہی تو ان کا اپنے غیر سے کیا ناطہ رہتا ہے پھرسوال پیدا ہوتا ہے کہ اپنی تخلیق کے لمحہِ اول سے لیکران کے ظہورِ اجلال تک وہ حقیقت کہاں محفوظ رہی عرش عظیم پر یا دنیاء بے ثبات کے کسی گوشے میں؟ جوحقیقت عالمِ اول میں موجودات کودرسِ عبادات دے رہی تھی اس طویل عرصے میں کیا کرتی رہی؟ صرف آپ ہی عبادات وتسبیحات پڑھتے رہے یا ملکوت کے نوزائیدہ لشکر کو

درسِ عبادات دیتے رہے؟ کیونکہ ملکوت کی تخلیق کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔
یا یہ حقیقت یونہی بے مقصد ذخیرہِ قدرت میں محفوظ پڑی رہی اگر بے مقصد پڑی رہی ہے تو اس بے مقصدیت کا کیا مقصد و مصلحت تھی؟

نواں سوال

تخلیق آدم کے وقت سے لیکر اپنے ظہورِ اجلال تک اس حقیقت اولیہ کے کئی مقامات بیان ہوئے ہیں۔
☆فتقلبك فى الساجدين
کی رو سے اولاد آدم میں منقلب رہی اور ظہورِ اجلال تک انقلاب پذیر رہی لیکن یہ مسئلہ حل طلب ہے کہ یہ حقیقت کس طرح سے اصلاب و ارحام میں منتقل ہوتی رہی؟
نطفیاتی طریقے سے یا تناسخ کی طرح؟ یا ودیعت کی طرح سے؟
اس پہ کئی سوالات ہو سکتے ہیں مثلاً
نطفیاتی طریقے سے انتقال پذیر ہونا خود حقیقتِ اولیہ کی توہین ہے کیونکہ جو حقیقتِ اولیہ زیرِ عرشِ عظیم پاک و پاکیزہ ماحول میں رہی ہو اسے اصلاب و ارحام کی ذلت میں ڈالنا اس اولیت کو مسخ کرنے کے مترادف ہے پھر اس حقیقت کا ماءِ مھین میں تبدیل ہو جانا بھی ناقابل فہم ہے کیونکہ وہ اپنی حیثیت کے ساتھ کس طرح غلاظتوں میں جا گری اس عمل پہ بھی سوالات ہو سکتے ہیں مثلاً
سوال نمبر 7 کے اعتراضات لاگو ہو جاتے ہیں دوسری صورت یہ ہے کہ تناسخ کی طرح انتقال پذیر رہی ہو تو پھر ہندو دھرم کا آواگون کا نظریہ درست ثابت ہو جاتا

ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ یہ مانا جائے کہ وہ حقیقت ایک ودیعت (امانت) کے طور پر بند پیکٹوں میں منتقل ہوتی رہی ہے۔

اگر حقیقتِ اولیہ امانت و ودیعت کی طرح اولادِ آدم میں منتقل ہوتی رہی ہے تو پھر انہیں اولادِ آدم کہنا کس طرح جائز ہوگا؟ جو اولادِ آدم نہیں اسے بشر اور نوعِ بشر سے کہنا کس طرح جائز ہوگا؟

کیا امانت اور امین کا آپس کا جو رشتہ ہوتا ہے وہ امانت و امین کے علاوہ ماں باپ والا رشتہ بھی ہوسکتا ہے؟ اگر اولادِ آدم سے ان کا رشتہ صرف امانت و امین والا رشتہ ہے تو پھر انہیں اولادِ آدم یا کسی نبی کی اولاد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ جب انہیں کسی نبی کی اولاد کہنا درست ہی نہ ہوگا تو خود ان کے والدین سے ان کا کیا رشتہ باقی رہے گا؟

اس طرح جناب عبدالمطلب علیہ السلام ان کے دادا ثابت نہ ہونگے ان کے نور کے امین ثابت ہونگے اس طرح ان کا جملہ اجداد سے تولیدی رشتہ منقطع ہوجائیگا۔

آج تک کسی نے کیا کبھی امانت کو امین کے سپرد جنسی طریقے سے بھی کیا ہے؟ ساتھ ہی بات بھی حل طلب ہوگی کہ ان کے وجود میں آنے میں آباؤاجداد کو کتنی حد تک مدخلیت حاصل ہے؟ یعنی اگر حقیقتِ اولیہ بلاکم و کاست ظاہر و پیدا ہوئی ہے تو والدین کی حیثیت کیا رہتی ہے والد کی یا ذریعے کی؟ یعنی یہ بتانا ہوگا کہ ان کی ولادت میں ان کے والدین کا کتنا حصہ ہے؟

اگر ان کی اولیت نوری اور صادر اول والی حقیقت بلا کمی و بیشی دنیا میں ظہور پذیر ہوئی ہے تو اس طرح آل محمد علیہم الصلوات والسلام کا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے

رشتہ باقی رہے گا مگر والدین خصوص امہات صلوات الله علیهن سے ان کا رشتہ کیا رہے گا؟ اسی طرح شوہر اور بیٹی کا رشتہ، ماں اور بیٹے کا رشتہ بھی باقی نہ رہے گا اگر رہے گا تو کس حیثیت کا حامل ہوگا؟

دسواں سوال

جب وہ صادرِ اول اس دنیا میں اظہار پذیر ہوا تو چودہ وجود ظاہر ہوئے ان میں صنف کا تصور بھی موجود تھا یا نہیں؟ یعنی مونث و مذکر کے تصورات بھی موجود تھے؟ کیا وہاں تذکیر و تانیث مرد و عورت کے تعینات بھی ظاہر و موجود تھے؟

کیا ان کی اولین خلقتِ روحی و نوری (یا جو بھی سمجھیں) اس میں بھی ان میں تذکیر و تانیث کا تصور موجود تھا؟ کیا یہ وہاں صرف مذکر تھے یا صرف مونث یا کچھ مذکر، کچھ مونث تھے؟

یہ بھی سوچنا ہوگا کہ وہاں تذکیر و تانیث کا وجود کس افادیت کیلیئے تھا؟ اگر وہاں ان تعینات سے یہ حقیقت ماوریٰ اور ارفع تھی تو یہاں کس مجبوری کے تحت مذکر مونث بن کر آئے کیا ان کی تذکیر و تانیث صرف اظہاری تھی یا حقیقی؟

اس پہ لاتعداد اشکال پیدا کیئے جاسکتے ہیں بہت سے سوال تشنۂ حل ہیں مگر ادب مانع ہے اس لئے اگلے سوال کی طرف بڑھتے ہیں۔

گیارہواں سوال

ایک طرف اللہ فرماتا ہے کہ اے میرے حبیب صلی الله علیه و آله وسلم میں تمہیں ساجدین میں انتقال پذیر ہوتا دیکھ رہا ہوں۔

ایک تیسری شکل بھی بعض روایات میں موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام و نبی کو پیدا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اللہ ایک فرشتے کو بھیج کر ایک ایسا مشروب بھیجتا ہے جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیرین، برف سے زیادہ ٹھنڈا، دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے جسے امام نوش کر کے (نعوذ باللہ) مباشرت کرتا ہے جس سے انعقاد ہوتا ہے۔

بعض روایات میں یہ ہے کہ اس شربت کا قطرہ کسی سبزی یا پھل پر ڈال دیا جاتا ہے جس سے نطفہ متکون ہوتا ہے پھر شکمِ مادر میں ایک فرشتہ اس کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے اس کے کاندھوں پہ آیات لکھتا رہتا ہے وغیرہ وغیرہ

یہ روایات بہت سے کتب میں ہیں تفصیل کیلئے دیکھیں

اصول کافی صفحہ نمبر 197، بحارالانوار ہفتم صفحہ نمبر 261، اصول شریعہ صفحہ نمبر 114

اب پھر سے سوالات کا ایک سلسلہ شروع ہو جاتا ہے کہ صادرِ اول کا اس مشروب سے کیا تعلق ہے؟

وہ مشروب جو فرشتہ لے کر آتا ہے وہ صادرِ اول کا کونسا روپ ہے کیا صادر اول اپنی خلقت اولیہ میں بھی اسی مشروب سے تخلیق پذیر ہوا تھا؟ اگر صادرِ اول اسی مشروب سے خلق ہوا تھا تو اس مشروب کو خود اس سے تقدم زمانی حاصل ہوگا۔

کیا اولاد آدم میں اس کا انتقال کا سلسلہ جھوٹا ہے؟ کیونکہ یہ تو عرش سے نازل ہونے والے تازے مشروب کی تخلیق ہے جب عرش سے تازہ آنے والے مشروب ہی سے انعقاد نطفہ ہوتا ہے تو اصلاب میں جو کچھ موجود رہا ہے وہ کیا تھا پیشانی عبدالمطلب علیہ السلام میں چمکنے والا نور یا وہ حقیقت تو ولادت کے دن ہی سے رہی تھی جو عرش سے

نازل ہوئی ہے اس کا اس پہلے سے موجود حقیقت سے کیا تعلق ہے؟
کیا اصلاب وارحام میں انتقال پذیر حقیقت کی یہ عرش والی چیز غیر ہے یا عین ہے یا نصف حصہ اصلاب میں انتقال پذیر رہا اور نصف عرش پر صادرِ اول کو اس طرح تقسیم کر کے قسطوں میں نازل کرنے کی کیا مصلحت ہے؟
اگر عرش والا مادہ ہی اصلی صادرِ اول ہے تو یہ اصلاب اور پیشانیوں میں منقلب ہونے والی چیز کیا ہے؟ اگر یہ ایک ہی حقیقت کے دو حصے ہیں تو ان کی یہ تقسیم اظہاری ہے یا حقیقی ہے؟ وہ عرش سے آنے والا مادہ (مشروب) جب تکوین نطفہ کا کام دیتا ہے تو پھر علقہ ومضغہ کی حالت سے بھی گزرتا ہوگا اب شکمِ مادر میں اس کی خوراک کا مسئلہ ہے تو یہاں احترام مانع ہے ورنہ اس میں بھی بہت سے اشکال موجود ہیں۔
پھر یہ بھی لکھا ہے کہ ایک فرشتہ شکم میں ان کی دیکھ بھال کرتا ہے کبھی آیات لکھتا ہے اور کبھی حفاظت کرتا ہے یہ وہی فرشتہ ہے جو صادرِ اول سے درس معرفت وعبادت لے چکا ہے اب اس کا مشروب لانا، آیات لکھنا اور حفاظت کرنا وغیرہ وغیرہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں یہ صادرِ اول ہر چیز سے عاجز ہے اور رعلم سے خالی ہے اور فرشتہ ہی اصل چوہدری ہے جس کی مکمل اجارہ داری ہے۔
لیکن یہ مسئلہ پھر بھی ناقابل حل رہتا ہے کہ وہ نور جو ساجدین میں انقلاب پذیر ہوتا رہا یا شربت عرش بن کر نازل ہوتا رہا کیا وہ اپنی اولین حقیقت کی جامعیت کے ساتھ آتا رہا تھا یا کسی چوتھی شکل میں آتا رہا ہے اگر کسی چوتھی شکل میں آتا رہا ہے تو اس کی حیثیت وحقیقت کیا تھی؟

بارہواں سوال

ایک روایت یہ بھی ہے کہ عرش سے ایک سیب آتا تھا جس کے کھانے سے اصل امام تکوین پاتا تھا یہ اس کی ایک اور صورت ہے ایک مرتبہ پہلے والی صورتیں پھر دیکھ لیں

(1) صادر اول

(2) ساجدین میں منقلب حقیقت

(3) شربت عرش والی حقیقت

(4) سیب والی حقیقت

(5) اس سے مل کر بننے والی حقیقت

(6) اور دنیا میں لوگوں کے سامنے ظاہر ہونے والی بشری حقیقت

یہ چھ صورتیں ہیں جو ایک دوسرے سے کچھ پہلوؤں سے متناقض ہیں شربت والی بات درست ہے تو سیب والی غلط ہے ان دونوں میں سے ایک بھی درست ہے تو ساجدین میں منقلب ہونے والی حقیقت غلط ہے اگر ساجدین والی حقیقت درست ہے تو سابقہ سے مل کر بننے والی صورت غلط ہے اگر سب سے آخری صورت کہ وہ عین بشر بن کر آئے تو درمیانہ ساری صورتوں کے ساتھ صادر اول والی بات غلط ہو جاتی ہے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی بشریت کو تسلیم کرنے سے صادرِ اول والی حقیقت کیسے متاثر ہوتی ہے۔

دیکھئے کیا صادر اول اپنی اولیت میں بھی محمد بن عبداللہ علیھما السلام کی حیثیت سے ظاہر ہوا تھا یا مجرد محض تھا؟

اگر وہاں مجرد محض تھا تو دنیا میں آکر ان اضافتوں میں کیوں پڑ گیا؟ اگر دنیا میں ان کی وہی حقیقتِ اولیہ بلاکم وکاست نازل ہوئی ہے تو اپنی تخلیق کے لمحہِ اول میں بھی بشریت ان کا ایک ایک جزو لاینفک ماننا ہوگی تو کیا جنبہِ بشری وہاں بھی صادرِ اول کے ساتھ تھا؟ یا نہیں

اگر وہاں جنبہِ بشری ان کے ساتھ نہ تھا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بشریت صرف ضرورت ہدایت کیلئے اختیار ہوئی ہے۔

اگر عالمِ ازل والی ان کی حقیقت بعینہ دنیا میں آئی ہے جیسے ایک سیب کو ایک کمرے سے اٹھا کر دوسرے میں رکھ دیا جائے اگر اس طرح یہ حقیقت وہاں سے یہاں پہنچی ہے تو ازل میں بھی بشریت ان میں ثابت کرنا ہوگی کیونکہ ایک کمرے سے دوسرے کمرے تک لاتے لاتے سیب بینگن نہیں بن جاتا یعنی اگر ہم اسے کمرہ نمبر 2 بینگن پاتے ہیں تو لازماً کمرہ نمبر 1 میں بھی وہ بینگن ہی تھا۔

اب یا ازل میں بشریت ثابت کرنا ہوگی یا ظاہری موجود ذات کو اللہ کا راز ماننا ہوگا

تیرہواں سوال

یہ مسئلہ بھی حل طلب ہے کہ یہ صادر اول دنیا میں اپنے ظہورِ اجلال تک کن کن مراحل سے گزرا ہے، کس کس کے پاس رہا ہے کون کون سی حالتوں میں رہا ہے اور کن کن شکلوں کو پسند کرتا رہا ہے۔

کیا مختلف ادوار میں اس میں کوئی کمی بیشی بھی ہوتی رہی ہے یا نہیں؟ اکثر علماء ان ذوات پاک کے دو جنبے بیان کرتے ہیں۔

تو کیا اپنے جملہ مراحل میں یہ دونوں جنبے اس صادرِ اول کا حصہ رہے ہیں اگر دنیا میں بشریت ان میں موجود تھی مگر روز اول ان میں بشریت نہ تھی تو پھر مستقل حیثیت بشری ہوگی یا غیر بشری؟ اگر یک جنبائی حقیقت ہی حقیقت کلیہ تھی تو یہ بشریت کا لباس عارضی ہوگا یا مستقل؟

دنیا سے رخصت ہونے کے بعد صادر اول کس حیثیت سے موجود رہا بشریت کے ساتھ یا غیر بشریت کے ساتھ؟ جب حقیقت اولیہ لاکھوں کروڑوں سال بشریت کے لباس سے عاری رہی اور پھر ہزاروں سال بشریت سے عاری رہے گی تو صرف درمیان کے 60 یا 70 سال کی بشریت سے انہیں مکمل طور پر نوعِ بشر کا فرد کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ کیونکہ نہ یہ اولیت میں بشر ہیں نہ آخرت میں بشر ہیں تو درمیانہ مختصر وقت کا ایک سونپا ہوا کردار ان کی اصلیت میں کیسے داخل ہو گیا ہے؟ اگر یہ نوعِ بشری کے کامل ترین افراد ہیں تو پھر کیا ہر بشر صادرِ اول کی طرح ان مراحل سے گزرا ہے جن سے یہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام گزرے ہیں؟

جب پوری اولادِ آدم ایسی ہے کہ کوئی بھی ان مراحل سے نہیں گزرا کسی کا نطفہ (بقولِ علماء) مشروب عرش یا سیب عرش سے نہیں بنا اور نہ ہی وہ اپنے فطری طریقہ تناسل سے ہٹ کر پیدا ہوئے ہیں تو جن ذوات کے اور بنی آدم کے مابین ہزاروں اختلافاتِ ذات اور عظیم بعدِ خلقت موجود ہے انہیں منطق مرحومہ کے کس قانون سے بشریت میں گھسوڑا جا رہا ہے؟ ان کا یہی جرم ہے کہ یہ اس بدبخت بشر کی ہدایت کو تشریف لائے ہیں کہ ہر ذلیل و حقیر بشر نے ان کی بشریت کا راگ الاپنا شروع کر دیا ہے اور حالت یہ ہے کہ کوئی بات تک نہیں کر سکتا۔

چودہواں سوال

جدید سائنس نے ثابت کیا ہے کہ یہ ہماری زمین اربوں سال پہلے عالم وجود میں آئی اور کروڑوں سال سے اس پر جاندار آباد ہیں اور لاکھوں سال سے انسان روئے زمین پر جلوہ گر ہے جیسا کہ 92 لاکھ سال پہلے کے فوسل (حجری ڈھانچوں) سے ثابت ہے کہ انسان تقریباً ایک کروڑ سال سے صفحہ ارض پر موجود ہے۔

دوسری طرف سے یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم تک کا زمانہ جو گزرا ہے وہ صرف 6445 سال کا عرصہ ہے۔

اس کا ایک ثبوت وہ شجرے ہیں جو بائبل اور کتب مآخذ میں لکھے ہوئے ہیں کیونکہ سلسلہ نسب دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ جناب آدم علیہ السلام سے جناب عبدالمطلب علیہ السلام تک 50 پشتوں کا فاصلہ ہے اور اوسط ایک پشت 25 سال لیتی ہے مگر ہم اس کو مبالغے کی حد تک بڑھا دیں تو ایک پشت کو ایک ہزار سال ہی دے دیں تو بھی زیادہ سے زیادہ 50 ہزار سال کا فاصلہ مانا جا سکتا ہے۔

اس سے زیادہ ناممکن ہے اور یہ حجری ڈھانچے (فوسلز) ایک کروڑ سال پرانے ہیں تو وہ انسان جس کے یہ پنجر ہیں وہ کس آدم کی اولاد تھا؟

اب ہم امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے خطبے کی رو سے 80 ہزار آدم کا تصور قبول کر لیتے ہیں ورنہ سائنس کے سامنے شرمندہ ہونے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا کیونکہ وہ تو پہلے ہی اشرف المخلوقات کو بندر زادہ ثابت کر رہی ہے جب ہم اس نظریے کو بھی قبول کر لیں کہ اس بنی نوعِ انسان کے آدم سے پہلے 80 ہزار آدم گزرے ہیں اور

ان کی نسل لاکھوں سال اس دنیا پر حکمران رہی ہے اور اس آدم کو دنیا پہ نازل ہوئے صرف چھ سات ہزار سال گزرے ہیں تو پھر صادرِ اول پہ اور اس کے ظہورِ اجلال پر چند اور سوالات ذہن میں کوندتے ہیں ۔مثلاً یہ صادرِ اول سابقہ ادوار کے جو آدم تھے ان کے ادوار میں بھی ظاہر ہوا تھا یا نہیں؟

سارے آدم نہیں صرف چند ہی کے بارے ثابت کرنا ہوگا کہ یہ صادر اول وہاں ظاہر ہوا تھا یا نہیں؟ اگر ظاہر نہیں ہوا تھا تو کیا ان انسانوں کو ہدایت کی ضرورت نہ تھی ؟ کیا وہ انہی شعوری مراحل سے نہ گزرے ہونگے کہ جن سے آج کی نوع انسان گزری ہے؟

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ جسے سب سے اول خلق فرمایا گیا وہ صادرِ اول جو عالمِ انوار کو عبادات سکھاتا رہا جب سلسلہ انسانیت زمین پر جاری ہوا تو 80 ہزار آدم اپنی اربوں اولاد کے ساتھ اس کے فیض و رحمت سے کیسے محروم رہے؟ پھر جس معلمِ اول کو سب سے اول خلق فرمایا گیا وہ کھربوں سال غائب اور بے فیض رہا صرف 63 سال ظاہر ہوا پھر صدیوں کیلئے غائب اور بے فیض ہو گیا اسے لمحاتی نمود کے لئے کس لئے خلق فرمایا گیا؟

پھر جو اتنا عظیم تھا کہ اسے رحمت العالمین کہا گیا اس سے 80 ہزار آدم بھی محروم رہے اور موجودہ دور کے آدم کی اولاد میں سے صرف دو فی صد کو اس سے استفادہ حاصل ہوا اور ان دو فی صد میں بھی 99 فی صد شفاعت کی وجہ سے نجات پائیں گے اس طرح انسانیت کا ہزارواں حصہ آ کر ایسا نکلتا ہے جس نے اس سے استفادہ کیا ہے اور لاکھواں حصہ عرفان و ایمان کے آخری منازل کو پہنچا ہوا ثابت ہوتا ہے تو اتنی کم

افادیت کی چیز کو اتنی زیادہ اہمیت کیسے حاصل ہوئی؟
اگر یہ صادرِ اول ہر دور میں ظہور پذیر ہوتا رہا ہے اور سب کی ہدایت فرماتا رہا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ انہی کی شکل وصورت میں انہی کی اولاد کی شکل میں آتا رہا ہوگا جب 80 ہزار آدم کی اولاد کی شکل میں آنے کے باوجود یہ ان کی اولاد نہیں بن سکا تو اس آدم کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے تھے کہ یہ اس آخری آدم کی حقیقی اولاد بن گیا اور اس کی نوع اسی آدم مرحوم کی نوع سے ہوگئی اگر 80 ہزار آدم کی اولاد کی حیثیت وشکل میں یہ صادر اول ظاہر نہیں ہوا تو پھر کس حیثیت سے ظاہر ہوا یہ بھی پتہ لگانا پڑے گا۔
اگر اللہ نے 80 ہزار آدم کے لئے اسے نہیں بھیجا تو پھر آخری کے پاس بھیجنا اور وہ بھی اولاد بنا کر بھیجنا کیا عدل الٰہی کے خلاف نہیں ہے؟
اب دو ہی صورتیں باقی رہتی ہیں یا تو اس کی اولیت والی جملہ احادیث سے انکار کر دیا جائے جو ناممکن ہے یا پھر ماننا پڑے گا کہ جسے ہم اولادِ آدم اور نوعِ بشر سے ثابت کرنے کی سعی مذموم کر رہے ہیں وہ حقیقت اللہ کا ایک ایسا راز ہے جو کبھی بھی کسی پہ منکشف نہیں ہوا اس کی محکم حیثیت وہ جو اللہ کا سرالاسرار والی ہے اور متشابہ بہ بشریت ہے۔
میرے مہربانو میں آپ کو اتنا ہی بتانا چاہتا تھا کہ پاک خاندان کے بارے میں جتنے آراء موضوعِ بحث بنے ہوئے ہیں سب ناقص اور فساد سے خالی نہیں ہیں اور ہمیں ان ذوات کی حقیقت کو تلاش کرنا ہی نہیں چاہیے یہ اللہ کا ایک مخفی راز ہیں ان پر اجمالی ایمان رکھنا ضروری ہے ورنہ ارسطو خان صاحب کی منطق تو ایک احمقانہ طرزِ فکر کی حامل ہے اس کا کلیہ ہی الٹا ہے پہلے ایک کلی معلوم کرو یا فرض کرو پھر اس سے

جز کے بارے میں علم حاصل کرو۔
چاہیے تو یہ تھا کہ ایک جز و کو معلوم کرنے سے کل کو معلوم کیا جاتا مگر یہاں معاملہ ہی الٹا ہے اگر یہ دیکھنا ہو کہ سمندر کے پانی میں کتنے فی صد نمکیات ہیں تو منطق کہتی ہے پہلے سارے سمندر کا پانی لیب سے گزار کر مقدار معلوم کرو کہ کتنے فی صد اس میں نمک ہے اس کے بعد منطق بتائے گی۔
پورے سمندر میں نمکیات 10 فیصد ہیں (صغریٰ)
یہ قطرہ سمندر کے پانی کا ہے (کبریٰ)
لہٰذہ اس قطرے میں نمکیات دس فیصد ہیں نتیجہ
کوئی ان احمقوں سے پوچھے اگر کلی معلوم ہو تو جزی کے لئے صغریٰ و کبریٰ قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟
منطق جب بھی بحث کرتی ہے پہلے ایک ''کلی'' قائم کرتی ہے اگر کلی ہی ناقص ہو تو جز کا علم کبھی بھی درست نہیں ہوسکتا اور یہی منطق کے دوسرے حصے (استقرائیہ منطق) کی بنیاد ہے مثلاً اگر صغریٰ اس طرح قائم ہو کہ
(1) انسان کتے ہیں (2) زید انسان ہے
نتیجہ زید کتا ہے ہی نکلے گا
کیونکہ کلی ہی غلط ہے کہ انسان کتے ہیں
اب صادرِ اول کے بارے میں دیکھیں تو انہیں علماء کرام کی ایک کثیر تعداد ان کی اولیت کو مانتی ہے اور اس سے لاعلمی کا اقرار کرتی ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ نورِ اول کیا ہے؟ مقام اولیت کیا ہے جنبہ نورانی کی حقیقت کیا ہے ایسی بہت سی چیزوں کے

بارے میں اپنے جہل کا اقرار کرتے ہیں جب ایک چیز کے سینکڑوں احتمالی پہلو موجود ہوں ایک پہلو سامنے ہو اور دس پہلو مخفی ہوں اور وہ سامنے والا پہلو بھی غیر واضح ہو تو کیا اسے بنیاد بنا کر کوئی حتمی نتیجہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟

خود منطق بھی اس نتیجے کو درست نہیں مانے گی پھر جدید ریاضیاتی علوم سے تو اس ایک پہلو کو بنیاد بنانا ہی غلط ہے جملہ کتب میں لکھا گیا ہے کہ جب احتمال پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔

جب میں شماریات کا سیزنل مطالعہ کر رہا تھا تو اس میں احتمال پہ میں نے بہت ہی دلچسپ بحث دیکھی عام طور پر تو احتمال احتمال کی رٹ لگائی جاتی ہے مگر اس کا درست مفہوم کیا ہے؟ اسے واضح نہیں کیا جاتا سترہویں صدی عیسوی میں احتمال پہ مربوط اور سائنٹیفک تحقیق شروع ہوئی اس میں احتمال کی تین اقسام وضع کی گئیں (1) کلاسیکی احتمال (2) تعدعی احتمال (3) موضوعی احتمال۔

کلاسیکی احتمال یہ ہے کہ جہاں دو مساوی الامکان دو پہلو سامنے ہوں اور ''مکانِ نمونہ'' کے پوائنٹ دو ہوں یہ احتمال کلاسیقی احتمال کہلاتا ہے مثلاً آپ ایک سکے کو اچھالتے ہیں اس کے دو پہلو ہیں ایک پر الف لکھا ہے دوسرے پر جیم تو احتمال یہ ہے کہ یا الف اوپر آئیگا یا جیم کیونکہ الف اور جیم کے اوپر آنے کا برابر احتمال ہے اس لئے یہ مساوی الامکان احتمال کلاسیکی احتمال ہوتا ہے۔

تعددی احتمال یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز کے بار بار اعادہ کرنے سے جو احتمالات کی فہرست سامنے آئے گی اس کے حساب سے نتیجے میں پیدا ہونے والا احتمال تعدعی احتمال کہلاتا ہے مثلاً آپ الف اور جیم والے دو پہلو سکے کو سو مرتبہ فضا میں اچھالتے

ہیں 70 مرتبہ الف اوپر آیا ہو اور 30 مرتبہ جیم تو اگلی مرتبہ احتمال ہوگا کہ شاید الف ہی اوپر آئے مگر یہ ضروری نہیں کہ سابقہ تعداد اگلی مرتبہ دہرانے پر باقی رہے۔

جب مکانِ نمونہ متعدد ہوں تو پھر ایک پہلو پہ احتمال ناقص ہوگا جیسے لُڈو کا پانسہ (ڈائی) ہوتی ہے اس کے چھ پہلو ہوتے ہیں اس کے فضا میں اچھالنے سے احتمال چھ اعداد میں تقسیم ہو جائیگا کیونکہ اس کے مکان نمونہ چھ ہیں اب پہلو جتنے بڑھتے جائیں گے احتمال تقسیم ہوتا جائیگا اور ایک پہلو سے اعتماد و یقین کم سے کم تر ہوتا جائیگا۔

اب صادرِ اول کا صرف ایک پہلو ہمارے سامنے ہے اور ہزاروں پہلو مخفی ہیں تو اس طرح ان کا جو بشری پہلو سامنے ہے وہ مخفی ہزاروں پہلوؤں پر تقسیم ہوگا تو بشریت کا احتمال ایک بٹہ ہزار ہوگا اب جس کے بشر ہونے کا ایک بٹہ ہزار ہونے کا امکان ہو یعنی یقین کا ہزارواں حصہ بشریت کو درست ماننے کی طرف مائل ہو اور 999 حصے اسے غیر بشر بتا رہے ہوں تو کون احمق ہے جو 999 کی یقینی صورت کو چھوڑ کر ایک کو درست مانے گا؟

اور بشریت کا احتمال جب اتنا کمزور ہو کہ 999 کے مقابلے میں صرف ایک ہو تو گویا نہ ہونے کے برابر ہے اگر پھر بھی کوئی کہے کہ 999 کے مقابلے میں ایک تو موجود ہے تو عرض کرونگا کہ جس میں 99.9 فی صد اور ہے 0.1 اور ہے کیا کوئی ایسا بشر اس دنیا میں بھی موجود ہے؟

کیا 99.9 فی صد کو چھوڑ کر 0.1 کی بنیاد پر کوئی نوعِ وضع کی جا سکتی ہے؟

موضوعی احتمال وہ ہوتا ہے کہ جو شخصی مشاہدے پہ مبنی ہو مثلاً ہم اکثر دیکھتے ہیں ساون کے مہینے میں بارشیں ہوتی ہیں اس سے احتمال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اس سال ساون

میں بارشیں ہونگی مگر یہ بھی امکان ہی میں رہتا ہے یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔
اس صادر اول کا موضوعی احتمال محال ہے اس لئے ان کا بشر ماننا محال ہے اس ساری بحث کا مقصد یہ ہے کہ یہ پاک ذوات اللہ کے مخفی راز ہیں جنہیں کوئی نہیں جانتا اور ان کی حقیقت ذات کو سمجھنے کیلئے جتنے پیمانے وضع کئے جا رہے ہیں یا وضع کئے جا چکے ہیں وہ سب ناکافی ہیں۔
منطق بیچاری تو پہلے موجودات کو جماعتوں میں فرض کر کے انہیں جماعتیں بناتی ہے اور پھر ان مفروضہ جماعتوں کے بارے میں مفروضہ ''کلی'' بناتی ہے جو جماعت کے جملہ افراد کے لئے کبھی کفایت نہیں کر سکتے۔
ہاں ایک وقت ہے جب یہ راز کھلیں گے یعنی جب میرے آقا و مولا، میرے محبوب حقیقی، میرے شہنشاہ زمانہ عجل اللہ فرجه الشریف تشریف لائیں گے تو پھر اللہ کا یہ فرمان اور پیشگوئی پوری ہوگی۔

☆واشرقت الارض بنور ربها

زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھے گی جہالت کی تاریکیاں چھٹ جائیں گی اور ہر چیز اپنے حقائق کے نقطہ کمال پہ ظہور پذیر ہوگی۔
ہماری تو ہر وقت یہی دعا ہے کہ وہ روز سعید جلد آئے اور جہالتوں کے بادل چھٹ جائیں اور انسان کو عرفانِ کامل عطا ہو۔

آمین ثم آمین

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلیٰ مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَهُم بِقَائِمِهِمْ عَجَلَ اللّٰهُ فَرَجَهُ الشريف
وَصَلَوَاتُ اللّٰهُ عَلَيهِ وَ عَلیٰ آلِهِ اَجمَعِين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یا مولا کریم عجل اللّٰہ فرجک

باب نمبر 12

غلو و غلاۃ

قل انما انا بشر مثلکم

اے فضا نوردانِ اسرار و معنی!

اس دور میں ہم دیکھتے ہیں کہ فتاویٰ کا ایک طوفان آیا ہوا ہے نام نہاد علمائے کرام فتوے اپنی فرنٹ پاکٹ میں رکھتے ہیں جو بھی ذرا سی بات کرتا ہے اس پر فتوے کی سلپ لگا دی جاتی ہے خصوصاً جب کوئی شخص محمد وآل محمد علیہم الصلوات والسلام کے فضائل کی کوئی بات کرتا ہے تو اس پر شرک وکفر سے زیادہ غالی اور مفوضہ ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے اور عوام کے سامنے وہ احادیث رکھ دیئے جاتے ہیں جو پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام نے مفوضہ اور غلاۃ کی مذمت میں انشاء فرمائے تھے اور ڈرایا جاتا ہے کہ پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام نے تو ان عقائد کے حامل لوگوں کی مذمت فرمائی ہے ان سے بچو۔

جو شخص پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے حاضر و ناظر ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو یا انہیں من نور اللہ عزوجل کے یا ان کے نور ہونے کی بات کرے یا ان کی مدد کا قائل ہو یا ان کے علم غیب کا قائل ہو تو اس پر غلاۃ اور مفوضہ میں سے ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔

میں نے کتب کا مطالعہ کیا اور فضائل علم اور طالب علم اور خصوصاً فضائل علماء پہ احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ دیکھا اس میں جو احادیث دیکھے ان میں علمائے کرام کے فضائل میں بظاہر بڑا غلو نظر آیا مگر میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کسی بھی عالم نے ان پر جرح و بحث نہیں کی تھی بلکہ ان پر سبھی علماء نے مہرِ تصدیق ثبت فرمائی ہوئی تھی لیکن پاک خاندان کی کوئی ایسی فضیلت میری نگاہ میں نہیں گزری جس پہ کسی نہ کسی صاحب نے تنقید نہ کی ہو فضائلِ علماء کی ایک جھلک آپ بھی دیکھ لیں میں اجمالاً نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جو تفصیل کا طالب ہو وہ عدۃ الداعی، بحارالانوار جلد اول اور منیۃ المرید جیسے کتب میں دیکھ سکتا ہے۔

☆نوم العالم افضل من عبادة العابد

الـنـظـر الیٰ وجه العالم عبادة بل والی، باب العالم عبادةجلوس ساعة عند العلماء احب الیٰ الله من عبادة الف سنة والنظرالیٰ العالم احب الی الله من اعتكاف سنة فی بیت الحرام و زیارة العلما احب الیٰ الله من سبعین طوافاً حول البیت وافضل من سبعین حجة وعمرة مقبولة...... الخ

ان فضائل کا مختصر خاکہ یہ ہے کہ

عالم کی نیند عبادت گزار کی عبادۃ سے افضل ہے، عالم کے چہرے پر نظر کرنا عبادت ہے بلکہ اس کے دروازے پر نگاہ کرنا عبادت ہے بلکہ اس کے دروازے پر نگاہ کرنا ستر حج مقبولہ سے بھی افضل ہے، علماء کی مجلس میں ایک لمحہ بیٹھنا اللہ کو ایک ہزار سال کی عبادت سے زیادہ محبوب ہے، عالم کے چہرے پہ نظر کرنا اللہ کو ایک سال کے اعتکافِ کعبہ سے زیادہ محبوب ہے، علماء کی زیارت ستر طواف کعبہ سے زیادہ اللہ

کومحبوب ہے بلکہ سترحج مقبولہ اور عمرہ سے افضل ہے علماء کی دوات کی سیاہی شہیدوں کے لہو سے افضل ہے۔

آپ یہ احادیث بھی پڑھتے جائیں اور خود سوچتے جائیں کہ کیا علماء کے یہ فضائل غلو نہیں ہیں؟

لیکن یہ نہ سوچیں کہ میں ان احادیث کی نعوذ باللہ تکذیب کر رہا ہوں یہ احادیثِ معصومین علیہم الصلوات والسلام کے فرمودات ہیں میں ان سے نہ ہی انکار کرسکتا ہوں اور نہ ان میں چوں وچرا کی گنجائش ہے میں تو صرف علماء کے دہرے رویے کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ انہیں کسی بھی شخص کی کسی فضیلت سے کبھی انکار نہیں رہا اگراس میں کسی نہ کسی طرح ان کی فضیلت کا پہلو بھی نکلتا ہو ۔

فضائلِ علماء میں سے چند اور بھی دیکھ لیں۔

☆قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ساعة من عالم یتکی علیٰ فراش ینظرفی علم خیر من عبادة العابدین سبعین عاما

عالم کا ایک لمحے کا علمی تفکر عبادت کرنے والوں کی ستر سال کی عبادت سے افضل ہے ابوذر سلام اللہ علیہ نے عرض کی عابد کے جنازے میں شرکت افضل ہے یا عالم کی مجلس میں بیٹھنا؟ قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم، فرمایا علماء کے ساتھ مذاکرہ علم میں ایک ساعت بیٹھنا ہزار شہداء کے جنازہ سے ہزار رات کے قیام سے کہ جس میں ایک ہزار رکعت ادا کی گئی ہو ہزار غزوات میں شرکت سے بارہ ہزار ختمِ قرآن سے افضل ہے۔

☆من خرج من بیته لیلتمس بابا من العلم کتب الله له بکل قدم ثواب من الانبیا واعطاه الله بکل حرف یستمع او یکتب مدینة فی الجنة

فرمایا جو شخص علم دین کے حصول کے لئے گھر سے نکلتا ہے تا کہ وہ ایک باب علم کا حاصل کر لے تو اسے ہر قدم پہ ایک نبی کا اجر عطا ہوتا ہے۔
دیکھئے ابھی اس نے حاصل کچھ نہیں کیا ابھی جاہل ہے مگر اسے ہر قدم پہ ایک نبی کا اجر دیا جا رہا ہے کیا یہ غلو نہیں ہے کہ ایک جاہل ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء سے بڑھ رہا ہے مگر اس میں شک کرنا جائز بھی نہیں ہے کیونکہ مالکِ کل حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمادیا ہے ہاں اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کے پاس جانے کی یہ فضیلت ہے وہ خود کیسا ہوگا؟ اور اسی سے یہ بھی سوچ لیں کہ یہ ایک امتی ہے تھوڑا سا علم رکھتا ہے اور وہ بھی ناقص علم کا حامل ہے مگر اتنا صاحبِ فضل ہے تو حامل علم الٰہی ذوات علیہ الصلوات والسلام کا کیا مرتبہ ہوگا؟ ستم ظریفی یہ ہے اب اسی پہ جھگڑا شروع ہے کہ پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے فضائل بیان کرنا غلو ہے۔
چند اور احادیث بھی دیکھ لیں
☆النظر الیٰ وجه العالم خیرلك من عتق الف رقبه
عالم کے چہرے پہ نظر کرنا ایک ہزار غلام آزاد کرنے سے بہتر ہے۔
☆من خرج من بیته لیلتمس بابامن العلم کتب الله له بکل قدم ثواب الف شهیدمن شهدا بدر و طالب العلم حبیب الله
جو شخص ایک باب علم کا حاصل کرنے کو گھر سے نکلتا ہے اسے ہر قدم پہ ایک ہزار شہید کا اجر عطا ہوتا ہے عام شہید نہیں بدر کے شہداء جیسا اجر ملے گا اور فرمایا طالب علم اللہ کا حبیب ہوتا ہے اب خود سوچیں اللہ کا حبیب کس کا لقب ہے؟
یہاں بھی وہی بات ہے ابھی اس نے علم میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا مگر شہدائے

بدر جیسے ایک ہزار شہید کا اجر مل رہا ہے کیا یہ غلو نہیں ہے؟

اسی طرح ہے کہ طالب علم دنیا سے نہیں جاتا مگر اسی دنیا میں کوثر پی لیتا ہے ثمراۃِ جنت کھا لیتا ہے اور قبر میں اسے کیڑے نہیں کھاتے۔

☆ قال صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم انی افتخریوم القیامة بعلماامتی لسائرالانبیاء

فرمایا کل روزِ قیامت ہم اپنی امت کے علماء پہ سارے انبیاء ماسلف کے مقابلے میں فخر کریں گے۔

☆ حبھم اخلاص و بغضھم نفاق الا و من اھان عالماً فقداھاننی و من اھاننی اھان الله

علماء کے بارے میں فرمایا کہ علماء کی محبت خلوص فی اللہ ہے اور ان کا بغض منافقت ہے اور جو علماء کی اہانت کرے گویا اس نے ہمارے (دشمنوں) کی توہین کی ہے اور عالم کی توہین گویا اللہ کی ......

☆ومن اکرم عالماً فقد اکرمنی ومن اکرمنی اکرم الله

جس نے علماء کا احترام کیا گویا اس نے ہمارا احترام کیا ہے اور جس نے ہمارا احترام کیا اس نے گویا اللہ کا احترام کیا ہے۔

عالم کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔

جس نے عالم کے پیچھے نماز ادا کی اس نے میرے اور ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے نماز ادا کی ہے۔

☆مجلس العلما روضة من ریاض الجنة

علماء کی مجلس و محفل جنت کے باغات میں سے ایک باغ ہے امام کے قبہ مبارک کے

متعلق حدیث تھی کہ یہ روضۃ من ریاض الجنہ ہے اس پہ بھی اعتراض ہوئے مگر عالم کی محفل پہ کسی نے اعتراض نہیں کیا آپ خود دیکھیں کیا یہ غلو نہیں ہے؟

بات یہ ہے کہ ساری دنیا کے فضائل بیان کرتے جاؤ کسی مولوی صاحب کو اعتراض نہ ہوگا کیونکہ وہ خود کو عالم سمجھ کر اپنے فضائل ہی سمجھے گا اور اس کی صداقت پہ کوئی شک بھی نہ کرے گا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ جہاں علماء کی تعریف ہوئی ہے وہاں ان کی مذمت بھی صادر ہوئی مگر وہ مذمت دوسرے کی اور فضیلت اپنی سمجھتا ہے اور اسی بات سے ان کی بدنیتی ثابت ہوتی ہے کہ علماء کے فضائل سے انہیں خوشی ہوتی ہے مگر پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے فضائل کے معاملے میں انہیں اپنی توہین نظر آتی ہے جیسا کہ ثقیفہ والوں کو نظر آتی تھی اس لئے انہیں ان کی ذات سے دشمنی ہے۔

جب پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کا موازنہ انبیاء ماسلف علیہم السلام سے کیا جاتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں نبوت نبوت ہے اور ثابت کرتے ہیں کہ نبوت کو امامت پر فضیلت حاصل ہے اور اسے اعلیٰ عہدہ ثابت کیا جاتا ہے اور اس سے استنباط کرکے آئمہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کو انبیاء علیہم السلام سے کم تر ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی جاتی ہے پھر جب علماء سے ان کا موازنہ کیا جاتا ہے تو حدیث پیش کی جاتی ہے کہ

☆علماء امتی افضل من انبیاء بنی اسرئیل

میری امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل سے افضل ہیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ جملہ انبیاء ماسلف علیہم السلام میں سب سے افضل انبیائے بنی اسرائیل ہیں۔

یعنی ان علماء کا رویہ بتاتا ہے انہیں صرف اور صرف محمد وآل محمد علیہم الصلوات والسلام ہی سے دشمنی ہے جیسا کہ ایک مولوی صاحب تقریر میں رو رو کر فرما رہے تھے کہ منبروں

پر صرف فضائل محمد وآل محمد علیھم الصلوات والسلام بیان کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ جو ان کا خالق ہے اس کا ذکر تک کوئی نہیں کرتا ہم جب اس بات کا تجزیہ کرتے ہیں تو امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا فقرہ دہرانا پڑتا ہے

☆كلمة حقٍ يراد بها الباطل

معاویہ کی طرح حق بات کو برے ارادوں سے پیش کرتے ہیں انہیں اللہ سے اتنی محبت نہیں جتنی انہیں پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام سے عداوت ہے علماء کے بارے میں تو فقہاء نے یہاں تک فتویٰ دے رکھا ہے کہ جو عالم کو ''عویلم'' لکھ دے یا کہہ دے وہ کافر ہے یعنی جو مولوی کو ''ملونٹا'' کہہ دے وہ کافر ہے مگر پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے بارے جیسی بھی زبان استعمال کرے مسلمان ہے، یہ دُہرا معیار کیوں ہے؟ کیا ان کی عظمت وفضیلت مسجد کے مولوی کے برابر بھی نہیں ہے؟

انہی باتوں کو دیکھتے ہوئے میں اپنے بھائیوں کے دلوں سے ان کے حربوں کے خوف کو ختم کرنے کے لئے یہ بھی بیان کر دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ احادیثِ تفویض وغلو کی حقیقت کیا ہے۔

جس دور میں میں ارتقائے عقائد پر ریسرچ کر رہا تھا تو تحقیق کے بعد یہ بات میرے سامنے آئی کہ جو عقائد آج ہمارے سامنے ایک مسلمہ حقیقت بن چکے ہیں انہیں اس آخری شکل تک آنے میں بیس عدد سیڑھیوں (مدارج) سے گزر کر آنا پڑا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالمِ اسلام کے عقائد کو بیس مدارج سے گزرنا پڑتا ہے تب انہیں آخری شکل ملتی ہے

اس کی تفصیل ارتقاء عقائد کے موضوع پہ میری کتاب میں دیکھیں۔

یہاں یہ عرض کرنا ہے کہ ناواقفیت سے لے کر مخلص و دانا دوستوں تک ایک سلسلہء نظریات پھیلا ہوا ہے جب ہم عالمِ اسلام میں ان فرقوں اور مسالک پر نظر کرتے ہیں کہ جو دائرہ ءاسلام میں پیدا ہوئے اور پھر فنا بھی ہوگئے اور ساتھ ہی کسی نہ کسی شکل میں ان کے نظریات کی ایک جھلک اسلام میں آج بھی کہیں کہیں نظر آجاتی ہے ان مسالک اور فرقوں میں سے پندرہ ایسے فرقے عالم وجود میں آئے تھے کہ جنہیں ان کے زمانے کے مسلمانوں نے غالی وغلاۃ یامفوضہ کا نام دیا۔

ان پندرہ فرقوں کی اور بھی بہت سی شاخیں وجود میں آئیں لیکن جب ان کے جزوی اختلافات کوان کے نظریات سے نکالا جائے تو بنیادی طور پران کے چھ فرقے بنتے ہیں یعنی غلاۃ ومفوضہ کے نظریاتی طور پر بنیادی چھ فرقے ہیں۔

جب ہم ان احادیث کا بغور جائزہ لیتے ہیں کہ جوتردید وتکذیبِ غلاۃ ومفوضہ میں وارد ہوئے ہیں ان کے اقسام کی تعداد بھی چھ بنتی ہےاس لئے میں اس کی تھوڑی سی جھلک آپ کو بھی دکھادوں۔

(1) غلاۃ کی پہلی قسم

جو بزداری قبائل اوراکراد(کرد)اوران کے ہم مزاج قبائل مسلمان ہوئے تھے وہ تلوار کے خوف سےاوراقتدار کے لالچ میں مسلمان تو ہوگئے تھےلیکن ان کے عقائدونظریات میں صرف لیبل کی تبدیلی ہوئی تھی بیسک ان کے وہی سابقہ عقائد ہی رہے تھے مثلاً اسلام کا لیبل لگانے سے پہلے ان کا جو مذہب تھااس میں دوخداؤں کا تصورموجود تھا ان کا ایک خدا آسمان کا خدا تھادوسرا زمین کا اوران دونوں خداؤں میں اختلاف تھا

یعنی دونوں ایک دوسرے کے دشمن تھے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے در پئے تھے جب وہ مسلمان ہوئے تو ان میں یہ عقیدہ باقی رہا۔

جیسا کہ فرقہ ء یزیدیہ اکراد کے آج بھی یہی عقائد ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ کائنات کے دو خدا تھے انہوں نے ملکر یہ کائنات بنائی تھی یہ کائنات ان دونوں کی مشترکہ تخلیق ہے ان میں سے ایک خدا اللہ تھا اور دوسرا ملک الطاؤس (شیطان) تھا۔

ان دونوں خداؤں کا درجہ برابر تھا آسمانوں پر ان دونوں کی عبادت ہوا کرتی تھی آخرایک دن (نعوذ باللہ) اللہ کی نیت خراب ہوگئی اور اس نے آدم کو بنا ڈالا اور اپنے شریک خدا کو نیچا دکھانے کے لئے اس نے آدم کی فضیلت بیان کی اور ملک الطاؤس خدا (شیطان) سے کہا کہ تم اس کا سجدہ کرو یہ سن کر ملک الطاوس خدا اللہ کی سازش کو سمجھ گیا اور اس نے کہا پہلے تم اسے سجدہ کرو میں بعد میں اسے سجدہ کرونگا۔

جب یہ اختلاف بڑھ گیا تو اللہ نے آدم کو اپنے ساتھ ملا لیا اور ملک الطاؤس خدا کے خلاف سازباز کر کے اسے آسمان سے نکال دیا مجبوراً یہ مظلوم خدا زمین پر آ گیا وہ کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے ہمیں نعوذ باللہ اُس ظالم خدا کی عبادت نہیں کرنا چاہیے بلکہ اِس مظلوم خدا (ابلیس) کی عبادت کرنا چاہیے اسی نظریے کے پیشِ نظر وہ لوگ شیطان کی مورتی بناتے تھے اور اس کی پوجا کیا کرتے تھے کیونکہ شیطان عربی میں سانپ کو بھی کہتے ہیں اس لئے اس کی مورتی کی شکل سانپ کی ہوا کرتی تھی لیکن ان کا ملک الطاؤس کا نظریہ ہندو کے ناگ دیوتا کے تصور سے بہت مختلف تھا۔

معاویہ کے دور میں ان لوگوں نے اسلام کا لیبل لگایا اور مسلمان شمار ہونے لگے مگر ان میں پہلے عقائد کا رنگ باقی رہا سن 60 ہجری میں یزید ملعون برسرِ اقتدار آیا تو

اس نے ان کے قبیلے کے ایک مذہبی عالم کو بلایا جس کا نام تھا عدی بن مظفر جو اس وقت دمشق میں رہتا تھا اور دمشقی مشہور تھا اسے یزید ملعون نے اپنے دربار میں کرسی دی اور اسے کردوں کے عقائد میں تبدیلی لانے پر مامور کیا اس نے قومِ اکراد میں جا کر ایک نئے عقیدے کی تعلیم شروع کی اور انہیں یقین دلایا کہ ملک الطاؤس (شیطان) نے یزید ملعون میں حلول کر لیا ہے لہٰذہ اب شیطان کی مورتی کے بجائے یزید ملعون کی مورتی بناؤ اور اس کی پوجا کرو اور اس نے یزید ملعون کے پیدا ہونے کی تاریخ یعنی پندرہ ربیع الاول کو ایک عید مقرر کی اور دوسری عید اس نے روزِ عاشور کو مقرر کی یہ قبیلہ اس عقیدے پر چل نکلا اور جب عدی بن مظفر دمشقی فی النار ہوا تو اس قبیلے نے اس کی قبر مقام عین السفنی پہ بنائی اور پھر اس کا ایک مقبرہ بنایا گیا۔

ماضی قریب تک تو یہ قبیلہ مقامِ عین السفنی پر اس ملعون کے مقبرے پر حج کیا کرتا تھا اور روزِ عاشور عید بھی کیا کرتا تھا جو آج بھی بعض دیگر مسلمان فرقوں میں منائی جاتی ہے ان لوگوں میں سے آگے آ کر اسلام میں اس عقیدے کو داخل کرنے کی کوشش کی اور اس سابقہ عقیدے کی ایک نئی شکل مسلمانوں میں متعارف کروائی اور وہ عقیدہ مقبول بھی ہونے لگا تھا۔

یہ سن 138 ہجری کی بات ہے کہ اس فرقے کو ابوشا کر دیصانی نے از سرِ نو تشکیل دیا اور پھر سے منظّم کیا اور اسے باضابطہ طور پر ایک جماعت کی حیثیت سے عوام کے سامنے کھڑا کر دیا اور اپنے عقائد کا پرچار شروع کیا اور یہ عقائد پیش کیئے۔

زمین و آسمان کے دو علیحدہ علیحدہ خدا ہیں، آسمانوں کا خدا اللہ عزوجل ہے اور زمین کے خدا حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہیں اس کے ثبوت کے لئے اس نے سورۃ

زخرف کی یہ آیت پیش کی

☆هوالذی فی السماء اِلٰه وفی الارض اِلٰه

یعنی وہی تو ہے جو آسمان میں اللہ ہے اور زمین میں اللہ ہے

اس کے ساتھ اس نے یہ بھی تصور دیا کہ ان دونوں خداؤں میں اختلاف ہے اور پارٹی بازی ہے لہٰذہ ہمیں اپنی زمین کے خدا کی پارٹی کو مضبوط کرنا چاہیے اور ہم پر زمین کے خدا کی اطاعت وعبادت واجب ہے اور اس کی محبت میں آسمانی خدا کو نعوذ باللہ گالیاں دینا اور سب کرنا واجب ہے۔

اس کے ساتھ اس نے شیعت کو ہمنوا بنانے کے لئے یہ بھی عقیدہ دیا کہ جناب پاک عمران علیہ الصلوات والسلام کی ساری اولاد پاک اہل بیت میں شامل ہے اس بات کی وجہ سے اس کے مسلک کو شیعوں میں لکھا جانے لگا۔

اسی کے ساتھ اس نے اہلِ تصوف میں نفوذ کے لئے اور انہیں اپنا ہمنوا بنانے کے لئے یہ عقیدہ بھی دیا کہ جناب سلمان فارسی اور جناب ابوذر غفاری اور عمار یاسر بھی اپنی اولاد کے ساتھ اہل البیت میں شامل ہیں کیونکہ اس وقت کے سلسلہ ہائے تصوف میں ان افراد کی بہت قدر تھی اس لئے انہیں بھی ایک مقام دیا گیا تاکہ وہ لوگ بھی اس میں شامل ہو جائیں۔

اس دور میں ساداتِ حسنی اور بنی عباس ملکر بنی امیہ کے خلاف تحریک چلا رہے تھے اور یہ تحریک تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی تھی اس لئے ان کی مقبولیت کے پیش نظر اس میں یہ عقیدہ بھی شامل کیا گیا کہ عبداللہ بن عباس بھی اہل البیت میں شامل ہے۔

ایک بات جو ان کی سمجھ میں آئی وہ یہ تھی امام حسین علیہ الصلوات والسلام کی مظلومیت کو

سیاسی اشو کے طور پر بنی عباس اور اولاد امام حسن علیہ الصلوات والسلام استعمال کر کے اقتدار لینا چاہتے تھے اس لئے دیصانی کے پاس کوئی مقبولِ عام سیاسی اشو نہ تھا اس لئے انہوں نے ایک نیا راستہ نکالا اور یہ بھی عقائد میں پیش کیا کہ جملہ اہل البیت میں سے جناب عقیل علیہ الصلوات والسلام کی اولاد افضل ہے کیونکہ انہوں نے کبھی بھی خواہش اقتدار نہیں کی اس طرح وہ اس دلیل کی بنیاد پر مناظرے بھی کرنے لگے۔

اور نوبت بہ اینجار سید کہ ابوشاکر دیصانی نے امام جناب جعفر الصادق علیہ الصلوات والسلام کو مناظرے کا چیلنج کیا اور مناظرے کے موضوعات میں پہلا اشو تھا ''دوخدا'' اس پر امام علیہ الصلوات والسلام نے اس سے سوال کیا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے عرض کی ابوشاکر، یہ سن کر فرمایا تمہارا نام مکہ میں کیا ہے؟ اس نے عرض کی ابوشاکر، اس کے بعد فرمایا تمہارا نام مدینہ میں کیا ہے؟ اس نے عرض کی ابوشاکر، یہ سن کر فرمایا کہ ذات چاہے ہزاروں مقامات پر چلی جائے ذات تو کجا نام بھی نہیں بدلتا۔

اس کے بعد فرمایا تم لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو زمین کا خدا بنایا ہے یہ انہیں اپنے مقام سے بلند کرنے کے مترادف ہے اور انہیں اللہ کا شریک بنانا اور اس کا حریف بنانا ظلم در ظلم ہے اس کے بعد فرمایا۔

☆ لاترفعوافوق حقی فان الله تبارك وتعالیٰ اتخذنی عبداً قبل ان یتخنذنی نبیاً

تم ہمیں ہمارے حق سے اوپر مت لے جاؤ اللہ عزوجل نے ہمیں پہلے اپنا عبد بنایا ہے پھر ہمیں نبی قرار دیا ہے۔

غلاۃ (غالیوں) کی پہلی قسم یہ تھی جن کی تردید و تکذیب فرمائی گئی اس قسم کے جتنے

فرقے تھے ان کے عقائد یہی تھے یعنی وہ امامت آئمہ ہدیٰ علیھم الصلوات والسلام قائل بھی نہیں تھے۔

اللہ اور رسول میں تفریق ڈالتے تھے بلکہ انہیں ایک دوسرے کا حریف بتاتے تھے اولادِ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام پر اولاد جناب عقیل علیہ الصلوات والسلام کو فضیلت دیتے تھے۔

اس لئے ایسے احادیث تردید وتکذیب جو مندرجہ بالا انداز میں وارد ہوئے ہیں ان کا بھی تعلق ہمارے عقائد کے ساتھ نہیں ہے اس لئے انہیں کسی شیعہ پر منطبق کرنا سراسر زیادتی ہے۔

(2) غلاۃ...... غالیوں کی دوسری قسم

ایسے فرقوں اور مسالک کا آغاز امام محمد باقر علیہ الصلوات والسلام کے دور میں ہوا اور ان کی نشو ونما بنی عباس کے دور میں ہوئی جیسا کہ غالیوں کا ایک فرقہ تھا ''شریعہ'' شریعہ فرقے کا بانی شریع بن نفاس تھا اس نے اپنے عقائد کو اس طرح بیان کیا کائنات کے مدبر پانچ ہیں۔

نمبر 1 شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

نمبر 2 امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام

نمبر 3 جناب جعفر طیار علیہ الصلوات والسلام

نمبر 4 جناب عقیل علیہ الصلوات والسلام

نمبر 5 عبداللہ بن عباس

اس نے کہا ازل میں اللہ نے سب سے پہلے ان پانچ کو پیدا کیا پھر ان میں اللہ نے حلول فرمایا (حلول اس طرح ہوتا ہے جیسے کسی آدمی میں ''جنات'' حلول کر کے اپنی مرضی پر استعمال کرتے ہیں) پھر انہوں نے کائنات بنائی یہ پانچ اللہ کے برابر کے شریک ہیں۔

اور خصوصاً جو عبداللہ بن عباس کو خدا نہ مانے وہ کافر ہے اس کا خون معاف ہے اس کی آبروریزی حلال ہے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ امامت کا سلسلہ اولادِ ابن عباس میں جاری رہے گا ان کے غیر میں امامت کو ماننے والا کافر ہے اور قیامت تک امامت عباسیوں ہی میں قائم ہوتی رہے گی اور یہ پانچ بذات خود معبود تھے اور وہ جو عبادت کا ڈرامہ کرتے تھے گناہ کرتے تھے۔

اس قسم کے عقائد کے حامل کئی مسالک پیدا ہوئے ان کے بارے میں امام جعفر الصادق علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا

☆ لعن الله من ازا لناعن عبودية الله الذی خلقنا واليه مآبنا و معادنا و بيده نواصينا

اللہ اس پر لعنت کرے جو ہمیں اس اللہ کے مقابلے میں معبود قرار دے کہ جس نے ہمیں خلق فرمایا اور وہی ہمارا مآب ہے اور اسی کے طرف ہم نے جانا ہے اور اس کے ہاتھ میں ہماری پیشانیاں ہیں یعنی ہمارے جملہ اختیارات اسی کے ہاتھ میں ہیں ان لوگوں نے اللہ کے حلول کا نظریہ دیا کہ جنات کی طرح اللہ بھی انسان میں آجاتا ہے پھر پاک خاندان علیھم الصلوات والسلام کے غیروں میں امامت کو تا قیامت ثابت کیا

اور اللہ کے اختیارات غیر میں ثابت کیئے تو ان پر لعنت وارد ہوئی مگر ان عقائد میں سے کون سا عقیدہ ہے جو آج شیعوں میں رائج ہے؟ وہ تو صرف مظہرِ توحید اور وسیلہ مانتے ہیں پھر غلو کیسا؟ لہٰذہ ایسے احادیث کا بھی ہم سے کوئی تعلق نہیں۔

کیونکہ جب ایسے عقائد کسی شیعہ کے ہیں ہی نہیں تو فتویٰ کیسا، جرم ہی ثابت نہیں تو سزا کیسی؟ ہاں اگر کسی شخص کا آج یہ عقیدہ ہے تو یہ اس کا انفرادی عقیدہ ہے، عرفاء فقراء اور عامی شیعہ اس عقیدے سے بری ہیں۔

(3) غالیوں کی تیسری قسم

یہ قسم کئی مسالک وفرقوں پر مبنی ہے مگر ان کی دو مرکزی شاخیں ہیں جن میں ان سب کے عقائد آ جاتے ہیں انہیں بھی شیعہ غالیوں کی فہرست میں شامل کیا جاتا ہے

ان کے دو فرقے بڑے مشہور ہیں ایک ''رزامیہ'' دوسرا ''راوندیہ''

رزامیہ کا یہ عقیدہ تھا کہ پانچ افراد میں اللہ نے حلول فرمایا ہے

نمبر 1 ......ابو ہاشم عباسی جو جناب محمد حنفیہ علیہم الصلوات والسلام کا لے پالک (اڈاپٹڈ سن) تھا

نمبر 2 ......عبداللہ بن عباس

نمبر 3 ......سفاح عباسی جو بنی عباس کا پہلا خلیفہ تھا

نمبر 4 ......منصور دوانقی جو ظالم ترین آدمی تھا کہ جس نے سادات کے خون کی ہولی کھیلی تھی۔

نمبر 5 ......ابو مسلم مزوری جو بنی عباس کا ایرانی چمچہ تھا

وہ کہتا تھا کہ یہی پانچ مخلوقِ اول ہیں اور انہی میں اللہ نے حلول فرمایا اور انہی نے کائنات بنائی ہے۔
ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ عبداللہ ابن عباس کی ساری اولاد امامِ برحق ہے یعنی ہر بر و فاجر جو بھی اس کی اولاد میں سے ہے وہ منصوص من اللہ امام ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔
اسی طرح راوندیہ کے عقائد تھے وہ کہتے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اللہ نے حلول فرمایا ہوا تھا۔
منصور دوانقی عباسی ملعون مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے اس کا سجدہ سجدہء آدم کی طرح اس امت پر واجب ہے اور اس فرقہ کے بانی حرب بن عبداللہ کندی کے جسم میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی روح نے حلول فرمایا ہوا ہے اور یہی مسیحِ موعود ہے نعوذ باللہ۔
فضل بن یسار نے ان فرقوں کے عقائد کا ذکر جب امام صادق علیہ الصلوات والسلام کی بارگاہِ عالیہ میں کیا تو آپ نے فرمایا۔

☆احذروا علیٰ شبابکم الغلاۃ لا یفسدواھم فان الغلاۃ شرخلق اللہ یصغرون عظمۃ اللہ ویدّعون الربوبیۃ لعباداللہ واللہ انّ الغلاۃ لشر من الیھود والنصاریٰ والمجوس والذین اشرکوا

فرمایا ایسے بدبختوں کی صحبت سے اپنے جوانوں کو بچاؤ ورنہ وہ انہیں فاسد عقائد میں مبتلا کر دیں گے یقیناً غلاۃ جو ہیں ساری مخلوق میں سے شریر ترین لوگ ہیں انہوں نے اللہ کی عظمت پہ ڈاکہ ڈالا ہے اور مخلوق الٰہی کی ربوبیت کی طرف بلایا ہے یہ لوگ یہود و نصاریٰ اور مجوس سے بھی زیادہ شریر ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے شرک کو

اپنایا ہے۔

اب ان لوگوں کے عقائد تو آپ نے دیکھ لئے ہیں اب موازنہ کر کے بتائیں کہ کس شیعہ کے اس دور میں یہی عقائد ہیں؟ جب یہ عقائد کسی میں نہیں پائے جاتے تو پھران پر غالی ہونے کا الزام اور تہمت لگانا کہاں جائز ہے؟

(4) غالیوں کی چوتھی قسم

انفرادی طور پر تو یہ عقائد شاید بہت سے لوگوں کے رہے ہونگے مگر جماعتی طور پر یہ چار فرقوں میں ظاہر ہوئے یہ چاروں فرقے حلولی تھے یعنی حلول الٰہی کے قائل تھے پہلا فرقہ جو بنا اس کا بانی ہی ایسی شخصیت ہے جس کا تاریخ میں کوئی وجود ہے ہی نہیں اور ایک ناموجود شخص کے نام پر ایک فرقہ وجود میں آیا یعنی ''سبائیہ فرقہ''

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ فرقہ بھی اپنے بانی کی طرح مفروضہ ہوگا اور شیعوں کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہی ہوگی اور اس کی طرف منسوبہ عقائد کو شیعوں کے عقائد بتا کر انہیں بدنام کیا گیا ہوگا لیکن تاریخ میں ان تھوپے ہوئے عقائد کا حامل ایک مسلک ضرور گزرا ہے اس لئے ان کے فرقے کو عبداللہ بن سبا کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے مگر اس نام کا اس دور میں کوئی شخص تھا ہی نہیں مگر فرقہ بن گیا جس کے عقائد یہ تھے۔

صرف امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام میں اللہ نے حلول فرمایا اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ساری امت سے افضل ہیں یہ علمِ غیب رکھتے ہیں مردے زندہ فرماتے ہیں ان کی محبت جزوِ ایمان ہے۔

دوسرا فرقہ تھا ''کاملیہ'' کا جو ابو کامل بن رؤس کے نام سے مشہور ہوا یہ فرقہ کہتا تھا کہ کوئی نبی نبی نہیں ہوسکتا جب تک اللہ اس میں حلول نہ فرمائے اور کوئی امام امام نہیں ہوسکتا جب تک اس میں اللہ حلول نہ فرمائے۔

امام و نبی کے لئے مسلمان ہونا شرط نہیں بلکہ روح الٰہی کا حلول ہی شرط ہے اور روح الٰہی کے لئے ضروری نہیں کہ وہ صرف مسلمان شخص ہی میں حلول فرمائے بلکہ وہ کسی بھی شخص میں حلول فرما سکتی ہے اگر وہ شخص جس میں روحِ الٰہی حلول کرے اپنی امامت یا نبوت تسلیم نہ کروا سکے تو اس میں روح الٰہی نہیں رہتی بلکہ کسی دوسرے میں گھس جاتی ہے جیسا کہ امام حسن علیہ الصلوات والسلام جب اپنی امامت تسلیم نہ کروا سکے تو روحِ الٰہی امام حسین علیہ الصلوات والسلام میں داخل ہوگئی اس لئے اس فرقے کے لوگ امام حسن علیہ الصلوات والسلام کو امام نہیں مانتے تھے۔

وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جن لوگوں نے جناب امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کی امامت کا قیام نہیں ہونے دیا وہ کافر ہیں اور یہ بکواس بھی کرتے تھے کہ جناب امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے جو خاموشی اختیار فرمائی ہے اس کی وجہ سے نعوذ باللہ انہی کی صف میں شامل ہیں اس وجہ سے اس فرقے کے لوگ ان کے خلاف زبان کھولتے تھے (خدا جملہ زبان کھولنے والوں پر لعنت کرے)

ان میں سے تیسرا فرقہ تھا ''شریعیہ'' کا یہ عبداللہ ابن عباس میں حلولِ روحِ الٰہی کے قائل تھے اور رخلیفہء بنی عباس میں حلولِ روح الٰہی کے بھی قائل تھے۔

ان میں سے ایک فرقہ تھا ''مفوضہ'' جہاں بھی مفوضہ کا ذکر ہوتا ہے اسی فرقے کا ذکر ہوتا ہے اور اسی مسلک کے لوگوں سے علمائے کرام حدیث تک نہ لیتے تھے ان کا یہ

عقیدہ تھا کہ اللہ نے شہنشاہ انبیا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم میں اور جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام میں حلول فرمایا تھا اور حلول فرمانے کے بعد اس کی ذات خود معطل ہوگئی اس طرح سارا نظامِ کائنات ان کے سپرد فرما دیا اور یہ بوجہِ حلولِ الٰہی ناظمِ کائنات ہیں ان کا ایک عقیدہ یہ بھی تھا کہ جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام بادلوں میں اکثر دنیا کی سیر کرتے ہیں اس لئے بادلوں کو سجدہ کرنا واجب ہے۔

جب بادل گرجتا ہے تو رعد میں وہی آواز دیتے ہیں اسی عقیدے کی وجہ سے وہ جب بھی بادل کی گرج سنتے تھے تو سجدے میں سر رکھ کر نعرہ مارتے تھے یا امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام

وہ لوگ کہتے تھے کہ سلسلہء امامت اولادِ امام حسن علیہ الصلوات والسلام میں جاری ہے اس لئے وہ امام حسن علیہ الصلوات والسلام کے بعد کے جملہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کو امام نہیں مانتے تھے حتیٰ کہ امام حسین علیہ الصلوات والسلام کی امامت کے بھی منکر تھے۔

ان کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ خلفائے راشدین خلیفہء برحق تھے

اور وہ اپنے اماموں کو جو اولادِ امام حسن علیہ الصلوات والسلام میں سے تھے حجت اللہ کہتے تھے اور انہیں خالق و رازق و محی و ممیت مانتے تھے اس لئے کئی احادیث میں انہیں کافر و مشرک قرار دیا گیا ہے مثلاً

☆ قال علیہ السلام من زعم ان اللہ عز و جل فوض امرا الخلق و الرزق اِلیٰ حججہٖ فقد قال بالتفویض والقائل بالجبر کافر والقائل بالتفویض مشرک

فرمایا جو یہ زعمِ باطل رکھتا ہے کہ ان کے حجتوں کو اللہ نے اپنے سارے امور تفویض

کردئے ہیں خالق بھی وہی ہیں ،رازق بھی وہی ہیں یہ تفویض کے قائل ہیں اورتفویض کے قائلین مشرک اور مجبرہ کافر ہیں۔

اس دور میں ایک فرقہ تھا جو ''مجبرہ'' کہلاتا تھا وہ کہتے تھے انسان مجبورمحض ہے سارے کام اس سے اللہ کرواتا ہے اور مفوضہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ نے انسان کو سارے اختیارات تفویض کردیئے ہیں اس پر امام صادق علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا نہ جبر درست ہے نہ تفویض معاملہ ان دونوں کے بین بین ہے انہی دوفرقوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ مجبرہ کافر ہیں اور مفوضہ مشرک ہیں۔

(5) غالیوں کی پانچویں قسم

یہ پانچویں قسم وہ ہے کہ جنہوں نے ابنیت کا تصور عقائد میں رائج کیا یعنی اللہ کے بیٹے بنائے یہ تین فرقے تھے ویسے تو زیادہ تھے مشہور تین ہوئے۔

ان میں پہلا فرقہ وہ تھا جس نے ایک صحیح العقیدہ شخص کا اپنے اوپر لیبل لگایا تاکہ مخلوق کو دھوکہ دیا جاسکے کیونکہ وہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کے خواص میں سے تھا یعنی جناب مفضل ابن عمرو صیرفی کے نام پہ ایک فرقہ بنایا گیا جس کا نام ''مفضلہ'' رکھا گیا یہ بھی ایک طرح سے انہیں اور شیعت کو بدنام کرنے کی سازش تھی۔

اس فرقے کے عقائد یہ تھے

اللہ نے جناب پاک عمران علیہ الصلوات والسلام میں حلول فرمایا اس طرح امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام اللہ کے بلاواسطہ بیٹے ہیں جس طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت میں جناب جبرائیل علیہ السلام ایک وسیلہء پیدائش تھے اسی طرح جناب پاک عمران

علیہ الصلوات والسلام بھی ایک وسیلہء ولادت کے سوا کچھ نہ تھے اور اس طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام اور جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کا رتبہ برابر ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے افضل ہیں اور انہیں نبوت دینے والے بھی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ہی تھے۔

قرآن میں جہاں بھی اللہ کی اولاد کی نفی کی گئی ہے یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ آنحضرت نے اسے اپنی طرف سے کلام الٰہی میں داخل فرما دیا ہے نعوذ باللہ یہ ان کی خیانت ہے اور سورۃ اخلاص قرآن کا حصہ ہی نہیں ہے کیونکہ اس میں اولادِ الٰہی کی نفی کی گئی ہے۔

دوسرا فرقہ تھا ''علیاویہ''

ان کا عقیدہ تھا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ابن اللہ ہیں یعنی اللہ کے بیٹے ہیں مصلحتاً اس دنیا میں انسانی روپ دھار کر تشریف لائے ہیں کیونکہ جناب پاک عمران علیہ الصلوات والسلام میں اللہ نے حلول کیا اور وہ ان کے وسیلہء پیدائش بنے معظّمہ کائنات صلوات اللہ علیہا اور پاک حسنین شریفین علیہما الصلوات والسلام یہ تین ایک حقیقت کے تین روپ ہیں یہاں آکر اس مسلک نے عیسائیت کی تثلیث کو اسلام میں داخل کر دیا اس کے علاوہ وہ کہتے تھے کہ اس پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام میں سے صرف پانچ ذوات ہی پاک ہیں یہاں شیعہ کا پنجتن پاک والا نظریہ بھی شامل کرلیا اسی طرح ان کا کہنا تھا کہ بروزِ قیامت ان پانچ ذوات کی علیحدہ علیحدہ عدالتیں لگیں گی۔

تیسرا فرقہ تھا ''سریغیہ''

ان کا عقیدہ یہ تھا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام اللہ کے بیٹے تو ہیں مگر اس میں اللہ نے کسی کو وسیلہء پیدائش نہیں بنایا بلکہ یہ بلا واسطہ اللہ کے بیٹے ہیں اس طرح جناب

عیسیٰ علیہ السلام اوران کا مرتبہ برابر ہے اور یہ بھی کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نبوت بھی امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے عطا فرمائی ہے۔

چوتھا فرقہ تھا ''منصوریہ''

اس کا بانی ابومنصور عجلی تھا ان کا کہنا تھا کہ اللہ نے سب سے پہلے جناب عیسیٰ علیہ السلام اور امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کو پیدا کیا یہ اللہ کے بیٹے ہیں پھر اس نے کائنات کی تخلیق کا ارادہ کیا تو انہیں اس کی ڈیوٹی بخشی انہوں نے کائنات کو خلق فرمایا پھر اللہ نے باقی ہر چیز کو ان دونوں کے نور سے خلق فرمایا۔

جب یہ پاک دنیا میں آئے تو اللہ نے جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر بھیجا کہ جا کر امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کو نبی کا درجہ دے دے مگر اس نے وحی کے پہنچانے میں خیانت کی اور اس نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو پیغام وحی دے دیا اس کی اس خیانت کی وجہ سے نعوذ باللہ وہ لوگ جناب جبرائیل علیہ السلام کو سب وشتم کرنا واجب سمجھتے تھے کہ اس نے اللہ کے معاملے میں خیانت کی ہے۔

ان کا عقیدہ تھا کہ سلسلہ نبوت ابھی تک جاری ہے اور اس وقت امام جعفرالصادق علیہ الصلوات والسلام اللہ کے نبی ہیں ان کے بعد منصور عجلی نبی ہوگا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

ان کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ اب وحی کی ڈیوٹی سے جبرائیل علیہ السلام کو خیانت کی وجہ سے ہٹا دیا گیا ہے۔

ان سب فرقوں کو اپنے اپنے دور میں غالی وغلاۃ کا نام دیا جاتا تھا اور ایک کثیر تعداد میں احادیث ان کی مذمت میں وارد ہوئے ہیں جیسا کہ

☆ان قوماً من شيعتنا سيحبونا حتىٰ يقولوا فينا ما قالت اليهود فی عزير عليه السلام و ما قالت النصارىٰ فی عيسىٰ عليه السلام بن مريم سلام الله عليها فلاهم منا ولا نحن منهم

فرمایا عنقریب ہمارے شیعوں میں ایک گروہ ہوگا جو ہم سے محبت کرے گا اور ہمارے بارے وہ بات کہے گا جو یہودیوں نے جناب عزیر علیہ السلام کے بارے میں کہی یعنی اللہ کا بیٹا کہیں گے اور وہ ہمارے بارے میں وہ بات کرے گا جو عیسائیوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کہی یعنی اللہ کا بیٹا کہیں گے فرمایا نہ تو وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔

ایک اور حدیث میں فرمایا

☆ يهلك فی اثنان ولا ذنب بی محب مفرط و مبغض مفرِّط وانا ابرء الی الله ممن يغلوا فينا و يرفعنا فوق حدنا كَبرّاء عيسىٰ بن مريم عليهما السلام من النصارىٰ

ہمارے بارے میں دو گروہ ہلاک ہو جائیں گے ایک دشمنی میں حد سے بڑھنے والا اور ایک محبت میں حد سے بڑھنے والا ہم اللہ کے سامنے ان سے اظہارِ بریت کرتے ہیں اس غلو کی وجہ سے کہ جو وہ ہمارے بارے میں کریں گے اور ہمیں ہماری حد سے بڑھا دیں گے ہم ان سے ایسی بریت کرتے ہیں جیسی جناب عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اللہ کا بیٹا کہنے والوں سے کی۔

اسی طرح یہ بھی فرمایا

☆الغلاة كفار والمفوضة مشركون

کہ ایسے غالی کافر ہیں اور مفوضہ (جن کا ذکر گزر چکا ہے) وہ مشرک ہیں

(6) غالیوں کی چھٹی قسم

غلاۃ کی یہ قسم بہت شدید قسم کے غلو میں مبتلا تھی اور یہ ملعون تر جماعت تھی ان میں بہت سے فرقے رہے ہیں مگر چند فرقے بہت بدنام (مشہور) ہوئے ان میں ایک فرقہ تھا ''ذمیہ'' اس فرقے کا بانی زمام بن علی کوفی تھا ان کے عقائد یہ تھے۔

کائنات کی تخلیق سے قبل صرف امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کی ذات ہی تھی ان کے علاوہ کچھ نہ تھا یہی اس وقت ایک ذات تھے جن میں اللہ موجود تھا مگر حلول کی طرح نہیں کیونکہ حلول جز وقتی ہوتا ہے دائمی نہیں ہوتا لیکن ان میں اللہ کل وقتی طور پر موجود تھا اسی لئے یہ عین اللہ، وجہ اللہ، ید اللہ، اذن اللہ ہیں انہوں نے تمام انبیاء علیہم السلام کو مبعوث بہ رسالت کیا اور سارے انبیاء علیہم السلام کو اپنی وحدانیت کے تعارف کے لئے بھیجا اور سب کو حکم دیا کہ انسانوں سے ان کا کلمہ پڑھوائیں۔

ان کی طرح انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو خلق فرمایا اور انہیں بھی نبوت عطا فرمائی اور انہیں دنیا میں مبعوث بہ رسالت فرمایا اور اپنے تعارف کے لئے عرب میں بھیج دیا جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہدایت خلق کے لئے تشریف لائے تو دنیا میں آ کر ان کی نیت بدل گئی اور انہوں نے اپنا کلمہ پڑھوانا شروع کر دیا۔

یہ دیکھ کر اللہ کو جلال آیا تو اس نے امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کا روپ دھارن کر لیا اور خود دنیا میں آ گیا جب حضور اکرم علیہ الصلوات والسلام نے دیکھا کہ اللہ تو بہت غضبناک ہے تو اسے منانے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں نعوذ باللہ اپنی

دختر کا رشتہ دے دیا اور اس پر وہ راضی تو نہ ہوا مگر قبول کر لیا اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اللہ کے غضب سے بچ گئے۔

اس فرقے کے ملعون لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دشمنوں پر سب وشتم روا رکھتے تھے اور آپ کے خلاف زبان درازی جائز سمجھتے تھے (خدا ہر زبان دراز پہ لعنت کرے) اسی طرح ایک فرقہ تھا ''علیا'' اس کا بانی علیا بن ذراع الدی تھا اس کے عقائد اس طرح تھے وہ کہتے تھے کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ''اللہ'' کا غیر حلولی روپ ہیں اور یہ بشر بن کر دنیا میں آئے ہیں روزِ ازل حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ان کی بیعت کی تھی تب نبوت ملی تھی۔

یہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف زبان درازی تو نہ کرتے تھے مگر ان پر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو فضیلت دیتے تھے اور یہ بھی کہتے تھے کہ شہنشاہ انبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا کوئی جانشین نہیں ہے اور نہ وہ سلسلہ امامت کے قائل تھے۔

اسی طرح ایک فرقہ تھا ''جناحیہ'' اس کا بانی عبداللہ بن حرب کندی تھا اس کے عقائد میں ایک ملغوبہ سا تھا یعنی وہ یہ بھی کہتا تھا کہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ابن اللہ ہیں یعنی اللہ کے بیٹے ہیں ساتھ ہی یہ بھی کہتا تھا کہ ان میں اللہ کی روح نے حلول بھی کیا ہوا ہے اور ان کی وہ روحِ الٰہی ان کے بعد پنجتن پاک میں داخل ہوئی اور ان کے بعد وہ روحِ الٰہی سیدھی عبداللہ بن حرب کندی میں حلول پذیر ہوئی اور اس زمانہ میں وہی روح اللہ ہے اور امام ہے وہ شخص آخرت کا بھی منکر تھا اور محارم سے زنا کو جائز قرار دیتا تھا اور سور، شراب، زنا کو وہ اللہ کے احکام نہیں سمجھتا تھا اور یہ کہتا تھا کہ یہ احکام حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنی طرف سے قرآن میں داخل

فرمائے ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا جائز نہیں اس نے کہا کہ اس کے دور میں قرآن منسوخ ہو چکا ہے اب میں جو کہوں گا وہ قرآن ہے۔

اسی قسم کا ایک فرقہ تھا'' سریغیہ'' اور اس جیسے دیگر بہت سے فرقے تھے جو امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو حضور اکرم صلی الله علیہ و آلہ وسلم سے افضل سمجھتے تھے ان میں سے بعض کہتے تھے کہ اللہ نے جبرائیل علیہ السلام کو وحی دے کر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی خدمت میں بھیجا تھا اور اللہ انہیں نبی بنانا چاہتا تھا مگر جبرائیل علیہ السلام نے خیانت کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو وحی دے دی اس لئے اب انہیں نبی ماننا لازم ہے مگر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ان سے افضل ہیں بعض کہتے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نے یہ خیانت نہیں کی بلکہ جب وہ وحی لے کر آرہے تھے تو راستے میں شیطان مل گیا اور اس نے انہیں بہکانے کی کوشش کی اور جناب جبرائیل علیہ السلام نعوذ باللہ بہک گئے اور انہوں نے وحیِ الٰہی حضور اکرم صلی الله علیہ و آلہ وسلم کو دے دی اس لئے نہ جبرائیل علیہ السلام مجرم ہے نہ حضور اکرم صلی الله علیہ و آلہ وسلم بلکہ یہ سب جرم ابلیس کا ہے لیکن نبوت ملنے کے باوجود امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام حضور اکرم صلی الله علیہ و آلہ وسلم سے افضل ہیں۔

بعض کہتے تھے جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آئے تو انہیں نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہی بہکایا اور وحی خود لے لی اس طرح وہ لوگ سارا جرم نعوذ باللہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا ہی سمجھتے تھے مگر حاملِ وحی ہونے کی وجہ ان کی اطاعت کو درست مانتے تھے لیکن ان پر امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو فضیلت دیتے تھے اور حضور اکرم صلی الله علیہ و آلہ وسلم سے دشمنی کو بھی جائز مانتے تھے۔

کئی فرقے ایسے بھی تھے جو اپنے اپنے زمانے میں موجود آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فضیلت دیتے تھے اسی لئے احادیث کی ایک قسم ان کی مذمت میں وارد ہوئی ہے جیسا کہ

☆ قال علیہ السلام لاتفضلوا علیٰ رسول الله صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم احداً فان الله قدفضله واحبوااهل بيت نبيكم حباً مقتصداً ولا تغلوا ولا تفرقوا...... الخ

فرمایا تم کسی ایک کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر فضیلت نہ دو کیونکہ اللہ نے انہیں سب پر فضیلت بخشی ہے اور اللہ کو یہ محبوب ہے ان کے اہل بیت سے ایک متوازن محبت کرو اور ان کے بارے میں غلو سے کام نہ لو اور ان کے مابین تفریق نہ کرو۔

ایک مرتبہ جناب ابوحمزہ ثمالی نے اپنے شہنشاہ زمانہ امام محمد باقر علیہ الصلوات والسلام کی خدمت میں ان لوگوں کے عقائد کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا

☆یا ابا حمزه لا تضعوا علياً صلوات اللہ علیہ دون ما وضعه الله ولا ترفعوا فوق ما رفعه الله كفىٰ لعلى صلوات اللہ علیہ ان يقاتل اهل الكرة ويزوج اهل الجنة

فرمایا ابوحمزہ امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو وہاں نہ رکھو کہ جہاں اللہ عزوجل نے انہیں نہیں رکھا اور انہیں اس سے زیادہ بلند نہ کرو کہ جتنے تک اللہ نے انہیں بلندی بخشی ہے بلکہ ان کے فضائل میں اتنا کہنا کافی ہے کہ وہ دورِ آخر میں زمانہء رجعت میں کفار سے جہاد کریں گے اور اہل جنت کے حوران جنت سے عقد فرمائیں گے۔

اسی طرح کے جتنے فرقے اور مسالک تھے ان کے بارے میں بہت کچھ مواد

احادیث میں موجود ہے مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ مقصرین حضرات عوام کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے ان احادیث کے ذخیرے کو مومنین کو بہکانے اور ان میں کفراور شرک ثابت کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں یا تو وہ نام نہاد پڑھے لکھے کتب سے ناآشنا ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ یہ احادیث کن لوگوں کی مذمت میں صادر ہوئے ہیں یا پھر بددیانتی سے کام لیتے ہیں۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ مفوضہ اور غالی مسالک جیسا آج کسی مومن کا عقیدہ نہیں ہے کیونکہ ان کے عقائد میں جو چیزیں داخل تھیں وہ شیعوں میں موجود نہیں ہیں مثلاً

(1) آج کوئی شیعہ مومن مولائی پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے کسی فرد کو بھی اللہ کا بیٹا نہیں کہتا

(2) آج کوئی شخص بھی ان پاک ذوات میں سے کسی میں اللہ کے حلول کر جانے کا قائل نہیں

(3) آج کوئی بھی ان ذوات پاک میں روح الٰہی کا بھی قائل نہیں ہے

(4) آج کوئی بھی بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم الصلوات والسلام میں سے کسی ایک کا بھی منکر نہیں ہے

(5) آج کوئی بھی بنی عباس میں امامت کا قائل نہیں ہے

(6) آج کوئی بھی جناب جبرائیل علیہ السلام کو امور وحی میں خائن نہیں مانتا

(7) آج کوئی بھی جناب جبرائیل علیہ السلام کے بہک جانے اور انہیں شیطان کے بہکانے کا قائل نہیں

(8) آج کوئی بھی اولاد امام حسن علیہ الصلوات والسلام میں سے کسی کو حجت نہیں

مانتا اور نہ ہی ان کو محیی، ممیت، رازق، خالق مانتا ہے

(9) آج کوئی بھی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے خلاف زبان کھولنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا اور نہ ہی کوئی شخص زبان کھولنے والے کے کافر ہونے پر شک کرسکتا ہے

(10) آج کوئی بھی اللہ کو معطل اور معزول نہیں مانتا

(11) آج کوئی بھی امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پہ فضیلت نہیں دیتا

(12) آج کوئی بھی کسی غیر معصوم کی امامت کا قائل نہیں ہے

(13) آج کوئی بھی اس کا قائل نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو نبوت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے دی ہے آج کوئی بھی نہیں ہے جو کہے کہ کائنات کو جناب عیسیٰ علیہ السلام اور امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے خلق فرمایا ہے آج کوئی بھی نہیں ہے جو ملک الطاؤس (شیطان) کی مورتی کی یا یزید ملعون کی پوجا کرتا ہو۔

جب ان عقائد میں سے کوئی ایک بھی آج کے مومنین میں موجود نہیں ہے کہ تو یہ مولوی مومنین پر غالی اور مفوضہ ہونے کے فتوے دینے کے لئے کیوں ادھار کھائے بیٹھا ہے؟ اور جب بھی کوئی محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے فضائل بیان کرتا ہے یہ فتووں کی پٹیاری کھول دیتا ہے؟

اور ہر فضیلت کے بیان پہ کہتا ہے کہ حدیث ہے اعتدال پہ رہو کیونکہ حد سے بڑھنے والا محبّ اور حد سے بڑھنے والا مبغض دونوں ہلاک ہو جائیں گے۔

میں اب ان سے پوچھتا ہوں کہ درمیانہ قسم کے دوست اور درمیانہ قسم کے دشمن

دونوں نجات پا جائیں گے؟ دوست پر تو پھر بھی دوستی کا لیبل ہے مگر جو دشمن رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہے یا دشمنِ خاندان تطہیر ہے کیا اس کی نجات کا بھی امکان ہے؟ کہ وہ دوست بنے بغیر نجات پا جائے؟ کیونکہ اگر وہ دوست اور محبّ بن جائیگا تو درمیانہ درجے کا دشمن نہیں رہے گا اور آپ نے یہ ثابت کرنا ہے کہ دشمن اور بغض وعناد بھی رکھتا تھا اور نجات بھی پا گیا۔

کیا پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کے بغض سمیت کوئی جنت میں جا سکتا ہے؟ آپ لوگ عامی محبوں کو پریشان کرنے کے بجائے ان احادیث کے مفاہیم کو سمجھنے کی کوشش کریں اور فتووں کے بجائے کوئی مثبت قدم اٹھائیں۔

ان فتووں کی ہمیں تو صرف ایک ہی وجہ نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ ان کی نس نس میں پاک خاندان علیہم الصلوات والسلام کی دشمنی بھری ہوئی ہے اس لئے مومنین کو ان کے فتوؤں سے نہیں ڈرنا چاہیے اور درست عقائد پر باقی رہنا چاہیے اور یہ بات سمجھ لینا چاہیے کہ ایسے احادیث ان کے بارے میں نہیں بلکہ مولوی انہیں غلط جگہ پہ استعمال کر کے گمراہ کرنا چاہتا ہے۔

اب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ ان غلاۃ کے بعض عقائد ونظریات جزوی طور پر تو آج کے مومنین سے ملتے جلتے ہیں

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جملہ اچھے یا برے فرقوں میں جزوی طور پر اتفاق موجود ہے مثلاً خوارج کا جو عقیدہ تھا اس میں اللہ کا ایک ہونا مسلم تھا اور آج کے سارے مسلمان اللہ کو ایک مانتے ہیں تو نعوذ باللہ یہ سارے خارجی ہیں؟

اسی طرح جنت، دوزخ، حساب، قیامت، کتب ملکوت وحی، رسالت، حشر وغیرہ کے

عقیدے میں سارے مسالک میں تقریباً اتفاق ہے تو کیا اس جزوی اتفاق کی بنیاد پر سارے فرقوں کو ایک ہی فرقہ کہا جا سکتا ہے؟
جب یہاں اتنے زیادہ اتفاق کے باوجود وہ ایک نہیں ہیں تو پھر اگر مذہب حقہ کے عقائد سے کسی مخالف کے عقائد کا جزوی اتفاق انہیں ایک ہی صف میں کیسے کھڑا کر سکتا ہے؟

حرف آخر!

آخر میں گزارش کروں گا کہ یہ کتاب میں نے کسی کی تنقیص کے لئے نہیں لکھی بلکہ اپنے حدودِ اربعہ اور اپنے عقائد کی سرحدوں کی حفاظت اور تحفظ کے پیش نظر لکھی ہے اور ہر مذہب کے آدمی کا اپنی رائے کا اظہار کرنا اپنے مذہب وعقیدے کی حفاظت کرنا اولین حق ہے اور اسے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کے عقائد کے تحفظ کی اجازت ہے ہاں دوسروں پر اپنی رائے مسلط کرنا علمی جارحیت ہے وہ جائز نہیں ہے۔
یہ بھی حقیقت ہے پاک خاندان علیہ الصلوات والسلام کو نہ کسی کی دشمنی نقصان دے سکتی ہے اور نہ دوستی، بلکہ یہ انسان کا اپنا ہی نفع اور نقصان ہے۔
میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری یہ چھوٹی سی کاوش جو میرے شہنشاہِ زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے کرم کی مرہون ہے اور یہ اتنی بڑی چیز نہیں کہ دشمن کی دشمنی کو ہمیشہ کے لئے ختم کر سکے بلکہ یہ ایک چھوٹی سی کوشش ہے کہ جس سے ہم اپنے مالکِ مطلق عجل اللہ فرجہ الشریف کے انصار میں اپنی شمولیت ثابت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ جب نارِ نمرود دہک رہی تھی تو چھپکلی نے آکر پھونکیں ماریں اور مینڈک نے چند قطرے پانی کے ڈالے تو نہ

چھپکلی کی پھونکیں آگ کو بڑھا سکیں اور نہ مینڈک کے پانی کے چند قطرے آگ بجھا سکے مگر دوست اور دشمن کی پہچان ہوگئی اور دوست دوستوں کی صف میں جا بیٹھا اور دشمن دشمنوں کی صف میں ہماری کوشش بھی پانی کے چند قطروں سے بھی کم ہے مگر اس سے اتنا تو ہو جائے گا کہ ہم دوستوں کی صف میں تو آ جائیں اور ہماری یہی دعا ہے کہ جب ان مظلومین کے خون کا وارث پاک آئے تو ہمیں اپنے اجدادِ طاہرین علیہم الصلوات والسلام کے انصار میں شمار فرمائے اور ہمیں اپنی نصرت میں جان دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

آخر میں دعا کروں گا کہ رب ذوالجلال ہمارے آقا و مولائے مطلق عجل اللہ فرجہ الشریف کا خروج وظہور جلدی فرمائے۔

آمین ثم آمین

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ آلِ مُحَمَّدٍ وَعَجِّل فَرَجَھُم بِقَائِمِھِمْ عَجَلَ اللّٰہُ فَرَجَہُ الشریف وَصَلَوَاتُ اللّٰہُ عَلَیہِ وَ عَلٰی آلِہٖ اَجمَعِین